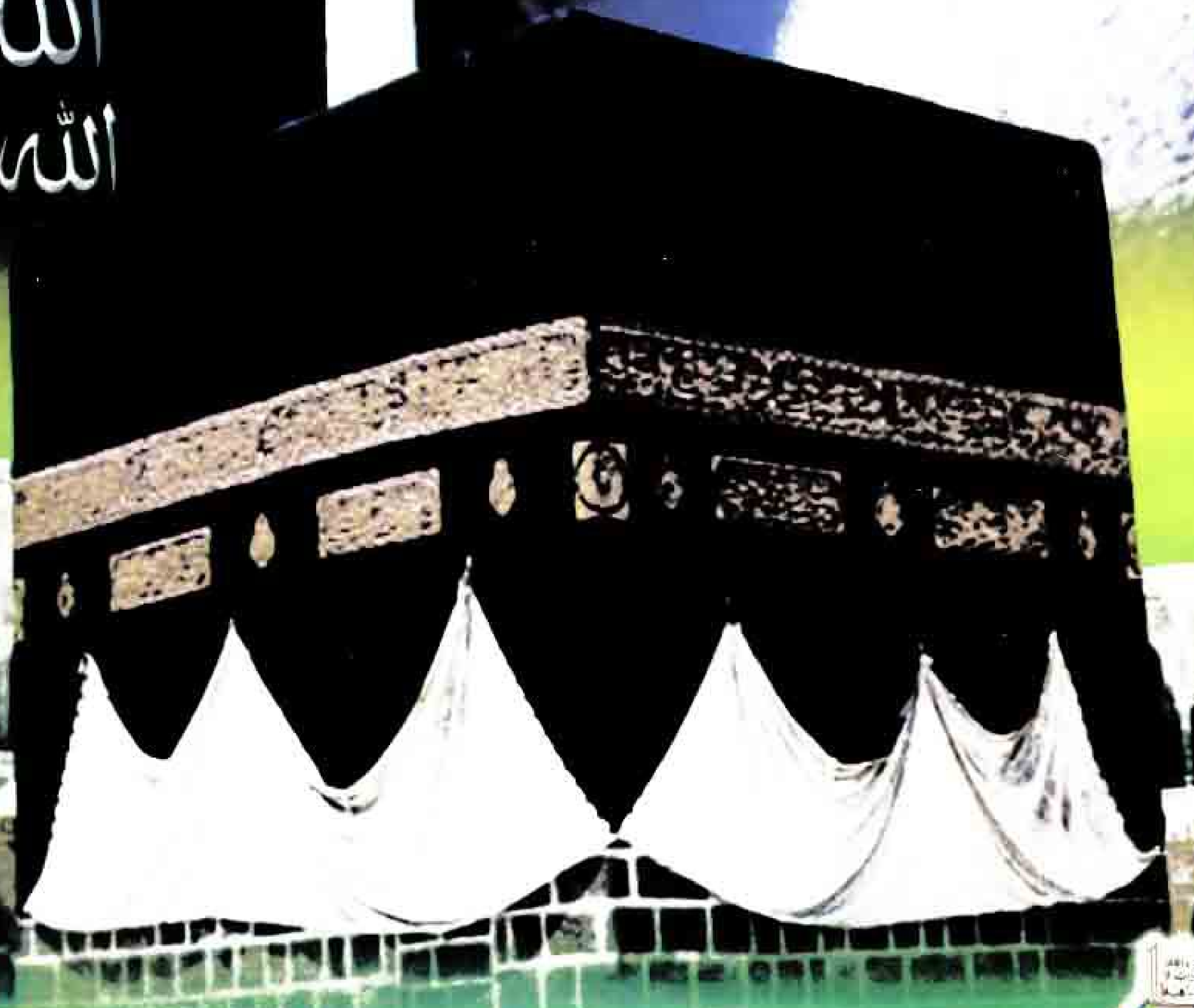
اللہ کا ولی یعنی دوست بننے کا مکمل ضابطہ و طریقہ

اللہ جل جلالہ کا فقیر





عالم فقری

اللہ کا فقیر

عالم فقری

ادارہ پیغام القرآن
40- اردو بازار لاہور

اللہ تعالیٰ ہمارا مالک اور رزاق ہے

نام کتاب ---------------- اللہ کا فقیر

مصنف ---------------- عالم فقری

اشاعت ---------------- ۲۰۰۵ء

تعداد ---------------- ۱۱۰۰

زیر اہتمام ---------------- محسن فقری

منتظم ---------------- حسیب فقری

معاون ---------------- جاوید فقری

پریس ---------------- اشتیاق احمد مشتاق پرنٹرز لاہور

قیمت ---------------- ۲۰۰/- روپے

ملنے کا پتہ

شبیر برادرز اردو بازار لاہور

فہرست

باب ۱

فقر

اللہ کی عبادت کے لیے دنیا کے کام کاج سے محدود ہو کر اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے صرف اللہ تعالیٰ سے وسائل مانگنا فقر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اہل فقر کی شان بہت بلند ہے یہ اللہ کے خاص الخاص بندے ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کی ہر چیز اللہ کے سپرد کی ہوتی ہے اور صحیح معنوں میں اللہ کو اپنی گزر اوقات کا کارساز بنایا ہوتا ہے۔ بظاہر ان کے پاس زندگی کا ساز و سامان ہو یا نہ ہو انھیں کوئی احساس نہیں ہوتا بلکہ انھوں نے اللہ ہی کے لیے دنیا کی تمام پرکشش چیزوں سے کنارہ کیا ہوتا ہے اگر ان کے پاس دنیا کا مال و متاع ہو تو پھر بھی انھیں امیر ہونے کا احساس نہیں ہوتا اور نہ ہی مال و دولت کے نہ ہونے سے کوئی محرومی محسوس ہوتی ہے کیونکہ اللہ کے ایسے بندوں کی نظر میں دنیا کے مال کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں کیونکہ انھوں نے ہمیشہ کے لیے رضائے الٰہی کا دامن تھاما ہوتا ہے اور جو رضائے الٰہی پر چلتا ہو اسے کسی چیز کی کمی نہیں ہوتی۔

اہل فقر نے اپنے دل کو دنیوی خواہشات سے خالی کیا ہوتا ہے۔ ان کا باطن دنیا کے حصول اور اغراض سے محفوظ ہوتا ہے اور ان کا نفس آفات شر سے بچا ہوتا ہے انھوں نے اللہ کے احکام کو مکمل طور پر اپنے اوپر وارد کیا ہوتا ہے ان کا ظاہر اور باطن یکساں ہوتا ہے جو ان کے دل میں ہوتا ہے وہی ان کی زبان پر ہوتا ہے۔ ان پر ہر دم اطاعت الٰہی کا غلبہ رہتا ہے ان پہ عشقِ الٰہی اس حد تک غالب ہوتا ہے۔ ان کے مقصد میں دنیا کی کوئی چیز

رکاوٹ نہیں بنتی ان کے بشری تقاضے کافی حد تک محدود ہو چکے ہوتے ہیں ان کی صرف ایک ہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ہر دم دربار الٰہی میں محو رہیں۔ دنیا کی کوئی چیز انھیں غافل نہ کرے اس لیے وہ اللہ کے بھروسے پر دنیا سے خالی ہاتھ ہو جاتے ہیں۔ آخر یہی فقر انھیں مقام وصل میں لے جاتا ہے اور دریائے معرفت میں غوطہ زن ہو کر ہمیشہ کے لیے جاوداں ہو جاتے ہیں۔

عموماً لوگ بھیک مانگنے والوں کو فقیر کہتے ہیں وہ فقیر نہیں ہوتے بلکہ وہ تو دنیا کے گداگر ہیں۔ فقیر سب سے اعلیٰ لوگ ہیں جبکہ گداگر معاشرے کے اچھے لوگوں میں شمار نہیں ہوتے۔ کیونکہ انھوں نے اللہ سے توقع ہٹا کر دنیا کی طرف لگائی ہوتی ہے تبھی تو وہ جا بجا گدائی کرتے پھرتے ہیں اور لوگوں سے طرح طرح کی باتیں سنتے ہیں۔ کوئی عطا کر دیتا ہے کوئی دھتکار دیتا ہے۔ اس لیے دنیا کی گدائی ہر لحاظ سے قابلِ مذمت ہے کیونکہ اس میں ذلت کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے برعکس اللہ کا فقیر بننا باعثِ عزت ہے کیونکہ فقر تاجِ شاہی ہے جو اللہ سے ملتا ہے۔ جسے وہ مل جائے اسے اور کیا چاہیے۔ فقر کا تاج اللہ تعالیٰ صرف انھیں عطا فرماتا ہے جو اس کے طالب بنتے ہیں اور اس کے اہل ہوتے ہیں لہٰذا اہلِ فقر کا فرض ہے کہ اللہ کی عطا کردہ عزت کی حفاظت کریں۔ لہٰذا اپنے ظاہر اور باطن کو لغزشوں سے بچانے کے لیے اللہ سے توفیق مانگیں اور ہمیشہ اس کوشش میں رہیں کہ جسم کا کوئی حصہ معصیت اور گناہ میں مبتلا نہ ہو تاکہ قلبی کیفیت میں خلل اور آفت رونما نہ ہو کیونکہ اللہ نے اہلِ فقر کے ظاہر کو ظاہری نعمتوں سے مالا مال کیا ہوتا ہے اور باطن باطنی نعمتوں سے بھرپور ہوتا ہے وہ خلقت سے بے نیاز ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ سے مانگنے کی بدولت ہر لحاظ سے غنی ہوتے ہیں اس لیے اللہ کے فقیروں کو دنیا کے گداگر نہیں سمجھنا چاہیے۔

پس اللہ کی معرفت کے طالب کو چاہیے کہ وہ فقر کو اختیار کرے کیونکہ فقر کو پا لینا ہی اصل ولایت ہے۔ فقر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی طریقہ ہے آپ نے دولت کی کثرت کو

ترک کیا اور جو اللہ کی جانب سے مل گیا اسی پر قناعت کر کے گزارہ کیا لہٰذا اللہ کا بندہ بننے کے لیے بھی واحد طریقہ ہے کہ اس سے جو مل جائے اسی کو مقدر سمجھ لیا جائے اور کثرت کی خواہش دل سے نکال دی جائے پھر تو منزل بہت جلد ملے گی ورنہ طالب کسی نہ کسی مقام پر رک جائے گا اور اللہ کی معرفت تک پہنچ نہیں پائے گا لہٰذا اے اللہ کے طالب! تجھے چاہیے کہ جب تو راہِ معرفت میں قدم رکھے تو پہلے روزہی فقر پر گامزن ہو جا۔ تاکہ حجاباتِ معرفت بہت جلد اٹھ جائیں اور تو دین و دنیا میں کامران ہو جائے۔

اوصافِ فقر

اہلِ فقر کو ان میں ان کی توصیف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

لِلْفُقَرَاۗءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُھُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۗءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُھُمْ بِسِيْمٰھُمْ لَا يَسْــَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۔	اللہ کا مال ان اہلِ فقر کے لیے جو اللہ کی راہ میں محصور ہوں اور زمین میں گھومنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ نادان انھیں ان کی بے نیازی کے باعث دولت مند سمجھتے ہیں۔ تو انھیں ان کی صورت سے پہچان لے گا۔ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے۔ تم جو کچھ اللہ کی راہ میں دو گے اللہ اس سے بخوبی واقف ہے (البقرہ ۲۷۳)

اللہ نے اس فرمان میں بتایا گیا ہے کہ اہلِ فقر وہ ہیں جو اللہ کی خاطر دنیا کا تمام مال و اسباب چھوڑ دیں۔ مال و دولت، گھر، اولاد، عزیز و اقارب، جائیداد غرضیکہ محبوب سے محبوب چیز کو بھی اللہ کی راہ میں قربان کر دیں اور انھیں صرف رضائے الٰہی کا حصول مدِنظر ہو جس طرح مہاجرین مکہ ہر قسم کے دنیوی تعلقات قطع کر کے وطن کو چھوڑ کر صرف اللہ کو راضی کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مدینہ شریف آ گئے اور

وہاں پر ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اور انھیں صرف اللہ پر ہی بھروسہ تھا یہی لوگ دراصل صاحبِ فقر تھے۔ ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۔ اے لوگو! تم سب اللہ کے فقیر ہو اور صرف اللہ غنی ہے حمد کیا ہوا۔ (پ ۲۲، فاطر ۱۵)

اللہ سے مانگنے والا فقیر ہے اس لحاظ سے دنیا کے تمام انسان فقراء ہیں مگر یہ عام مفہوم ہے لیکن اللہ کے خاص فقراء وہی ہوں گے جو اپنے وسائل صرف ذاتِ الٰہی سے مانگتے ہوں۔ جو شخص دنیا کے اسباب پر بھروسہ رکھتا ہے وہ خاص فقراء میں شمار نہیں ہو سکتا اللہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے، تمام مخلوق اس کی محتاج ہے وہ غنی ہے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ :-

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۔ اگر اللہ کی راہ میں علانیہ مال دو تو اچھا ہے اگر چھپا کر فقراء کو دو تو یہ تمھارے لیے سب سے بہتر ہے یہ تمھارے گناہوں کا کفارہ ہوگا اور اللہ کو تمھارے کاموں کی خبر ہے۔ (پ ۳، بقرہ ۲۷۱)

اللہ کی راہ میں خواہ اعلانیہ طور پر یا پوشیدہ طور پر صدقات دینا بہتر ہے لیکن چھپکے سے اللہ کی راہ میں دے دینا ظاہراً دینے سے زیادہ بہتر ہے۔ صدقہ خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ اس کا اہلِ فقر کو دینا سب سے اچھا ہے کیونکہ اللہ کے فقیر دنیا سے سوال نہیں کرتے اس لیے ان تک پہنچا دینا بہت بہتر ہے اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ بہت ہی بہتر کرتا ہے کیونکہ فقراء کو دیا ہوا صدقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ مہاجر فقراء کی فضیلت کے بارے میں ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے کہ :

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا ان فقراء مہاجرین کے لیے جو اپنے گھروں اور

مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ ماوں سے نکالے گئے ان کے پیش نظر اللہ کا فضل اور رضا تھی اور وہ اللہ اور رسول کی مدد کرتے ہیں وہی لوگ صادق ہیں ۔ (پ ۲۸، حشر ۸)

مال غنیمت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کے غریب مہاجر بھی حقدار ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنا وطن عزیز چھوڑا۔ اور اپنے ہاتھ سے کمایا ہوا مال بھی اللہ کے دین پر قربان کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لیے تہہ دل سے حصہ لیا یہی لوگ اللہ کے فضل اور خوشنودی کے متلاشی ہیں اور یہی ان کی صداقت کی واضح دلیل ہے۔ ان تمام خوبیوں کی بنا پر وہ لوگ مال غنیمت کے حقدار ہیں۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔ اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کا نکاح کر دیا کرو اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا بھی اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے انھیں غنی کر دے گا، اللہ وسعت والا علم والا ہے۔ (پ ۱۸، نور ۳۲)

مال نہ ہونے کے ڈر سے نکاح نہ کرنا درست نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے وہ فقراء جن کے پاس مال نہ ہو ان کا نکاح کر دو، اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں اضافہ کر دے گا پس ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو صرف اللہ سے مانگتے ہیں وہ سچے فقراء ہیں اور ایسے لوگ صاحب فضیلت ہیں۔

فضیلتِ فقر

فقر کی بے پناہ فضیلت ہے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات حسب ذیل ہیں:۔

فقیر لوگ جنت میں

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقیر لوگ جنت میں امیروں سے پانچ سو برس پہلے داخل ہوں گے جو کہ نصف دن ہے۔

اہل فقر کون؟

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض بکھرے بالوں والے اور دروازوں سے دھتکارے ہوئے ایسے ہیں کہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھالیں تو وہ انھیں سچے کر دکھاتا ہے۔ (مسلم)

فقراء باعث مدد

مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ حضرت سعدؓ نے دیکھا کہ انھیں دوسروں پر فضیلت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے ضعیف لوگوں کے باعث مدد کیے جاتے اور روزی دیے جاتے ہو۔ (بخاری)

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنے ضعیفوں میں تلاش کیا کرو کیونکہ تم اپنے ضعیفوں کے سبب روزی دیے جاتے ہو۔ (ابوداؤد)

وسیلہ فقراء

حضرت امیہ بن خالد بن عبداللہ بن اُسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فقرائے مہاجرین کے وسیلے سے فتح مانگا کرتے تھے۔ (شرح السنۃ)

دو باتیں

فرمان نبویؐ ہے کہ میری دو باتیں ہیں جو انھیں پسند کرتا ہے وہ مجھے پسند کرتا ہے جو انھیں بُرا سمجھتا ہے وہ مجھے بُرا سمجھتا ہے۔ فقر اور جہاد (مکاشفۃ القلوب)

جنت میں فقراء کی کثرت

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو اس میں داخل ہونے والے میں نے زیادہ تر مسکین دیکھے اور دولت مند روکے ہوئے ہیں ماسوائے ان کے جن جہنمیوں کو جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے اور میں جہنم کے

دروازے پر کھڑا ہوا تو اس میں داخل ہونے والی زیادہ تر عورتیں تھیں۔ (بخاری شریف)

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا مالدار کہاں ہیں، تو مجھے بتلایا گیا کہ انھیں مالداری نے گرفتار کر رکھا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے جہنم میں اکثر عورتوں کو دیکھ کر کہا ایسا کیوں ہے؟ تو مجھے بتلایا گیا کہ ان کی سونے اور خوشبوؤں سے محبت کی وجہ سے ہے۔

سات باتوں پر عمل کا حکم

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خلیل آقا نے مجھے سات باتوں کا حکم فرمایا، مجھے مسکینوں سے محبت کرنے اور ان کے قریب رہنے کا حکم فرمایا۔ فرمایا کہ اپنے سے کم حیثیت والے کی طرف دیکھوں اور اپنے سے زیادہ حیثیت والے کی طرف نہ دیکھوں۔ حکم فرمایا کہ صلہ رحمی کروں اگرچہ وہ پیٹھ دکھائیں، حکم فرمایا کہ کسی سے کچھ نہ مانگوں، حکم فرمایا کہ سچی بات کہوں اگرچہ کڑوی ہو، حکم فرمایا کہ اللہ کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں اور حکم فرمایا کہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ" کثرت سے کہا کروں کیونکہ یہ کلمات عرش کے نیچے والے خزانے سے ہیں۔ (احمد)

فقرائے مہاجرین کی شان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور فقرائے مہاجرین کا گروہ بھی بیٹھا ہوا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان میں بیٹھ گئے۔ میں اٹھ کر ان کے پاس چلا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقرائے مہاجرین کو وہ چیز مبارک رہے جس سے ان کے چہرے کھل جاتے ہیں کہ وہ جنت میں امیروں سے چالیس سال پہلے داخل ہونگے راوی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ان حضرات کے رنگ نکھر گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ کاش! میں ان کے ساتھ ہوتا یا ان میں سے ہوتا۔

(دارمی شریف)

مہاجرین دولتمندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلاشبہ قیامت کے روز مہاجرین دولتمندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ (مسلم شریف)

مفلس دولتمند سے بہتر ہے

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک آدمی گزرا تو آپ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے فرمایا کہ اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا کہ یہ معزز لوگوں میں سے ہے، خدا کی قسم! اس قابل ہے کہ پیغام دے تو نکاح کر دیا جائے اور اگر سفارش کرے تو قبول کی جائے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ پھر دوسرا آدمی گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ عرض گزار ہوا کہ یا رسول اللہ! یہ مفلس مسلمانوں میں سے ہے اس قابل ہے کہ پیغام دے تو نکاح نہ کیا جائے، اگر سفارش کرے تو قبول نہ ہو اور اگر کوئی بات کرے تو اس کی بات سنی نہ جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس سے بہتر ہے کہ اس جیسے لوگوں سے زمین بھری ہوئی ہو۔ (بخاری شریف)

اللہ کس کو پسند کرتا ہے

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو مومن، فقیر، سوال سے بچنے والا اور بال بچے دار ہو۔ (ابن ماجہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکینی کی حالت میں وفات دینا اور میرا حشر مسکینوں کے گروہ میں کرنا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ عرض گزار ہوئیں کہ یا رسول اللہ! کیوں؟ فرمایا کہ وہ امیروں سے چالیس برس

پہلے جنت میں داخل ہونگے۔ اے عائشہ! مسکین کو خالی ہاتھ نہ لوٹا نا خواہ کھجور کا ٹکڑا ہی میسر آئے۔ اے عائشہ! مسکینوں سے محبت کرنا اور انھیں نزدیک رکھنا تو اللہ تعالیٰ قیامت میں تمہیں اپنا قرب عطا فرمائے گا۔ (ترمذی، بیہقی)

اپنے سے کم تر کو دیکھو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مال اور افراد میں تم سے بڑھ کر ہو تو اسے بھی دیکھنا چاہیئے جو تم سے کمتر ہو۔

مفلسی کا محل جنت ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو اس میں زیادہ تر مفلسوں کو دیکھا اور جہنم میں جھانک کر دیکھا تو زیادہ تر اس میں عورتوں کو دیکھا۔

دولت قبول نہ کرنا فقر ہے

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں پہاڑ سونے کا بنا دوں جو آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ جبریل! یہ دنیا تو اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو یہ اس کی دولت ہے جس کے پاس کوئی دولت نہ ہو اور اسے وہی جمع کرتا ہے جو بے وقوف ہو۔ جبریل بولے اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ آپ کو اسی حق و صداقت پر قائم رکھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال فقر

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خیبر کے ایک یہودی کے پاس بھیجا اور فرمایا اسے کہو کہ رجب المرجب کے چاند تک ہمیں قرض یا ادھار میں آٹا دے دے۔ میں اس یہودی کے پاس گیا تو اس نے کہا کوئی چیز گروی رکھو تب آٹا

ملے گا۔ میں نے آپ کو خبر دی تو آپ نے ارشاد فرمایا بخدا! میں زمین و آسمان میں امین ہوں اگر وہ قرض یا ادھار میں اٹھا دیتا تو میں ضرور واپس کرتا۔ تو میری یہ زرہ لے جاؤ اور اس کے پاس گروی رکھ دو۔ جب میں زرہ لے کر نکلا تو آپ کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا۔

اور اے سننے والے! اس کی طرف اپنی آنکھیں نہ لگا جو ہم نے کافروں کے جوڑوں (زن و شوہر) کو برتنے کے لیے دی ہے، جیتی دنیا کی تازگی۔

فقر حسن مومن ہے

فرمانِ نبوی ہے کہ فقر مومن کے لیے گھوڑے کے منہ پر حسین بالوں سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ جس کا جسم تندرست، دل مطمئن ہے اور اس کے پاس ایک دن کی غذا موجود ہے تو گویا اسے (کائنات کی) ساری کی ساری دولت مل گئی ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ فقر دنیا میں مومن کے لیے تحفہ ہے۔

فقر اور محبت کا تعلق

حضرت عبداللہ بن مغفل رضؓ نے فرمایا کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا دیکھو تو سہی کہ تم کیا کہتے ہو۔ چنانچہ تین مرتبہ کہا کہ خدا کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا اگر تم سچے ہو تو فقر کے لیے پاکھر تیار کرلو۔ کیونکہ مجھ سے محبت کرنے والے کی طرف فقر اس سے بھی جلدی پہنچتا ہے کہ سیلاب اپنے منتہیٰ تک پہنچے۔ (ترمذی)

فقر کا خیر مقدم کرو

حدیث شریف میں ہے کہ جب تو فقر کو اپنی طرف متوجہ پائے تو اسے خوش آمدید کہہ اور "اے نیکیوں کی علامت" کہہ کر اس کا خیر مقدم کرو۔ اور جب مال و دولت کو اپنی طرف آتا دیکھو تو کہو دنیا میں مجھے یہ کسی گناہ

کی جلدی سزا مل رہی ہے۔

اہلِ فقر کی شان

ابو عبدالرحمٰن بن حبلی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے سنا جبکہ ایک آدمی نے ان سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ ہم فقرائے مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کیا تمھاری بیوی ہے جس کے پاس تم ٹھہر سکو؟ کہا ہاں! فرمایا کیا تمھارے پاس گھر ہے جس میں تم رہ سکو؟ کہا ہاں! فرمایا تم تو امیروں میں سے ہو۔ اس نے کہا کہ میرا ایک خادم بھی ہے۔ فرمایا کہ پھر تو تم بادشاہ ہو۔ عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ تین آدمی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں ان کے پاس تھا۔ عرض گزار ہوئے اے ابو محمد! خدا کی قسم! ہم کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔ ہمارے پاس خرچ، سواری اور سامان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اگر تم ہماری طرف لوٹنا چاہتے ہو تو جو اللہ تعالیٰ میسر فرمائے گا وہ ہم تمھیں دے دیں گے اور اگر تم چاہو تو ہم تمھارا ذکر بادشاہ سے کردیں گے اور اگر چاہو تو صبر کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فقرائے مہاجرین قیامت کے روز ان کے مالداروں پر چالیس سال پہلے جنت کی طرف سبقت لے جائیں گے۔ عرض گزار ہوئے کہ ہم صبر کرتے ہیں اور کسی چیز کا سوال نہیں کرتے۔ (مسلم)

قیامت میں فقراء کی تکریم

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن درویش اور مفلس کو لایا جائے گا اور جس طرح لوگ آپس میں ایک دوسرے سے معذرت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس درویش سے عذر خواہی فرمائے گا اور کہے گا کہ میں نے دنیا کو جو تجھ سے دور رکھا اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ تجھے ذلیل و خوار کروں بلکہ اس لیے ایسا کیا کہ بہت سی خلعتیں اور بزرگیاں میری طرف سے تجھ کو عطا ہوں۔ ان لوگوں کی صفوں میں جا اور جس نے تجھ کو میرے لیے ایک دن کھانا کھلایا ہو یا کپڑا پہننے کو دیا ہو اس کی دستگیری کر کیونکہ میں نے

اس کو دنیا میں تیرے کام میں مشغول کیا تھا۔ اس دن لوگ پسینے میں غرق ہوں گے۔ وہ اپنے شخص کا ہاتھ جا کر پکڑے گا جس نے دنیا میں اس کے ساتھ احسان کیا تھا اور اس کو باہر نکال لائے گا۔

فقیروں سے دوستی کی ترغیب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم درویشوں سے دوستی رکھو اور ان پر احسان کرو کیونکہ ان کے ساتھ میں دولت رکھی ہے۔ اصحابؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ! وہ کونسی دولت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قیامت میں درویشوں سے کہیں گے کہ جس کسی نے تم کو روٹی کا ایک ٹکڑا دیا ہے یا پانی کا ایک گھونٹ پلایا ہے اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جاؤ۔

فقر میں آزمائش ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کو طرح طرح کی آفتوں میں گرفتار کرتا ہے اور جب کسی کو بہت زیادہ دوست رکھتا ہے تو افتنا کرتا ہے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! افتنا کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا افتنا یہ ہے کہ نہ اس شخص کا مال باقی رہے نہ اہل و عیال۔

اصحابِ صفّہؓ کے فقراء

جب عرب کے سرداروں اور مالداروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ اپنی مجلس میں ایک دن ہمارے لیے اور ایک دن ان فقراء کے لیے متعین کیجیے، پس وہ ہمارے دن میں نہ آئیں اور ہم ان کے دن میں نہیں آئیں گے۔ فقراء سے ان کی مراد حضرت بلالؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت ابو ذرؓ، حضرت خبابؓ بن الارت، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور اصحابِ صفہ کے فقراء رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو مان لیا کیونکہ ان فقراء کے لباس سے ان دولتمندوں کو بدبو آتی تھی ان فقراء کے لباس

اُن کے تھے اور پسینہ آنے کی صورت میں ان کے کپڑوں سے جو بُو آتی تھی وہ اقرع بن حابس التیمی، عیینہ بن حصن الفزاری، عباس بن مراد السلمی اور دیگر اغنیائے عرب کو بہت چیں بہ جبیں کر دیا کرتی تھی چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات پر رضا مندی کے باعث قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی :-

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا. وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ	اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں انھیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں کیا تم دنیا کی زندگی کا سنگار چاہو گے۔ اس کا کہا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا اور فرما دو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

(پ ۱۵ ، کہف ۵)

ایک روز حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے حضور کی خدمت میں حاضری کی اجازت طلب کی۔ اس وقت آپ کے پاس ایک قریشی سردار بیٹھا ہوا تھا آپ کو ابن ام مکتوم کی آمد ناپسندیدہ معلوم ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں :-

عَبَسَ وَتَوَلّٰى. اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى. وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى. اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى. اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى.	اس نے تیوری چڑھائی اور منہ موڑ لیا جب اس کے پاس نابینا آیا اور کس چیز نے تمہیں معلوم کرایا کہ شاید وہ پاک ہو جاتا یا نصیحت سنتا بس اسے نصیحت فائدہ دیتی جو شخص بے پروائی کرتا ہے

فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی ۔ تم اس کی خاطر اسے روکتے ہو۔ (پ ۳۰ عبس آیات)

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پیغمبروں میں سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام ہیں اور میرے اصحابؓ میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ سب سے آخر میں بہشت میں داخل ہوں گے کیونکہ یہ دونوں حضرات تونگر تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تونگر بہت دشواری سے جنت میں جائے گا۔

فقراء سے بھلائی کرو

فرمان نبویؐ ہے کہ فقراء کو پہچانو اور ان سے بھلائی کرو ان کے پاس دولت ہے، پوچھا گیا کہ حضورؐ! کونسی دولت ہے؟ آپ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا جس نے تمہیں کھلایا پلایا ہو یا کپڑا پہنایا ہو اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے جنت میں لے جاؤ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ

فرمانِ نبوی ہے کہ جب میں (شبِ معراج) جنت میں گیا تو میں نے اپنے آگے حرکت کی آواز سنی۔ میں نے دیکھا تو وہ بلالؓ تھے۔ میں نے جنت کی بلندیوں پر دیکھا وہاں مجھے اپنی امت کے فقراء اور ان کی اولادیں نظر آئیں۔ میں نے نیچے دیکھا تو مالدار نظر آئے اور عورتیں کم تھیں۔ میں نے سبب پوچھا تو بتلایا گیا کہ عورتوں کو سونے اور ریشم نے جنت سے محروم کر دیا ہے اور مالداروں کو ان کے طویل حسابات نے اوپر نہیں جانے دیا۔ میں نے اپنے صحابہؓ کو تلاش کیا تو مجھے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نظر نہ آئے۔ کچھ دیر بعد وہ روتے ہوئے آئے۔ میں نے پوچھا تم مجھ سے کیوں پیچھے رہ گئے؟ تو عبدالرحمٰنؓ نے کہا میں بہت دکھ جھیل کر آپ کی خدمت میں پہنچا ہوں۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ شاید میں آپ کو نہیں دیکھ پاؤں گا۔

جنت کی بشارت

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سابقین اولین مسلمانوں

میں سے تھے۔ حضورؐ کے جاں نثار اوران دس حضرات میں سے تھے جنھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے اور ان مالداروں میں سے تھے جن کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر جس نے مال کو ایسے ایسے خرچ کیا۔ انھیں بھی مالداری نے اتنی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص سے گزرے جس کے پاس مال ومنالِ دنیا سے کچھ نہیں تھا۔ آپؐ نے فرمایا اگر اس کا نور تمام دنیا والوں میں تقسیم کیا جائے تو پورا ہو جائے گا۔

جنت کے بادشاہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کیا میں جنتی بادشاہوں کے متعلق تمھیں بتاؤں؟ عرض کی گئی فرمائیے۔ آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جسکو، درو ناتواں سمجھا گیا، غبار آلود پریشان بالوں والا، دو پھٹی پرانی چادروں والا، جسے کوئی خاطر میں نہیں لاتا ہے، اگر وہ اللہ کی قسم کھالے تو اللہ تعالےٰ اس کی قسم کو ضرور پورا کرتا ہے۔

فقراء سے دشمنی کی مذمت

حضرت علی رضؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب لوگ فقراء سے دشمنی رکھیں۔ دنیاوی شوکت وحشمت کا اظہار کریں۔ اور روپیہ جمع کرنے پر حریص ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ ان پر چار مصیبتیں نازل فرماتا ہے۔ قحط سالی۔ ظالم بادشاہ۔ خائن حاکم اور دشمنوں کی ہیبت۔

حضرت عائشہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ کو وصیت فرمائی کہ اگر تم مجھ سے ملاقات کی خواہشمند ہو تو فقراء جیسی زندگی بسر کرنا۔ دولتمندوں کی محفلوں سے علیحدہ رہنا اور اوڑھنی کو پیوند لگائے بغیر نہ اتارنا۔ فرمان نبوی ہے اس

شخص کے لیے خوشخبری ہے جو اسلام پر چلا اور اس نے معمولی گذران پر قناعت کر لی۔

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بوسیدہ کپڑوں کی وجہ سے کسی کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ اس کا اور تمہارا رب ایک ہے۔

فقر اور رضا کا تعلق

فرمان نبوی ہے کہ اے فقراء! تم دل کی گہرائیوں سے اللہ کی رضا پر راضی رہو، تمہیں فقر کا ثواب ملے گا وگرنہ نہیں، پہلا قانع اور دوسرا راضی بہ رضائے الٰہی ہے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حریص کو فقر کا ثواب نہیں ملے گا مگر بعض احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسے بھی فقر کا ثواب ملے گا۔

شاید عدم رضا سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس سے مال روک لینے کو برا سمجھتا ہے اور بہت سے طالب دنیا ایسے ہیں جو دل میں کبھی بھی اللہ تعالیٰ کا منکر ہونا پسند نہیں کرتے لہٰذا ان کی طلب میں کوئی برائی نہیں ہے لیکن اول الذکر بات اعمال کو تباہ کر دیتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے دولت نہ دینے کو برا سمجھا جاتا ہے۔

جنت کی چابی فقر ہے

حضرت عمرؓ سے مروی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک کلید ہوتی ہے اور جنت کی چابی فقراء اور مساکین کی محبت ہے اپنے صبر کی وجہ سے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قریب ہوں گے۔

اللہ کا محبوب بندہ

حضرت علیؓ سے مروی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ سب سے زیادہ محبوب ہے جو فقیر ہو، اللہ کی رضا پر راضی ہو اور اس کے عطا کردہ رزق پر قناعت کرتا ہو۔

حضورؐ کی دُعا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی اے اللہ! محمدؐ کے گھرانے کی

خوراک اندازے کے مطابق ہو۔ اور فرمایا قیامت کے دن کوئی فقیر اور مالدار ایسا نہیں ہوگا جو یہ تمنا نہ کرے کہ مجھے دنیا میں خوراک کے مطابق ہی رزق دیا جاتا۔

فقر کی فضیلت

فرمانِ نبوی ہے کہ راضی بہ رضا فقیر سے زیادہ کوئی فضیلت والا نہیں ہے۔

فرمانِ نبوی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا کہ مخلوق میں میرے دوست کہاں ہیں؟ فرشتے پوچھیں گے یا اللہ! وہ کون ہیں؟ رب تعالیٰ فرمائے گا وہ مسلمان فقراء ہیں جو میری عطا پر قانع تھے اور میری رضا پر راضی تھے انھیں جنت میں داخل کردو۔ چنانچہ وہ لوگ جنت میں کھاپی رہے ہوں گے اور لوگ ابھی اپنے حساب میں سرگرداں ہوں گے۔

مسکین کون ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسکین وہ شخص نہیں جو پھیرا لگاتا رہتا ہے اور اسے ایک یا دو لقمے یا ایک دو کھجوریں مل جاتی ہیں۔ صحابہ عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ! پھر مسکین کون ہے؟ آپ نے فرمایا مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس اتنا پیسہ نہ ہو کہ مالدار کہلائے مگر لوگوں سے سوال کرنے سے اللہ کے حضور شرماتا ہے۔ اور نہ ہی لوگوں کو اس کا پتہ ہوتا ہے کہ اسے بطور صدقہ دیں۔

مالداری کی مذمت

[illegible] انھوں نے فرمایا [illegible] اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ محل سے گر کر چور چور ہو جاؤں بجائے اس کے کہ میں مالداروں کی مجلس میں بیٹھوں اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ مالداروں کی ہم نشینی سے بچا کرو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! مالدار کون ہیں؟ فرمایا مالدار [illegible] ہیں۔

فقراء کو حضورؐ کی بشارت

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ چند فقراء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں ایک قاصد بھیجا۔ اس نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں آپ کی خدمت عالیہ میں فقراء کی طرف سے بطور قاصد حاضر ہوا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ تجھے بھی مرحبا ہو اور ان لوگوں کو بھی جن کے پاس سے تو آیا ہے۔ تو ایسے لوگوں کے پاس سے آیا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں۔ عرض کیا یا رسول اللہؐ! فقراء لوگ کہتے ہیں کہ غنی لوگ تمام قسم کی بھلائیاں حاصل کر گئے۔ وہ حج کرتے ہیں ہمیں استطاعت نہیں، وہ صدقہ کرتے ہیں ہمیں ہمت نہیں، وہ بیمار پڑتے ہیں تو اپنے زائد مال ذخیرۂ آخرت کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری طرف سے فقراء کو یہ جواب پہنچا دو کہ تم میں سے جو شخص بغرض ثواب صبر کرے گا تو اسے تین انعام ملیں گے کہ اغنیاء کو ان میں سے کچھ بھی حصہ نہیں ملے گا۔ پہلا تو یہ کہ جنت میں سرخ یاقوت کے بالاخانے ہیں جنھیں اہل جنت یوں دیکھتے ہیں جیسے اہل دنیا ستاروں کو۔ ان میں صرف فقیر نبی یا فقیر شہید یا فقیر مومن ہی داخل ہوں گے۔ دوسرا یہ کہ فقراء جنت میں اغنیاء سے نصف دن پہلے داخل ہوں گے اور یہ مقدار پانچ سو برس کی ہوگی، وہ جنت میں جہاں چاہیں گے مزے لوٹتے پھریں گے۔ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام تمام انبیاء علیہم السلام سے چالیس برس بعد جنت میں داخل ہوں گے اور یہ اسی سلطنت کا اثر ہوگا جو انھیں دنیا میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی۔ اور تیسرا انعام یہ ہے کہ فقیر جب سُبْحٰنَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اخلاص کے ساتھ پڑھتا ہے اور غنی بھی یہ کلمات ہی اخلاص کے ساتھ پڑھتا ہے تو وہ اس فقیر کو نہیں پا سکتا اگرچہ اس کے ساتھ ہزار درہم بھی صدقہ کردے اور یہی فرق دوسرے اعمال میں بھی ظاہر ہوگا۔ قاصد نے واپس آکر یہ پیغام فقراء کو پہنچایا تو سبھی بیک زبان پکار اٹھے اے اللہ! ہم راضی ہیں

اے اللہ ہم راضی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سات وصیتیں

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کی وصیت فرمائی جن کو میں نے کبھی نہیں چھوڑا اور نہ ہی چھوڑوں گا۔ اول آپ نے مجھے مساکین سے محبت کرنے اور ان کے قریب رہنے کی وصیت فرمائی۔ دوسری یہ کہ میں دنیا کے لحاظ سے اپنے سے کم کو دیکھا کروں جو بڑے ہیں انھیں نہ دیکھا کروں تیسری یہ کہ میں صلہ رحمی کیا کروں خواہ قتل ہی کر دیا جاؤں۔ چوتھی یہ کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھا کروں کہ یہ بھلائی کے خزانوں میں سے ہے۔ پانچویں یہ کہ میں کسی سے سوال نہ کروں چھٹی یہ کہ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کی پروا نہ کروں۔ ساتویں یہ کہ میں کلمہ حق کہا کروں گو کسی کو کڑوا ہی لگے۔ چنانچہ حضرت ابوذرؓ کا حال یہ تھا کہ ہاتھ سے کوڑا گر جاتا تو کسی کو پکڑانے کے لیے نہ کہتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کثرت ناپسند تھی

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو میں تجارت کیا کرتا تھا۔ میں نے چاہا کہ تجارت اور عبادت دونوں کو اکٹھا رکھوں۔ لیکن وہ مجھ سے جمع نہ ہو سکیں میں نے تجارت چھوڑ دی اور عبادت میں لگ گیا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ مسجد کے عین دروازہ پر میری دکان ہو جہاں میری کوئی نماز بھی فوت نہ ہو اور ہر دن مجھے چالیس دینار نفع بھی ملتا ہے جسے میں اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں۔ پوچھا گیا ابودرداءؓ! تو اس صورت کو کیوں ناپسند کرتے ہے؟ فرمایا حساب سے ڈر کی وجہ سے۔

فقر و غنا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی کہ یا اللہ! جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے اسے بقدر ضرورت کے موافق رزق

عطا فرما جو اسے سوال سے محفوظ رکھے اور جو شخص مجھ سے دشمنی رکھتا ہے اسے مال اور اولاد میں خوب کثرت اور فراوانی عطا فرما۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا فقر

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے حسنِ ظن رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمران! تمہارا میرے نزدیک ایک خاص مقام ہے، کیا تم میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کو چلو گے؟ میں نے کہا میرے باپ آپ پر قربان ضرور چلوں گا۔ چنانچہ ہم روانہ ہو گئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر پہنچے آپؐ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور سلام کے بعد اندر آنے کی اجازت طلب فرمائی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تشریف لائیے۔ آپ نے فرمایا میرے ساتھ ایک اور شخص بھی ہے۔ پوچھا گیا کہ حضورؐ دوسرا کون ہے؟ آپ نے فرمایا عمران! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں رب ذوالجلال کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں صرف ایک چادر سے تمام جسم چھپائے ہوئے ہوں آپ نے دستِ اقدس کے اشارے سے فرمایا کہ تم ایسے ایسے پردہ کر لو۔ انھوں نے عرض کیا کہ اس طرح میرا جسم تو ڈھک جاتا ہے مگر سر نہیں چھپتا۔ آپ نے ان کی طرف ایک پرانی چادر پھینکی اور فرمایا تم اس سے سر ڈھانپ لو۔ اس کے بعد آپ گھر میں داخل ہوئے اور سلام کے بعد پوچھا بیٹی کیسی ہو؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا حضورؐ! مجھے دوہری تکلیف ہے ایک بیماری کی تکلیف، دوسری بھوک کی تکلیف۔ میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسے کھا کر بھوک مٹا سکوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر اشکبار ہو گئے اور فرمایا بیٹی گھبراؤ نہیں رب کی قسم! میرا رب کے یہاں تم سے زیادہ مرتبہ ہے مگر میں نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا ہے اگر میں اللہ تعالیٰ سے مانگتا تو مجھے ضرور کھلاتے مگر میں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی ہے پھر آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا خوش ہو جاؤ تم جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ انھوں نے پوچھا کہ حضرت آسیہؑ اور مریمؑ کہاں ہوں گی؟ آپ نے

فرمایا آسیہؓ اپنے زمانے کی عورتوں کی اور تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہو۔ تم جنت کے ایسے محلات میں رہو گی جس میں کوئی عیب، کوئی دکھ اور کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ پھر فرمایا کہ اپنے چچازاد کے ساتھ خوش رہو۔ میں نے تمہاری شادی دنیا اور آخرت کے سردار کے ساتھ کی ہے۔

کائنات کے خزانوں کی پیشکش

فقیہہؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت جبریل علیہ السلام بھی پاس بیٹھے تھے کہ جبریلؑ کہنے لگے کہ یہ ایک فرشتہ آسمان سے اترا ہے جو پہلے کبھی نازل نہیں ہوا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے آپ کی زیارت کے لیے اجازت لی ہے۔ ابھی بات ہو ہی رہی تھی کہ فرشتہ حاضر ہو گیا اور السلام علیک یا رسول اللہ کہا۔ آپؐ نے جواب میں وعلیک السلام کہا۔ فرشتہ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ یا تو کائنات کے خزانے اور کنجیاں آپ کو دے دی جائیں جو نہ آپ سے پہلے کسی کو نصیب ہوئیں اور نہ ہی آپ کے بعد کسی کو ملیں گے اور اس سے آپ کے ذخیرۂ آخرت میں بھی کچھ کمی نہ ہو گی یا پھر اسے قیامت کے دن کے لیے ہی جمع کر دیا جائے آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن کے لیے ہی جمع ہو جائے۔

اللہ کا کرم فقر ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ایسے شخص کے قریب سے گزرے جو اینٹ کا تکیہ بنائے، کمبل میں لپٹا ہوا زمین پر سو رہا تھا۔ اور اس کی داڑھی اور تمام چہرہ غبار آلود ہو رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے رب تعالیٰ تیرا یہ بندہ دنیا میں برباد ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی اور فرمایا تمہیں پتہ نہیں جب میں کسی بندے پر اپنے کرم کے دروازے مکمل طور پر کھول دیتا ہوں اس سے دنیا کی الفت ختم کر دیتا ہوں۔

ترک دنیا فقر ہے

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اثنائے سفر میں ایک ایسے

شخص کے پاس سے گزرے جو کیں لپیٹے سو رہا تھا آپ نے اسے جگا کر فرمایا اے سونے والے اٹھ اور اللہ کو یاد کر! اس شخص نے کہا تم مجھ سے اور کیا چاہتے ہو کہ میں نے دنیا کو دنیا داروں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا تو پھر اے میرے دوست! سو جا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ میں فقر کو دوست رکھتا ہوں اور مالداری سے نفرت کرتا ہوں اور آپ کو "اے مسکین" کہہ کر بلایا جانا سب ناموں سے اچھا لگتا ہے۔

حضرت موسٰی علیہ السلام کا فرمان

حضرت موسٰی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا الٰہی! مخلوق میں تیرے دوست کون سے ہیں تاکہ میں ان سے محبت کروں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فقیر اور فقیر۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسٰی علیہ السلام سے فرمایا جب تو فقر کو آتا دیکھے تو خوش آمدید کہنا اے نیکوں کے لباس۔

حکایت

منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کا ساحلِ دریا سے گزر ہوا وہاں انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص مچھلیوں کا شکار کر رہا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دریا میں جال ڈالا مگر کوئی مچھلی نہ پھنسی، پھر انھی نبی کا گزر ایک دوسرے شخص کے پاس سے ہوا جو مچھلیوں کا شکار کر رہا تھا اس نے شیطان کا نام لے کر اپنا جال پھینکا۔ جب جال کھینچا تو وہ مچھلیوں سے بھرا نکلا۔ اللہ کے نبی نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کی اے عالم الغیب! اس میں کیا راز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے نبی کو ان دو شخصوں کا مقامِ آخرت دکھلاؤ۔ جب انھوں نے پہلے شخص کا اللہ تعالیٰ کے حضور عزت و وقار اور دوسرے شخص کی بے حرمتی دیکھی تو بے ساختہ کہہ اٹھے الٰہ العالمین! میں تیری تقسیم پر راضی ہوں۔

سابقہ کتب کا جملہ

بعض کتبِ سابقہ میں مرقوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض انبیاء کرام علیہم السلام پر وحی کی کہ میری دشمنی سے ڈرو

اگر میں نے تجھے دشمن بنالیا تو میری آنکھ سے گر جائے گا اور میں تجھ پر مال و دولت کی بارش کروں گا۔ (یعنی مال و دولت کی فراوانی اللہ تعالیٰ کے یہاں بے قدری کی موجب ہے)

شکستہ دل لوگ

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ مجھے شکستہ دلوں کے یہاں تلاش کرتا آپ نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں، رب تعالیٰ نے فرمایا وہ سچے فقرا ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ کے ایک فرمان کی وضاحت

حضرت امام قشیریؒ نے فرمایا کہ میں نے استاد ابو علی دقاق کو فرماتے سُنا کہ کسی نے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا۔ (محتاجی قریب ہے کہ کفر بن جائے) کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ کسی چیز کی آفت اور اس کی ضد اس چیز کی فضیلت اور قدر کے مطابق ہوا کرتی ہے چنانچہ جو چیز فی نفسہٖ افضل و بہتر ہے اس کی ضد اور آفت اس قدر ناقص درجہ کی ہوتی ہے مثلاً ایمان اشرف ترین خصلت ہے اس لیے اس کی ضد کفر ہے۔ لہٰذا جب فقر پر کفر کا خطرہ قرار پایا تو معلوم ہوا کہ فقر اشرف ترین خصلت ہے۔

فقراء کی خدمت کی تلقین

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن تمھاری نیکیاں تمام لوگوں کی نیکیوں جتنی ہوں؟ عرض کیا ہاں چاہتا ہوں۔ حکم ہوا مریض کی عیادت کیا کرو۔ فقراء کے کپڑوں سے جوئیں نکالا کرو۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ہر ماہ میں سات دن مقرر کیے جن میں فقراء کے ہاں چکر لگاتے ان کے کپڑوں سے جوئیں اور مریضوں کی عیادت کرتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جب تم فقراء کو دیکھو تو ان سے

اسی طرح کی باتیں کرو جس طرح مالداروں سے کرتے ہو۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو جو علم بھی میں نے تمھیں دیا ہے اسے مٹی کے نیچے ڈال دو۔

اللہ کا محبوب بندہ

حضرت امام حسن بصری سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بندوں میں سے میرا محبوب ترین بندہ جو کہ زمین والوں کا بھی محبوب ہے، فوت ہو رہا ہے وہاں جاؤ اور اس کے کفن دفن کا انتظام کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی تلاش کی مگر آبادی میں نہ ملا۔ باہر جنگل میں ڈھونڈا نہ پایا آخر کچھ لوگ مٹی لاتے والے ملے ان سے پوچھا کہ یہاں پر کوئی مریض دیکھا ہو یا کوئی میت تمھارے علم میں ہو تو بتاؤ۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم نے ایک مریض ادھر جنگل میں دیکھا ہے شاید آپ کو اسی کی تلاش ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں! چنانچہ ادھر جا کر دیکھا کہ ایک مریض زمین پر پڑا ہوا ہے۔ سر کے نیچے کچی اینٹ ہے اس نے ذرا حرکت کی تو سر اس اینٹ سے بھی نیچے آ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے رونے لگے اور عرض کی اے اللہ! آپ فرماتے ہیں کہ یہ میرے محبوب ترین بندوں میں سے ہے اور حال یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی پرسانِ حال بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ موسیٰ! میں جب اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہوں تو پوری دنیا کو اس سے ہٹا دیتا ہوں۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا قول

حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ سب سے پہلا دینار جو بنا تو شیطان نے اسے پکڑ کر آنکھوں سے لگایا اور کہا کہ جو شخص تجھ سے محبت رکھے گا وہ میرا غلام ہو گا۔

حکایت

حضرت وہب بن منبہؒ کہتے ہیں، کہ ابلیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک بوڑھے کی شکل میں گیا۔ آپ اسے پوچھنے لگے کہ بھلا بتا تو سہی، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ کہنے لگا میں انھیں دعوت دوں گا وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دو خداؤں کو ماننے لگیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ امتِ محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسے کرے گا؟ کہنے لگا انھیں درہم و دینار کی طرف دعوت دوں گا۔ حتیٰ کہ یہ ان کو لا الٰہ الا اللہ سے بھی زیادہ مرغوب ہو جائیں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اعوذ باللہ منک پڑھا تو وہ جا چکا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ کا قول

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ تین آدمی بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ وہ شخص جس نے کپڑے دھونے کا ارادہ کیا مگر اس کے دوسرے پرانے کپڑے نہیں تھے جنھیں پہن کر وہ کپڑے دھولے۔ جو شخص چولھے پر دو دو ہانڈیاں نہیں چڑھاتا اور جس کو پینے کی دعوت دے کر اس سے یہ نہ پوچھا کہ تم کیا پیو گے۔

حضرت ابو الدرداء رضؓ سے مروی ہے کہ ایک درہم والے سے دو درہم والے کا حساب زیادہ ہوگا۔

حضرت سعید بن عامر رضؓ کی گریہ وزاری کا باعث

حضرت عمر رضؓ نے حضرت سعید بن عامر رضؓ کے پاس ایک ہزار دینار بھیجے۔ حضرت سعید رضؓ اپنے گھر میں انتہائی غمزدہ حالت میں داخل ہوئے ان کی بیوی نے پوچھا کوئی خاص بات ہوگئی ہے؟ بولے بہت اہم بات ہوگئی ہے اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور صبح تک رو رو کر عبادت کرتے رہے۔ پھر فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کے فقراء مالداروں سے پانچسو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مالدار آدمی ان کی جماعت میں شامل ہوگا تو اسے ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دیا جائے گا۔

فقیر کی توہین نہ کرو

حضرت ابن عباس رضؓ کا قول ہے کہ جو مالدار کی عزت اور فقیر کی توہین کرتا ہے وہ ملعون ہے۔ وہ ملعون ہے وہ ملعون ہے۔

غنا اور فقر کا موازنہ

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے غنی بھائی ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرتے، وہ کھاتے ہیں ہم بھی کھاتے ہیں وہ پیتے ہیں ہم بھی پیتے ہیں وہ پہنتے ہیں ہم بھی پہنتے ہیں ان کے پاس کچھ زائد مال ہیں جنھیں وہ دیکھتے ہیں ہم بھی دیکھ لیتے ہیں اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا حساب ہوگا اور ہم اس سے بری ہوں گے۔

کافر پر دنیا کی فراخی

حضرت خیثمہؓ سے روایت ہے کہ فرشتے عرض کرتے ہیں اے رب کریم! تو نے اپنے کافر بندے پر دنیا کی فراخی کر رکھی ہے اور آفات و بلیات ہٹا رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ارشاد فرماتے ہیں ذرا اس کے عذاب کو بھی جھانک کر دیکھ لو۔ چنانچہ وہ دیکھ کر عرض کرتے ہیں یا اللہ اسے جو کچھ دنیا میں ملا ہے اس کا تو کچھ فائدہ نہیں پھر عرض کرتے ہیں یا اللہ! تیرا مومن بندہ تو اکثر آفات میں مبتلا رہتا ہے اور دنیا اس سے دور دور رہتی ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں ذرا اس کے ثواب کا تو نظارہ کرلو۔ چنانچہ وہ دیکھیں گے تو عرض کریں گے اے اللہ! دنیا میں اس نے جو تنگیاں اٹھائیں ان کا کوئی افسوس اور حرج نہیں ہے۔

اقوال فقر

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ فقر کے ہوتے ہوئے مالداری کا اظہار کرنا فقر سے بہتر ہے۔

کہا گیا ہے کہ صحیح فقر یہی ہے کہ فقیر اپنے فقر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے ساتھ مستغنی نہ ہو۔

کہتے ہیں کہ فقیر کی تین صفتیں ہیں (۱) رازِ خداوندی کو محفوظ رکھنا (۲) اللہ کے فرضوں کو ادا کرنا (۳) اور اپنے فقر کی حفاظت کرنا۔

حضرت ابن خفیف فرماتے ہیں اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک نہ قرار دینا اور کسی صفت کو اپنی طرف منسوب نہ کرنا فقر ہے۔

حضرت مزینؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی طرف جانے کے طریقے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ تھے مگر طریقِ فقر کے سوا کوئی اور طریقہ باقی نہ رہا اور یہی صحیح ترین طریقہ ہے

حضرت یحییٰ بن معاذؒ کی موجودگی میں فقر اور غنیٰ کا ذکر چھڑا تو فرمایا کہ قیامت کے دن نہ فقر کا وزن ہوگا نہ غنیٰ کا، صرف صبر و شکر کا وزن ہوگا اور کہا جائے گا کہ اس شخص نے شکر اور صبر کیا۔

حضرت مظفر القرمیسی فرماتے تھے کہ فقیر وہ ہے جس کی اللہ کے پاس کوئی حاجت نہ ہو۔

حضرت مرتعش فرماتے ہیں کہ فقیر کے لیے مناسب نہیں کہ اس کی ہمت اس کی موجودہ حالت سے آگے نکل جائے۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے فقر مانگا تو مالداری نے ہمارا استقبال کیا۔ لوگوں نے مالداری مانگی تو فقر نے ان کا استقبال کیا۔

حضرت بشر بن حارث فرماتے ہیں، سب سے افضل مقام یہ ہے کہ انسان قبر تک فقر پر صبر کرنے کا عزم بالجزم کرلے۔

جعفر نے بیان کیا کہ رویم سے کسی نے سوال کیا کہ فقر کی کیا تعریف ہے؟ تو فرمایا کہ نفس کو احکامِ الٰہیہ میں چھوڑ دینا۔

کسی نے ابو حفص سے پوچھا کہ فقیر اپنے رب کے پاس کیا لے کر جائے؟ فرمایا فقیر کو اپنے رب کے پاس سوائے فقر کے اور کونسی چیز لے کر جانا چاہیئے؟

حضرت ابن الکرینی کا قول ہے کہ سچا فقیر مالداری سے پرہیز کرتا ہے اس ڈر سے کہ کہیں مالداری داخل ہو کر اس کے فقر کو خراب نہ کردے۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا قول ہے کہ نزولِ رحمت کے وقت تین ہیں:
اول: سماع کے وقت صاحبِ حال اصحاب پر نزول رحمت ہوتا ہے۔
دوم: فقراء کے ذکر و تذکرے کا وقت بھی نزولِ رحمت کا وقت ہے۔
سوم: اہلِ عشق پر انوارِ تجلی کے وارد ہونے کے وقت بھی نزولِ رحمت ہوتا ہے۔
محمد مسوحیؒ فرماتے ہیں کہ فقر وہ ہے جسے اپنی ذات کے لیے کسی سبب کی ضرورت نہ ہو۔

کسی نے سہل بن عبداللہ سے پوچھا کہ فقیر کب راحت پاتا ہے؟ فرمایا جب وہ اپنے موجودہ حال کے سوا کسی اور چیز کو نہ دیکھے۔
یحییٰ بن معاذؒ سے کسی نے کہا کہ فقر کیا ہے؟ فرمایا فقر کا ڈر۔ پھر پوچھا کہ مالداری کیا ہے؟ فرمایا اللہ کے پاس امن حاصل کرنا۔
حضرت ابن الجلاءؒ کا قول ہے کہ اگر تواضع شرف والی چیز نہ ہوتی تو فقیر کو یہ حکم دیا جاتا کہ چلتے ہوئے اکڑ کر چلو۔
حضرت احمد حسن نوری نے فرمایا ہے کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ محتاجی کے وقت اسے سکون ہو اور جب اس کے پاس کچھ ہو تو وہ دوسروں کو دے دے۔
حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ بندے پر اللہ کی ناراضگی کی علامت یہ ہے کہ بندہ فقر سے ڈرتا ہو۔
حضرت ابراہیم ادھمؒ فرماتے ہیں کہ جس قدر انسان مال سے تعلق رکھتا ہے اگر اللہ تعالیٰ سے رکھے تو وہ کبھی بھوکا نہ رہے۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ نے جب اپنے فقر کے دبدبے کی آواز ہر طرف سُنی تو بارہا فرماتے کہ ہم جب سے فقر کی تلاش میں باہر نکلے ہیں، دولت مندی خود ہمارے ہاں آتی ہے۔
حضرت کلیم اللہ شاہجہان آبادی فرمایا کرتے تھے انسان کی حقیقت لفظ "میں"

میں پوشیدہ ہے جب تک انسان میں اس شے کا وجود رہتا ہے اس میں زندگی کی رمق باقی رہتی ہے لیکن جیسے ہی انسان اس چیز سے محروم ہوتا ہے تو اس کا نام موت ہے۔ اس لیے اگر کوئی بزرگی ہے تو وہ صرف روح کی بزرگی ہے جسم کی بزرگی کچھ نہیں، جسم نے ایک دن فنا ہو جانا ہوتا ہے۔

احوال و آثار

فقر سے رضا پیدا ہوتی ہے
حضرت ابراہیم قصارؒ کا قول ہے کہ جب بندہ درحقیقت فقر میں داخل ہوتا ہے تو یہ اس کے لیے ایسا لباس بن جاتا ہے جس سے رضا پیدا ہوتی ہے۔

فقراء کی تذلیل کی سزا
حضرت معاذ نسفیؒ فرماتے ہیں کہ لوگ خواہ کسی قسم کے اعمال بھی کرتے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ انھیں ہلاک نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ جب وہ فقراء کی تذلیل و اہانت کرتے ہیں تب اللہ انھیں ہلاک کرتا ہے۔

فقر کی تعریف
حضرت ابوبکر بن مسعودؒ فرماتے ہیں کہ کسی نے یحییٰ بن معاذؒ سے فقر کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا اس کی حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے ساتھ استغنا نہ کرے اور فقر کی تعریف یہ ہے کہ دنیا کے کسی قسم کے اسباب و ذرائع پر اعتماد نہ کیا جائے۔

فقر کی حقیقت
حضرت منصور بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ کسی نے شبلیؒ سے فقر کی حقیقت کے متعلق سوال کیا تو فرمایا اس کی حقیقت یہ ہے کہ فقیر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ استغنا محسوس نہ کرے۔

چار چیزیں
کہتے ہیں کہ فقیر کے لیے فقر میں کم از کم چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے (۱) علم جو اس کی تدبیر کرے (۲) پرہیزگاری جو اسے برُے کاموں سے

روکے (۳) یقین جو اسے عمل کرنے پر اکسائے اور (۴) ذکر، جس سے اسے انس محسوس ہو۔

فقر کی توضیح حضرت منصور بن خلف المغربی فرماتے تھے کہ ابو سہل خشاب کبیر نے مجھ سے کہا کہ فقر محتاجی اور ذلت کا نام ہے۔ میں نے کہا نہیں بلکہ محتاجی اور عزت ہے، پھر کہا کہ فقر محتاجی اور تواضع ہے۔ میں نے پھر کہا نہیں بلکہ محتاجی اور بلندی ہے۔

مشہوری فقر سے بچو کہا جاتا ہے کہ جس نے فقر کا ارادہ فقر کے شرف کی وجہ سے کیا وہ فقیر مرا اور اسے کچھ حاصل نہ ہوا۔ کیونکہ وہ لوگوں میں فقیر مشہور ہونا چاہتا تھا اور جس نے فقر کو اس لیے اختیار کیا کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ مشغول نہ ہو وہ غنی مرا۔

فقر و غنا میں کون افضل؟ حضرت استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے اس بات پر بحث کی کہ فقر و غنا میں کونسا افضل ہے مگر میرے نزدیک افضل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس قدر عطا کرے جس سے اس کی گزر ہو سکے پھر اللہ تعالیٰ اسے اس روزی پر قائم رکھے۔

حضرت ابو حفص رح کا قول ابو حفص رح فرماتے ہیں کہ کسی شخص کا فقر اس وقت تک حقیقی فقر نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کے نزدیک دینا لینے سے زیادہ محبوب نہ ہو اور سخاوت یہ نہیں ہے کہ مالدار مفلس کو دے بلکہ سخاوت یہ ہے کہ مفلس مالدار کو دے۔

فقر باعث عزت ہے جناب مؤمل رح کا بیان ہے کہ میں نے حضرت سفیان ثوری رح کی مجلس میں فقیر سے زیادہ باعزت اور مالدار سے زیادہ ذلیل کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ کا قول

حضرت یحییٰ بن معاذ رح کہتے ہیں کہ فقراء سے تمھاری محبت رسولوں کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ ان کی مجالس میں آنا نیکوں کی اور ان کی دوستی سے دور بھاگنا منافقوں کی علامت ہے۔

ایک دانشمند کا قول

ایک دانشمند کا قول ہے کہ انسان جتنا تنگدستی سے ڈرتا ہے اگر اتنا جہنم سے ڈرتا تو دونوں سے نجات پالیتا اور جتنی اسے دولت سے محبت ہے اگر جنت سے اسے اتنی محبت ہوتی تو دونوں کو پالیتا۔ جتنا ظاہر میں لوگوں سے ڈرتا ہے اگر اتنا باطن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تو دونوں جہانوں میں سعید شمار ہوتا۔

فقراء کی حوصلہ افزائی

حضرت سفیان ثوری رح کی محفل میں ایک فقیر آیا تو آپ نے اسے فرمایا آگے آجاؤ۔ اگر تم مالدار ہوتے تو میں تھیں آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیتا، ان کی فقراء سے بے پایاں محبت دیکھ کر ان کے مالدار دوست یہ تمنا کرتے کہ کاش ہم بھی فقیر ہوتے۔

تین چیزیں

حضرت حمدون قصار نے فرمایا ہے کہ جب شیطان اور اس کی فوج اکٹھی ہوتی ہے تو انھیں کسی بات پر اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی کہ تین چیزوں پر ہوتی ہے (۱) اس مومن پر جو مومن کو قتل کرے (۲) اس شخص پر جو کفر کی حالت میں مرے (۳) اور اس دل پر جسے فقر کا ڈر ہو۔

اہل فقر اللہ کی اطاعت کرتے ہیں

حضرت جنید بغدادی رح نے فرمایا ہے کہ اے فقراء کی قوم! انھیں لوگ اللہ کی اطاعت کی وجہ سے جانتے ہیں اور اللہ ہی کی خاطر تمھاری عزت کی جاتی ہے لہٰذا جب تم اللہ کے ساتھ خلوت میں ہو تو تمھیں سوچ لینا چاہیئے کہ تمھیں کیسا ہونا چاہیئے۔

حضرت ابو سعید خراز کا فرمان

کسی نے ابو سعید خراز سے پوچھا امیروں کی مدد فقراء کو کیوں نہیں پہنچتی؟ فرمایا تین وجہ سے (۱) امیروں کا مال حلال طیب نہیں ہوتا (۲) توفیق ایزدی امیروں کے شامل نہیں ہوتی (۳) فقراء کو اللہ تعالیٰ آزمائش میں ڈالے رکھنا چاہتا ہے۔

فقراء کی خواہش

کہا جاتا ہے کہ فقیر کے لیے صرف یہی فضیلت کافی ہے کہ وہ مسلمانوں کے لیے وسعت چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے نرخ کم ہوں کیونکہ فقیر کو خریدنے کی ضرورت ہوتی ہے اور امیر کو بیچنے کی۔ یہ تو عام فقیروں کا حال ہے۔ خاص فقیروں کی اور ہی بات ہے۔

اللہ کے فقیروں کی علامت

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ فقیر الی اللہ کی ادنیٰ علامت یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس ساری دنیا ہو اور پھر وہ اسے ایک دن میں خرچ کر ڈالے۔ اس کے بعد اگر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر وہ ایک دن کی خوراک رکھ لیتا تو بہتر ہوتا، تو یہ فقر نہیں۔

بہترین چیز

حضرت ابو حفصؒ فرماتے ہیں کہ بہترین چیز جس سے انسان اپنے مولیٰ تک پہنچ سکتا ہے یہ ہے کہ ہر حالت میں اور ہر وقت بندہ اپنی حاجات اللہ کے پاس لے جائے۔ ہر حالت میں سنت پر کاربند رہے اور حلال ذریعہ سے روزی حاصل کرے۔

استغنا باللہ

حضرت محمد بن عبداللہ الفرغانی فرماتے ہیں کہ کسی نے جنید رحہ سے سوال کیا کہ آیا افتقار الی اللہ (اللہ کی طرف حاجت لے جانا) بہتر ہے یا استغناء باللہ؟ تو جنیدؒ نے فرمایا جب صحیح معنوں میں افتقار الی اللہ ہو، تو استغنا باللہ بھی صحیح معنوں میں پایا جاتا ہے اور جب استغنا باللہ صحیح معنوں میں پایا گیا تو غنی باللہ کمال کو پہنچ جاتا ہے لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے کونسا افضل

ہے، افتقار یا استغنا۔ کیونکہ یہ دونوں ایسی حالتیں ہیں جو ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتیں۔

نفس کا جوہر

حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ پانچ باتیں نفس کے جوہر ہیں (۱) محتاج جو اظہار مالداری کرتا ہو (۲) بھوکا جو ظاہر کرتا ہو کہ وہ شکم سیر ہے (۳) غمزدہ جو خوشی کا اظہار کرتا ہو (۴) وہ شخص جس کی کسی سے عداوت ہے مگر اس سے محبت کا اظہار کرتا ہو (۵) وہ شخص جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور نماز میں کھڑے کھڑے رات گزار دیتا ہے مگر کمزوری ظاہر نہیں ہونے دیتا۔

فقیر کب فقیر کہلائے؟

حضرت ابراہیم بن المولدؒ فرماتے تھے کہ میں نے ابن الجلاءؒ سے پوچھا کہ فقیر کب فقیر کہلانے کا حقدار ہوتا ہے؟ فرمایا جب فقر میں سے کچھ بھی اس پہ باقی نہ رہے (یعنی فقر کا وہم و گمان بھی اسے نہ آئے) میں نے عرض کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا جب وہ یہ خیال کرے کہ اسے مقام فقر حاصل ہے تو درحقیقت اسے یہ حاصل نہیں ہے اور جب وہ یہ خیال کرتا ہے کہ فقر اسے حاصل نہیں تو درحقیقت اسے یہ حاصل ہے۔

حکایت

حضرت ابو علی دقاقؒ نے فرمایا ہے کہ ایک فقیر نے ایک مجلس میں کھڑے ہو کر کچھ مانگا اور کہا کہ میں تین دن سے بھوکا ہوں، اس وقت وہاں ایک شیخ موجود تھا، انھوں نے بلند آواز سے کہا تو جھوٹ کہتا ہے کیونکہ فقر تو اللہ کا راز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنا راز اس شخص کے پاس نہیں رکھتا جو اس راز کو جہاں چاہے لیے پھرے۔

حضرت ابن الجلاءؒ سے ایک سوال

حضرت ابو محمد لیسینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن الجلاءؒ سے فقر کے متعلق سوال کیا تو پہلے تو آپ خاموش رہے یہاں تک کہ لوگ چلے گئے پھر آپ اپنی جگہ پہ جا کر تھوڑی دیر

کے بعد واپس آئے اور فرمایا کہ میرے پاس چار دانگ (۴/۱ درہم) تھے اس لیے مجھے اللہ سے شرم آئی کہ میں فقر کی بات کروں۔ آپ نے جا کر کسی کو وہ درہم دے دیے اس کے بعد بیٹھ گئے اور فقر پر گفتگو فرمائی۔

فقیر سے ادب کے ساتھ ملو

حضرت جنیدؒ نے فرمایا ہے کہ جب تو کسی فقیر سے ملے تو اس سے عاجزی کے ساتھ مل۔ کیونکہ وہ اس سے انس محسوس کرے گا۔ اسے علم کے ساتھ نہ مل (یعنی اپنی علمیت جتاتے ہوئے اس سے سوالات نہ کر) کیونکہ اس سے اسے وحشت ہو گی۔ میں نے عرض کیا اے ابوالقاسم! کیا کسی فقیر کو علم سے وحشت ہوتی ہے؟ فرمایا ہاں! جب فقیر صحیح معنوں میں فقیر ہو اور تو اپنا علم اس پر پھینکنا چاہے تو وہ اس طرح پگھل جاتا ہے جس طرح سکہ آگ میں پگھل جاتا ہے۔

فقر کے ستّر ہزار مقامات

حضرت سلطان باہوؒ نے فرمایا ہے کہ فقر کے ستّر ہزار مقامات ہیں۔ فقیر جب تک ان مقامات کو طے نہیں کرتا فقر کا تماشا نہ خود دیکھتا ہے اور نہ دوسروں کو دکھا سکتا ہے، اسے فقیر کہنا غلط ہے درحقیقت وہ فقیر نہیں بلکہ وہ صرف اپنے نفس کے لیے فقیر بنا ہے نہ کہ خدا کے لیے۔ کیونکہ جہاں خزانہ ہے وہاں بلائے مار ہے اور جہاں گل ہے وہاں خار ہے اور جب فقیر ان تمام مقامات سے گزر کر عرش تک پہنچتا ہے تو تمام افراد کو جانتا ہے اور ہر ایک کے مرتبہ کو پہچانتا ہے۔ مذہب سالک میں فقیر اسی کو کہتے ہیں اور جب وہ عرش وکرسی سے بھی گزر جاتا ہے تو اس کا مقام کسی کے فہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا۔ بلکہ وہ سِرّ ہوتا ہے درمیان عابد و معبود کے۔ جس کا کشف کسی بشر سے ممکن نہیں۔ مگر خدائے تعالیٰ کہ عالم علی الاطلاق ہے جس پر چاہے یہ راز ظاہر کر سکتا ہے۔

لفظ فقر کی توضیح

فقیر باہو کہتا ہے کہ فقہ اور فقر، اور علم اور حلم یہ سب تین حروف ہیں اور حلیم خدائے تعالیٰ کا نام ہے۔ فقیر کو چاہیئے کہ ان سب کو آمیز کر کے گولی بنائے اور آب شریعت میں گھول کر طریقت و حقیقت، معرفت اور عشق و محبت کے پیالہ میں ڈال کر نوش کرے اس کے بعد فقر میں قدم رکھے اور دونوں جہان کو فراموش کرے اور اللہ بس اور ماسوی اللہ ہوس پر دھیان رکھے ورنہ بغیر اس کے راہ حق نہیں پا سکتا۔ ہزاروں اس میدان میں بھٹک کر بھول گئے۔ پریشانی اور حسرت اٹھا کر اپنی جان کھو گئے۔ اللہ بس ماسوی اللہ ہوس۔

فقر کی دو راہیں

حضرت سلطان باہوؒ نے فرمایا ہے کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ معارف فقر فنافی اللہ کا مرتبہ دیتا ہے اسے علم باطنی میں عالم اور فاضل بناتا ہے اور اس پر کشف و کرامات کی راہ بند کر دیتا ہے کیونکہ فقر کی دو راہیں ہیں، ایک فقر بکرم، دوم فقر بکرامات۔ اور فقر بکرم میں دو راہیں ہیں۔ ایک کرم بکمالیت، دوم بکبر۔ چنانچہ شیطان کرم کمالیت کی طرف نہیں آتا اور کبر و کرامات کی طرف آتا ہے جس طرح خود اس سے اَبَا واقع ہوا۔ اور اس نے اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ (میں اس سے بہتر ہوں) کہا اور فقر دعا یا بددعا کا نام نہیں ہے کہ کسی کو دعا دے دی یا کسی کو بددعا کر دی اور وہ پوری بھی ہو گئی بلکہ فقراء کی دعا و بیغام میں تاخیر واقع ہوتی ہے البتہ فقراء کو وہم و جذب ہوتا ہے ان کا وہم رحمتِ خدا اور ان کا جذب قہر۔ نعوذ باللہ منہ

حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول

حضرت بایزید بسطامیؒ سے کسی نے پوچھا کہ فقیری اور درویشی کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ فقیری اور درویشی یہ ہے کہ اگر تمام عالم کا زر و مال فقیر کے ہاتھ میں دے دیا جائے تو ایک پیسہ بھی وہ اپنے پاس نہ رکھے اور سب خدائے تعالیٰ کی راہ میں صرف کر دے۔

حکایت حضرت ثوریؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب اہل آخرت صاحب بلا کے درجوں کا معائنہ کریں گے تو یہی چاہیں گے کہ اپنا گوشت اور چمڑہ لوہے کی قینچی سے ادھیڑ دیں۔ درویش کی ظاہری آلودہ حالت کی طرف نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ اس کی باطنی صفائی کا خیال کرنا چاہیئے۔ اس امت میں ایسے لکڑہارے بھی ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ سے چاہیں کہ ان کی لکڑیوں کا گٹھا سونے کا ہو جائے تو فوراً ہو جائے۔

ایک دفعہ ایک بوڑھا لکڑہارا سر پہ لکڑیوں کا گٹھا رکھے جا رہا تھا۔ ایک بزرگ اسے دیکھ کر بولے اے بوڑھے! کیا تجھے رزاق مطلق پر بھروسہ نہیں جو ایسی سخت مشقت کرتا ہے۔ بوڑھے نے آسمان کی طرف دیکھا اور پھر لکڑیوں کی طرف، وہ فوراً سونا بن گئیں، اس بزرگ نے جب یہ حال دیکھا تو کہا کہ جسے یہ مرتبہ حاصل ہو اسے لکڑیاں اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ بوڑھے نے کہا یہ کام میں نفس کو تعلیم دینے کی خاطر کرتا ہوں کیونکہ میں غلام ہوں اور غلام کو عبودیت کی حد سے گزرنا نہیں چاہیئے۔

درویشی دنیا سے قطع تعلق کا نام نہیں بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر ملک دیا تھا کہ زمین اور ہوا پر ان کی حکومت تھی لیکن اپنے آپ کو گودڑی میں چھپاتے تھے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے کہ اے پروردگار! مجھے بحالتِ مسکینی زندہ رکھ اور ہمارے حضور نبی کریم سرکار دو جہاں بھی اللہ تعالیٰ سے مسکینی کے ملتجی رہے۔ حالانکہ ادنیٰ اشارے پر پہاڑ سونا اگلنے پہ تیار تھے لیکن حضور سرکارِ کائنات ﷺ نے تمام دینی و دنیوی جاہ و حشمت پر اختیار کے باوجود کالی کملی اور نانِ جویں پر اکتفا فرمایا اور اسی سادگی اور درویشی میں اپنی اور اپنی امت کی بہتری سمجھی۔

حکایت ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی خدمت میں دس ہزار درہم لایا اور بڑی عاجزی سے انھیں قبول کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کیا تم دس ہزار دراہم کے بدلے فقراء کے دفتر سے میرا نام کاٹنا چاہتے ہو، بخدا میں ایسا

کبھی نہیں ہونے دوں گا۔

حکایت ابوعلی رودباری فرماتے تھے کہ چار آدمی اپنے اپنے زمانہ میں ہوئے ہیں ان میں ایک نہ تو اپنے بھائی بندوں سے کوئی چیز لیتا اور نہ بادشاہ سے، اور وہ یوسف بن اسباط ہیں، انھیں اپنے والد کی وراثت سے ستر ہزار درہم ملے تھے مگر انھوں نے اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا، اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتوں کی چٹائی بنا کر روزی کماتے تھے۔ دوسرا شخص اپنے بھائیوں اور سلطان دونوں سے لے لیا کرتا تھا اور وہ ابو اسحاق فزاری ہیں۔ جو کچھ وہ اپنے بھائیوں سے لیتے اسے وہ ان لوگوں پر خرچ کیا کرتے جن کا لوگوں کو علم نہ ہوتا اور وہ عبادت میں لگے رہنے کی وجہ سے حرکت نہ کر سکتے تھے اور جو کچھ بادشاہ سے لیتے اسے اہل طرسوس کی طرف بھیج دیتے اور تیسرا شخص اپنے بھائیوں سے تو لیتا مگر بادشاہ سے نہ لیتا تھا اور وہ عبداللہ بن مبارک تھے۔ اپنے بھائیوں سے کچھ لے کر اس کے بدلے میں انھیں بھی کچھ دیتے اور چوتھا شخص بادشاہ سے لے لیتا اور بھائیوں سے نہ لیتا تھا اور وہ مخلد بن حسین تھے۔ وہ فرمایا کرتے بادشاہ احسان تو نہیں جتلاتا اور بھائی احسان جتلاتے ہیں۔

ایک حدیث کی وضاحت استاد ابوعلی دقاق رح کو حدیث "مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ لِاَجْلِ غِنَاهُ ذَهَبَ ثُلُثَا دِيْنِهٖ"

(جس شخص نے کسی مالدار کے سامنے اس کے مال کی وجہ سے تواضع کی اس کا دو تہائی دین جاتا رہا) کے متعلق فرماتے سنا کہ یہ اس لیے ہے کہ انسان نام ہے دل زبان اور اپنے نفس کا لہذا جب وہ اپنی زبان اور نفس سے اس کے سامنے تواضع کرتا ہے تو اس کا دو تہائی دین جاتا رہتا ہے اور اگر دل سے اس کی فضیلت کو مانتا ہے جس طرح زبان اور نفس سے، تو پھر اس کا سارا دین چلا جاتا ہے۔

حکایت کسی نیچے نے حضرت ذوالنون مصری سے عرض کیا کہ مجھے بطور ورثہ ایک لاکھ

دینار حاصل ہوئے ہیں اور میری تمنا ہے کہ یہ سب آپ ہی کی ذاتِ گرامی پر صرف کر دوں۔ آپ نے فرمایا کہ حدِ بلوغ تک پہنچنے سے قبل تمہارے لیے اس کا خرچ کرنا ناجائز ہے اور جب وہ بچہ شباب پر پہنچا تو پوری جائداد فقراء میں تقسیم کر کے آپ کے ارادتمندوں میں شامل ہو گیا پھر یہی نوجوان ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ آج کل کچھ ضرورتمند ہیں آپ نے اظہارِ تاسف کرتے ہوئے کہا کہ کاش میرے پاس آج دولت ہوتی تو میں آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا۔ آپ نے اس کی نیت کو بھانپ کر یقین کر لیا کہ یہ ابھی مفہوم فقر سے آشنا نہیں ہے۔ چنانچہ اس سے فرمایا کہ فلاں دواخانہ سے یہ دوا لا کر گھس لو اور روغن میں ملا کر تین قرص تیار کر کے ان میں سوئی سے سوراخ کر کے میرے پاس لے آؤ چنانچہ آپ نے ان تینوں گولیوں پہ کچھ دم کیا تو وہ یاقوت ہو گئیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ کسی جوہری کے پاس لے جا کر قیمت معلوم کرو۔ چنانچہ جوہری نے ایک ہزار دینار قیمت لگائی پھر اس نوجوان نے پورا واقعہ بیان کیا تو فرمایا کہ اس کو پانی میں گھول دو اور یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ فقر کو مال و زر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ سن کر وہ ہمیشہ کے لیے تارک الدنیا ہو گیا۔

مالک بن دینارؒ کا قول ایک مرتبہ بصرہ میں کسی جگہ آگ لگ گئی اور آپ بھی اپنا عصا اور جوتے لے کر چھت پر چڑھے تو لوگوں کو ایسی مصیبت میں دیکھا کہ کچھ تو آگ میں جل رہے ہیں اور کچھ کود کر نکلنے کی کوشش میں ہیں اور کچھ اپنا سامان نکال لینے کے چکر میں ہیں۔ یہ دیکھ کر فرمایا کہ ہلکے پھلکے لوگ تو نجات پا گئے اور بھاری بھرکم لوگ ہلاک ہوئے اور قیامت کے دن بھی یہی منظر ہو گا۔

حکایت فقر اختیار کرنے سے پہلے ایک دن خواجہ فریدالدین عطارؒ اپنی عطاری کی دکان میں جو بڑی آراستہ و پیراستہ تھی، بڑی شان سے رونق افروز تھے۔ کسی طرف سے ایک درویش ادھر آ نکلا۔ اس نے خواجہ صاحبؒ سے سوال کیا، بابا

راہِ خدا میں فقیر کو کچھ دیدے ۔ خواجہ صاحبؒ اپنے کام میں مصروف تھے ۔ انھوں نے درویش کی طرف کوئی توجہ نہ کی ۔ جب اس نے بار بار اپنا سوال دہرایا تو خواجہ صاحبؒ چڑ کر بولے کہ میاں ! اپنا راستہ لو ، دیوانوں کی طرح کیوں گھور رہے ہو ؟ درویش بولا ، بابا ! میں تو اپنا راستہ لوں گا لیکن تم اپنا راستہ کس طرح لو گے ؟ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے اور تمھارے راستہ لینے میں کیا فرق ہو سکتا ہے ؟ درویش نے کہا ، اچھا تو کیا تو میری طرح مر سکتا ہے ؟ خواجہ صاحب نے فرمایا ہاں بیشک ! درویش بولا اچھا تو پھر دیکھ میں کیسے مرتا ہوں ۔

یہ کہہ کر درویش اپنا کمبل سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا اور پھر ایک بار زور سے "اللہ" کہہ کر واصل بحق ہو گیا ۔ یہ واقعہ دیکھ کر خواجہ صاحبؒ کی حالت متغیر ہو گئی ۔ ساری دکان کھڑے کھڑے لٹا دی اور راہِ فقر اختیار کر لی ۔

حکایت حضرت حاتم اصمؒ ایک دفعہ مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ بعض لوگوں نے بڑے بڑے عالیشان مکان بلکہ محل بنا رکھے تھے آپ نے لوگوں سے پوچھا یہ کس کا شہر ہے ؟ انھوں نے کہا یہ رسول اللہ کا شہر ہے ۔ حاتم نے کہا کہ میں اس محل میں دو رکعت نماز ادا کرنا چاہتا ہوں جس میں رسول اللہ رہتے تھے ۔

لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ کا محل کہاں تھا ، حضورؐ تو ایک کچے مکان میں رہتے تھے جس کی دیواریں کھجور کی شاخوں پر مٹی تھوپ کر بنائی گئی تھیں ۔

حاتمؒ نے پوچھا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے محل کہاں ہیں ؟

لوگوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے محل نہیں بنایا ۔

حاتم اصمؒ نے بگڑ کر فرمایا ، تو پھر تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں نمرود اور فرعون کی طرح یہ عالیشان محل کیوں کھڑے کر رکھے ہیں ؟ لوگ شرمندہ ہو گئے اور ان سے کوئی جواب بن نہ پڑا ۔

حکایت حضرت بنان مصریؒ نے فرمایا ہے کہ میں مکہ میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک نوجوان میرے سامنے تھا کہ ایک شخص نے درہموں کی ایک تھیلی لا کر اس کے سامنے رکھ دی۔ نوجوان نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اس شخص نے کہا اسے مسکینوں میں بانٹ دو۔ جب رات ہوئی تو میں نے اسے وادی میں اپنے لیے کچھ ڈھونڈتے دیکھا۔ میں نے کہا جو کچھ تمہارے پاس تھا اگر تو اس میں سے اپنے لیے کچھ رکھ لیتا تو اچھا تھا۔ کہنے لگا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا۔

حکایت ایک صوفی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ قیامت بپا ہے، کسی نے کہا کہ مالک بن دینارؒ اور محمد بن واسعؒ کو جنت میں داخل کرو، اب میں دیکھنے لگا کہ ان میں کونسا شخص پہلے داخل ہوتا ہے۔ دیکھا کہ محمد بن واسعؒ پہلے داخل ہوئے میں نے اس کا سبب پوچھا تو جواب ملا کہ اس کے پاس صرف ایک قمیص تھی اور مالک بن دینارؒ کے پاس دو قمیصیں تھیں۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مسجد حرام میں ایک جوان کو دیکھا جو پھٹے پرانے کپڑے پہنے یاد الٰہی میں مستغرق ہے۔ میرے پاس سو درہموں کی ایک تھیلی تھی۔ میں اُس کے پاس لے گیا لیکن اس نے ذرہ برابر توجہ نہ کی۔ جب میں نے بہت اصرار کیا تو وہ بولا اے شیخ! میں ان کو دنیا دے کر نہیں خریدتا، چہ جائیکہ انھیں آخرت کے بدلے خریدوں۔ جس شخص کی نظر ہمیشہ رہنے والے خزانے پر ہے وہ کیونکر دنیا کی فنا ہونے والی دولت پر نظر ڈالے گا اور جس کو حقیقی بادشاہ کا قرب حاصل ہے وہ ان عارضی حاکموں کی طرف کیونکر توجہ کرے گا۔ وہ امیر جو فقیروں کے دروازے پر آئیں نیک بخت ہیں اور جو فقیر، امیروں کے دروازے پر جائیں یہ ان کی بدبختی ہے۔

حکایت حضرت فضیلؒ حالتِ نزع میں تھے اور حضرت سریؒ انھیں پنکھا کرتے تھے فرمایا لبظا ہر تو ہمیں راحت پہنچاتا ہے لیکن ہمارے سینے میں شوقِ الٰہی کی

آگ روشن ہے، تجھے معلوم نہیں کہ تیری راحت کی کوشش سے یہ آگ کہیں زیادہ راحت بخش ہے۔

عالمِ فقر کے دولت مند کہتے ہیں کہ اصل دولت درویشی ہے۔ مال وزر کے دولتمند کو یہ چار چیزیں ملتی ہیں: بدنی تکلیف، دنیا سے دل کی مشغولی، دین کا نقصان اور قیامت کا حساب۔ جبکہ درویشوں کو یہ چار چیزیں عطا ہوتی ہیں: بدنی راحت، دنیا سے دل کی بیزاری دین کی سلامتی اور قیامت کی خلاصی۔

حضرت ابوالقاسمؒ کا قول

حضرت ابوالقاسمؒ کا قول ہے کہ اس عبارت میں ان لوگوں کے لیے جو بظاہر ان الفاظ کو سنیں اور صوفیاء کے معانی سے خبر نہ رکھتے ہوں، تھوڑا سا اشکال ہو سکتا ہے البتہ اس عبارت میں قائل کا اشارہ اس بات کی طرف موجود ہے کہ فقیر اس حالت کو پہنچ جاتا ہے کہ ہر قسم کا مطالبہ اور سوال ساقط ہو جاتا ہے اور فقیر کے اپنے اختیار کی کلیۃً نفی ہو کر وہ ان امور پر راضی ہوتا ہے جن کو حق سبحانہٗ اس پر جاری کرتا ہے۔

فقیر کو پانچ قسم کی شرافت حاصل ہوتی ہے

اول یہ کہ نماز یا صدقہ وغیرہ اعمال میں اس کا اجر و ثواب غنی سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ دوسری یہ کہ اسے جب کسی شے کی ضرورت، اور خواہش ہوتی ہے اور وہ اسے نہ پا سکے تو اس کے لیے اجر لکھ دیا جاتا ہے۔ تیسری یہ کہ وہ جنت میں پہلے جائیں گے۔ چوتھی یہ کہ ان کا حساب آخرت میں قلیل ہو گا۔ پانچویں یہ کہ ان کو ندامت بھی نہ ہو گی کیونکہ آخرت میں تو غنی لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ فقیر ہوتے مگر فقیر کو یہ حسرت کبھی نہ ہو گی کہ کاش وہ غنی ہوتا۔

حکایت

عبداللہ خان والیٔ توران نے خواب میں دیکھا کہ ایک عظیم الشان خیمہ کھڑا ہے، جس میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، ایک بزرگ

بارگاہ کے دروازے پر ہاتھ میں عصا لیے کھڑے ہیں اور خلائق کے معروضات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے جواب لا رہے ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے اس بزرگ کے ہاتھ ایک تلوار عبداللہ خان کو بھیجی ہے اور انھوں نے آکر اس کی کمر میں لٹکا دی۔ اس خواب کے بعد عبداللہ خان کی آنکھ کھل گئی۔ خان موصوف نے اس بزرگ کا حلیہ بتا کر تلاش شروع کر دی آخر کار اس کے ایک مصاحب نے عرض کیا کہ اس حلیہ کے بزرگ حضرت مولانا املنگی ہیں۔ بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا اور بڑے شوق سے گراں بہا تحفے لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت کا حلیہ وہی پایا جو خواب میں دیکھا تھا۔ نہایت تواضع اور نیازمندی سے نذرانہ قبول کرنے کی التماس کی مگر حضرت مولانا نے قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ فقر کی حلاوت نامرادی اور قناعت میں ہے۔

حکایت جس زمانے میں شاہ جہاں ایام شہزادگی میں ملکہ نور جہاں کی مخالفت کی وجہ سے پریشان تھا۔ حضرت شہباز بجا گل پوریؒ کی شہرت سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت طلبا کو درس دے رہے تھے، شہزادے کی جانب متوجہ نہ ہوئے کچھ دیر کے بعد حضرت کے چہرے پر ناخوشگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ شاہجہاں نے ہمت کر کے عرض کیا حضرت! میں ایک حاجت لے کر حاضر ہوا ہوں اور آپ بیزار معلوم ہوتے ہیں، کیا میں سبب پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ تم سلطنت کی آرزو رکھتے ہو لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھاری قبا کا دامن حدِ شریعت سے بڑھا ہوا ہے اگر تم شریعت محمدیؐ کے پابند نہ رہے تو دنیا کی گمراہی کا سبب بن جاؤ گے۔ شاہجہاں نے عرض کیا جو حکم ہو بجا لاؤں۔ حضرت نے فرمایا جس قدر تمھارا دامن حدِ شرعی سے زیادہ ہے اس کو پھاڑ کر طلبا کے حوالے کر دو تاکہ وہ ٹوپیاں بنالیں۔ شاہ جہاں نے اسی وقت فوراً دامن چاک کر دیا اور عرض کیا کہ میں سلطنت کی تمنا رکھتا ہوں۔ جنگ کے اسباب پیدا ہو گئے ہیں۔ اگر سلطنت میری قسمت میں ہے تو اس کے لیے جدوجہد کروں؟ حضرت نے فرمایا کہ آثار تو ایسے ہی معلوم

ہوتے ہیں۔ شاہ جہاں حضرت کا اشارہ پاکر سلطنت کے حصول میں کوشاں ہو گیا اور ایک دن وہ آیا کہ نور جہاں کی انتہائی مخالفت کے باوجود حضرت کی پیش گوئی کے مطابق وہ تخت و تاج کا مالک بن گیا۔ تخت نشین ہونے کے بعد شاہ جہاں نے ہر چند کوشش کی کہ حضرت اپنی خدمت میں باریابی کی اجازت دیں مگر حضرت نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ پہلے تم شہزادے تھے تو تم سے ملاقات جائز تھی۔ اب تم بادشاہ ہو اس لیے تم سے ملاقات جائز نہیں۔ بس یہی کافی ہے کہ میں تمھارے حق میں دعا کرتا رہوں۔

حکایت ایک مرتبہ شاہ ابوالمعالی نے میراں شاہ سے فرمایا کہ دیکھو میراں یہ فقر نہیں کہ روحانیت کو حاصل کرتے ہوئے بندہ دنیا میں بھی کھو جائے بلکہ یاد الٰہی میں گم ہو جانے کا نام فقر ہے۔ تم جب تک ایسے نہیں بن جاؤ گے، درویش نہیں کہلا سکتے حضرت میراں شاہ نے اپنے مرشد شاہ ابوالمعالی کی ہدایت پر حددرجہ عمل کیا اور ارفع مقام حاصل کیے۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی مہربانی شاملِ حال ہو تو پھر کسی غیر کی حاجت نہیں رہتی۔ جب دوست کی مہر و محبت دلِ زار کو حاصل ہو جائے تو پھر طالب کو کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔

حکایت ایک دن حضرت ابوعلی دقاق دیدہ زیب لباس میں ملبوس تھے تو حضرت شیخ ابوالحسن نوریؒ کہنہ و بوسیدہ پوستین پہنے ہوئے آپ کے سامنے آ گئے آپ نے مسکرا کر سوال کیا کہ اے ابوالحسن، تم نے یہ پوستین کس قیمت میں خریدی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے پوری دنیا کے معاوضے میں اس کو خریدا ہے اور مجھے یہ اس قدر عزیز ہے کہ اگر اس کے بدلے میں پوری جنتیں بھی عطا کر دی جائیں تو اس صورت میں بھی میں یہ پوستین ہی پہنوں گا۔ ابوالحسن نوری کا یہ جواب سن کر شیخ ابوعلی دقاق نے روتے ہوئے کہا کہ آج سے میں کسی درویش کا تمسخر نہیں اڑاؤں گا۔

حضرت شیخ ابو سعیدؒ کا قول

حضرت شیخ ابو سعیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک درویش دنیائے اسلام کا سفر کرتا رہا، کہیں آرام سے نہ بیٹھا، تہی دامن رہا لہٰذا دل اچاٹ ہو گیا۔ ایک خار دار وادی میں جا کر بیٹھا۔ گدڑی اوپر لی تو دل کو آسودگی میسر آئی۔ آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگا بعد اے اللہ! تو اس گدڑی میں میرے ساتھ ہے، میں تجھے وادیوں میں تلاش کرتا رہا مگر تُو تو میرے پاس ہے۔

حضرت کلیم اللہ کا ارشاد

حضرت کلیم اللہ شاہجہاں آبادیؒ اپنے خلفاء کو ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ دولت مندوں سے کبھی ربط و ضبط نہ بڑھانا۔ فقراء اور دولت مندوں کا راستہ جُدا جُدا ہے۔ یہ لوگ دولت کے سحر میں ایسے جکڑے ہوتے ہیں کہ خونی رشتوں کا احترام تک بُھلا دیتے ہیں۔ اس لیے ان سے کبھی بھلائی کی امید نہ رکھنا اس لیے ان کے ساتھ میل جول بڑھانے میں احتیاط اور عاقبت اندیشی کا مظاہرہ کرنا اتنا میل جول نہ بڑھا لینا کہ وہ تمہارے معاملات میں دخل انداز ہوں۔ البتہ اگر کوئی خود آ جاتا ہے اور رشد کا خواہشمند ہوتا ہے تو اس کی راہنمائی ضرور کرنا مگر دیکھو۔ ان کے پاس خود کبھی نہ جانا۔

چار چیزوں کی حقیقت

حاتم زاہد کا قول ہے کہ جو شخص چار چیزوں کا چار چیزوں کے بغیر دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ وہ شخص جو اپنے مولا کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر اس کے حرام سے نہیں بچتا۔ دوسرا وہ شخص جو جنت کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مال خرچ نہیں کرتا۔ تیسرا وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر سنت کی اتباع نہیں کرتا۔ چوتھا وہ شخص جو اعلیٰ درجات کی محبت کا دعویدار ہے مگر فقراء اور مساکین سے ہم نشینی نہیں رکھتا۔

حضرت علی ہجویریؒ کا فرمان

آپ نے کشف المحجوب میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فقراء کو بہت بلند مقام عطا فرمایا ہے اور بہت بڑے درجہ سے نوازا ہے کیونکہ یہ لوگ اسباب ظاہری و باطنی سے دست بردار ہو کر

بجان و دل حقیقی مسبب الاسباب کی طرف رجوع کرتے ہیں، فقران کے لیے باعثِ فخر ہوتا ہے۔ فقر جانے پر نہ وہ آہ وزاری کرتے ہیں اور نہ اس کی موجودگی پر خوش ہوتے ہیں۔ وہ فقر کو سینے سے لگائے رکھتے ہیں اور اس کے مقابلے میں ہر چیز کو حقیر سمجھتے ہیں مگر یاد رہے فقر کا ایک ظاہری طریق ہے اور اس طریق کا اساس مفلسی اور بیچارگی ہے۔ دوسرا پہلو حقیقت کا ہے جو اقبال و اختیار پر مبنی ہے۔ جس نے ظاہری طریق پر اکتفا کیا اسے کوئی نفع نہ ملا اور بالآخر اس نے اس سے منہ پھیر لیا اور جس نے حقیقت حاصل کر لی وہ موجودات سے روگرداں ہوا۔ اور تمام ماسوی اللہ کی نفی کرتا ہوا دیدارِ کلی سے سرفراز ہوا۔ مَنْ لَمْ يَعْرِفْ سِوٰى رَسْمِهٖ لَمْ يَسْمَعْ سِوٰى اِسْمِهٖ۔ (جس نے فقر کو رسم تک محدود سمجھا اس نے فقر کے نام کے سوا کچھ نہ سنا) فقیر دراصل وہی ہے جس کی ملکیت میں کوئی شے نہ ہو۔ اور کسی شے کے حاصل ہونے سے اسے کوئی فرق نہ پڑے، نہ متاعِ دنیا کی موجودگی پر وہ اپنے آپ کو غنی محسوس کرے اور نہ ہی متاعِ دنیا کے فقدان پر اپنے آپ کو محتاج سمجھے اس کی نگاہ فقر میں متاعِ دنیا کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہو، تہی دستی کے عالم میں اسے زیادہ مسرت ہوتی ہے کیونکہ بقول مشائخ تنگ دستی سے دل کو زیادہ فراغت نصیب ہوتی ہے۔ مال و متاع فقیر کے لیے شوم ہوتا ہے اس لیے فقیر کسی چیز کو اپنی ملکیت میں نہیں رکھتا اور نہ ہی کسی چیز کی محبت میں خود کو گرفتار ہونے دیتا ہے۔ دوستانِ حق کی زندگی باری تعالیٰ کی عنایات ظاہری و باطنی پر منحصر ہوتی ہے اس غدار اور فاجرہ دنیا کے سروسامان پر نہیں دنیا کا مال و متاع راہ تسلیم و رضا میں رکاوٹ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔



باب ۲

اطاعت

زندگی کے ہر عمل اور معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کرنے کو اطاعتِ الٰہی کہا جاتا ہے۔ انسانیت کا تقاضا ہے کہ پوری زندگی احکامِ الٰہی کے مطابق بسر کی جائے اور ہر انسان خود کو حکمِ الٰہی کی اتباع کے سانچے میں ڈھال لے اور اپنے آپ کو اللہ کے امر کے سپرد کر دے۔ جو کام بھی کرے اس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو مدنظر رکھے۔ غرضیکہ جو شخص بھی ہر وقت اپنے وجود کو اللہ کے حکم کے تابع رکھے گا اسے اطاعتِ الٰہی میں شمار کیا جائے گا۔ اطاعت کا عام مطلب فرمانبرداری اور حکم کی بجا آوری ہے یعنی ہر کام کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اطاعتِ الٰہی پر بہت زور دیا ہے۔ اگر انسان اطاعت کا راستہ اختیار نہیں کرے گا تو وہ راہِ ہدایت پر قائم نہیں رہے گا۔

حکمِ خداوندی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (پ ۴، آل عمران ۱۳۱)

معلوم ہوا کہ اطاعت حصولِ رحمت کا ذریعہ ہے۔ ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہوا ہے:۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَطِیْعُوا اللّٰهَ ۔ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو

وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج — تم میں سے حاکم ہو اس کی اطاعت کرو۔

اللہ کے رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے کیونکہ اللہ کا رسول اطاعت کے لیے اللہ کا حکم ہی پہنچاتا ہے۔ ایسے ہی وہ حاکم جو اللہ اور اس کے رسول کا فرمانبردار ہو اور احکام الٰہی کے مطابق احکام جاری کرتا ہو اس کی اطاعت بھی اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ج فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ○ — اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو پس اگر منہ پھیرو گے تو جان لو ہمارے رسول کے ذمے صرف پہنچا دینا ہی تھا (پ ۷، مائدہ ۹۲)

اطاعت نہ کرنے کا نقصان حکم نہ ماننے والے ہی کو ہو گا۔ ایک اور مقام ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ○ — وہ تمہارے اعمال کی اصلاح کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا بیشک بڑی مراد پائے گا۔ (پ ۲۲، احزاب ۷۱)

دین و دنیا کی کامیابی کا دارومدار اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہے اسی بنا پر ایک مقام پر اطاعتِ الٰہی کی یوں ترغیب دی گئی ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○ — اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔ (پ ۲۶، محمد ۳۳)

اعمال کی قبولیت کا معیار یہ ہے کہ وہ اطاعتِ الٰہی کے مطابق ہوں اگر وہ اطاعت کے بغیر اپنی مرضی کے مطابق ہونگے تو وہ قبول نہیں ہوں گے اس لحاظ سے وہ ضائع ہو جائیں گے۔ اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ اعمال احکامِ الٰہی کے دائرہ میں رہ کر سرانجام دیے جائیں۔

فضیلتِ اطاعت

قبولِ عمل کی بنیاد

حضرت مہاجر بن حبیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں حکمت والے کے ہر کلام کو قبول نہیں فرماتا بلکہ میں اس کے ارادے اور خواہش کو قبول فرماتا ہوں۔ اگر اس کا ارادہ اور خواہش میری اطاعت میں ہے تو میں اس کی خاموشی کو اپنی حمد و ثناء اور وقار شمار کر لیتا ہوں اگرچہ وہ کلام نہ کرے۔ (دارمی)

اطاعتِ الٰہی کا اجر

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! کوئی چیز ایسی نہیں جو تمھیں جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کرے مگر وہی چیزیں جن کا تمھیں حکم دیا گیا ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تمھیں دوزخ سے قریب اور جنت سے دور کرے مگر وہی چیزیں جن سے تمھیں منع کیا گیا ہے۔ بیشک روح الامین اور دوسری روایت میں ہے کہ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کوئی شخص اپنا رزق پورا کیے بغیر نہیں مرتا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ سے ڈرو اور تلاش رزق میں درمیانی راستہ اختیار کرو اور رزق کی تاخیر تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ اسے اللہ کی نافرمانی سے حاصل کرنے لگو کیونکہ جو اللہ کے پاس ہے وہ نہیں حاصل کیا جا سکتا مگر اس کی اطاعت سے۔ (شرح السنۃ، بیہقی)

ایمان کے ساتھ اطاعت ضروری ہے

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اہل کتاب توریت عبرانی زبان میں پڑھ کر اس کی تفسیر مسلمانوں کو عربی میں بتاتے تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تم نہ تو اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب، صرف اتنا کہو، اور یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمہ) ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا۔ آخر آیت تک۔ (بخاری شریف)

احکام الٰہی میں مت جھگڑو

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچا تو وہاں دو آدمی ایک آیت کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے۔ اس وقت سرکارؐ حجرہ شریف سے باہر تشریف لائے، آپ کے چہرہ مبارک سے غصہ کے آثار ظاہر تھے آپ نے فرمایا تم سے پہلے لوگ اپنی کتابوں کے بارے میں جھگڑے کی وجہ سے ہلاکت میں پڑے تھے۔ (مسلم شریف)

اطاعت کی مثال

حضرت ابو موسیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور اس چیز کی مثال جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص نے آکر اپنی قوم سے کہا کہ میں نے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں کھلا ڈرانے والا ہوں لہٰذا جلدی کرو جلدی کرو۔ اس طرح اس کی قوم میں سے ایک جماعت نے اس کی بات کو مانا اور رہ راتوں رات وہاں سے نکل گئے اور انھوں نے نجات پائی لیکن قوم کے بقیہ لوگوں نے اس کی بات نہ مانی اور اپنی جگہ رہے صبح کو اس لشکر نے ان پر حملہ کر کے تاراج کر دیا لیکن یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے میری اطاعت کی اور جو کچھ میں لے کر آیا ہوں اس پر عمل پیرا ہوا اور دوسری مثال اس شخص کی ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جس چیز کو میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔ (بخاری شریف)

حضورؐ کی فرمانبرداری کا حکم

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے تو کچھ فرشتے آپ کے

پاس آئے تو یہ آپس میں کہنے لگے کہ تمہارے لیے اس معزز شخصیت کی ذات ایک مثال ہے اس کو بیان کرو۔ ان میں سے بعض نے کہا آپ آرام فرما رہے ہیں، تو بعض نے کہا کہ بظاہر تو سو رہے ہیں لیکن آپ کا دل جاگ رہا ہے تب فرشتوں نے کہا کہ آپ کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی نے مکان بنایا اور اس میں کھانا تیار کرکے کسی کو بھیج کر لوگوں کو کھانے کے لیے بلایا، پس جو بلانے والے کی بات مان کر آیا اور اس نے کھانا کھا لیا اور جس شخص نے بلانے والے پر اعتبار نہ کیا اور اس سے آکر کھانا نہ کھایا۔ اس گفتگو کے بعد فرشتوں نے آپس میں کہا کہ یہ بات تفصیل طلب ہے اس کی تفصیل بیان کرو تو یہ آپس میں کہنے لگے کہ آپ تو سوئے ہوئے ہیں تو بعض نے کہا کہ آپ کی آنکھیں مصروفِ خواب ہیں لیکن دل جاگ رہا ہے۔ فرشتوں نے آپس میں تب کہا کہ گھر سے مراد جنت ہے اور بلانے والے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لی اس نے اللہ کی بات مانی اور جس نے سرکار کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات حق و باطل میں وجہ امتیاز ہے۔ (بخاری)

اطاعت کرنے والے جنت میں جائیں گے

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے تمام امتی جنت میں داخل ہوں گے مگر جس نے انکار کیا، سرکارؐ سے دریافت کیا گیا کہ انکار کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ داخلِ جنت ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی وہی میرا منکر ہے۔ (بخاری)

اطاعتِ حضورؐ درحقیقت اطاعتِ الٰہی ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کا حکم مانا تو اس نے میرا حکم مانا اور جس نے امیر کی نافرمانی کی تو اس نے میری

نافرمانی کی۔ کیونکہ امام ایک ڈھال ہے جس کے پیچھے جہاد کیا جاتا ہے اور جس کی آڑ لی جاتی ہے۔ اگر وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے انصاف سے حکم دے تو اس کا اسے ثواب ملے گا اور اگر اس کے برعکس کہے تو اس کا گناہ اس پر ہوگا۔ (مسلم)

حکم ماننے کی حدود

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر مسلمان پر سننا اور حکم ماننا ہے خواہ اسے پسند کرتا ہو یا ناپسند۔ جب تک کہ خدا کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے۔ جب خدا کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو اس میں سننا اور حکم ماننا نہیں ہے۔ (مسلم)

اطاعتِ امیر

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سنو اور اس کا حکم مانو خواہ تمہارے اوپر حبشی غلام کو عامل مقرر کر دیا جائے اور اگرچہ اس کا سر انگور جیسا ہو۔ (بخاری)

حضرت ام الحصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہارے اوپر ناک کٹے غلام کو امیر بنا دیا جائے جو تمہیں اللہ کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی بات سنو اور اس کا حکم مانو۔ (مسلم)

اطاعت صرف نیک کاموں میں ہے

حضرت علیؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں، اطاعت تو نیک کاموں میں ہے۔ (بخاری)

اطاعتِ امیر کی اہمیت

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، جو امیر کی اطاعت سے نکل جائے اور جماعت سے جدا ہو گیا پس مرا تو جاہلیت کی موت مرے گا اور جس نے بے مقصد جھنڈے کے نیچے لڑائی کی کہ عصبیت کے باعث ناراض ہے یا عصبیت کی طرف بلائے یا عصبیت کی مدد کرے اور قتل کر دیا جائے تو وہ جاہلیت پر قتل ہوا ہے اور جو تلوار

لے کر میری امت کو مارتے نکلا خواہ کوئی نیک سامنے آئے یا بد اور اس کے ایمان والے کو بھی نظر انداز نہ کرے اور نہ عہد والے کے عہد کو پورا کرے لہٰذا وہ مجھ سے نہیں اور میں اس سے نہیں۔ (مسلم)

اچھے حاکموں کا وصف

حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے اچھے حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ اور تم ان پر نماز پڑھو اور وہ تم پر نماز پڑھیں اور تمھارے بُرے حاکم وہ ہیں جن سے تم عداوت رکھو اور وہ تم سے عداوت رکھیں، تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! کیا اس وقت ہم انھیں پھینک دیں؟ فرمایا نہیں جب تک وہ تم میں نماز پڑھتے رہیں، نہیں جب تک وہ تم میں نماز پڑھتے رہیں۔ خبردار! جس پر کوئی حاکم مقرر کیا جائے اور وہ دیکھے کہ اللہ کی نافرمانی کا کام کر رہا ہے تو جو اللہ کی نافرمانی کر رہا ہے اسے ناپسند کرے لیکن حاکم کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔ (مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ حضرت سلمہ ابن یزید جعفی سوال کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض گزار ہوئے یا نبی اللہ! اگر ہم پر ایسے حاکم مقرر ہوں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمارا حق نہ دیں تو آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ سنو اور اطاعت کرو کیونکہ ان پر ان کی ذمہ داری کا بوجھ ہے اور تم پر تمھاری ذمہ داری کا بوجھ۔ (مسلم)

حاکموں کی بات مانو

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جس نے امیر کی اطاعت سے اپنا ہاتھ نکال لیا تو جب قیامت میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو اس کے پاس کوئی وجہ جواز نہیں ہو گی اور جو مر گیا اور اس کے گلے میں کسی کی بیعت نہ تھی تو وہ جاہلیت

کی موت مرا۔ (مسلم)

ترغیب اطاعت

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی کے صاحبزادے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے تھے جب وہ بیمار ہوئے تو حضورؐ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور ان کے سرہانے بیٹھ کر فرمایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ، تو انھوں نے وہاں موجود اپنے والد کی طرف دیکھا تو والد نے کہا کہ جناب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور مسلمان ہو جاؤ۔ جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر سے باہر آئے تو آپ نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اس رب کریم کے لیے ہیں جس نے اس شخص کو آگ سے بچا لیا۔ (بخاری)

مومن کی علامات

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جانتے ہو مومن کسے کہتے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا مومن وہ ہے کہ اس کے مرنے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے کانوں کو اپنی پسندیدہ باتوں سے بھر دیں گے اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا عمل کسی کوٹھڑی میں کرتا ہے جو کہ ستر کوٹھڑیوں کے اندر ہو اور ہر کوٹھڑی لوہے کے دروازے سے بند ہو تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس کے عمل کی چادر پہنا دیتے ہیں جس سے لوگ اس کا چرچا کرتے ہیں اور اسے بڑھاتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ بڑھاتے کیسے ہیں فرمایا کہ مومن اس بات کو پسند کرتا ہے جو اس کے عمل میں اضافہ کرے۔ پھر ارشاد فرمایا، کہ جانتے ہو، فاجر کس کو کہتے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا فاجر وہ ہے کہ جس نے مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے کانوں کو اپنی ناپسندیدہ باتوں سے بھر دیتے ہیں اور اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کسی کوٹھڑی میں کرے جو کہ ستر کوٹھڑیوں کے اندر ہو اور ہر کوٹھڑی پر لوہے کے دروازے ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے عمل کی چادر پہنا دیتے ہیں جس سے لوگ اس کا چرچا کرتے ہیں اور اسے خوب بڑھاتے ہیں۔

عرض کیا گیا کہ لوگ اسے کیسے بڑھاتے ہیں؛ فرمایا کہ فاجر اور گنہگار شخص اس چیز کو پسند کرتا ہے جو اس کے فجور میں اضافہ کرے۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اس نے گویا اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا خواہ اس کی نماز روزہ تلاوت قرآن کم ہی ہو اور جو اس کی نافرمانی کرتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا۔ علمائے عاملین کی علامت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ نیک عمل میں لگے رہتے ہیں۔

عبداللہ بن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ عقل مند کے لیے اپنے محبوب کو تکلیف دینا مناسب نہیں۔ لوگوں نے عرض کی کہ اس کا کیا مطلب ہے؛ انھوں نے فرمایا کہ آدمی اللہ تعالےٰ کی نافرمانی سے اپنے نفس کو تکلیف دیتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی

ایک دفعہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے داؤد! میرا یہ پیغام دنیا والوں تک پہنچا دو۔ میں اس کا دوست ہوں جو مجھے دوست رکھتا ہے، اپنی مجلس میں آنے والوں کا ہم مجلس ہوں۔ جو میرے ذکر سے الفت رکھتا ہے میں اس سے الفت رکھتا ہوں۔ جو مجھ سے دوستی رکھتا ہے میں اس سے دوستی رکھتا ہوں، جو مجھے پسند کرتا ہے میں اسے پسند کرتا ہوں۔ جو میری اطاعت کرتا ہے میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں اور جو دل کی گہرائیوں سے مجھے محبوب جانتا ہے میں اسے اپنے لیے پسند کرتا ہوں اور اس سے بے مثال محبت کرتا ہوں۔ جس نے حقیقۃً مجھے طلب کیا اس نے مجھے پا لیا اور جس نے میرے غیر کو طلب کیا وہ مجھ سے محروم رہا۔ پس اے دنیا والو! تم کب تک دنیا کے دھوکہ میں رہو گے۔ میری کرامت دوستی اور ہم مجلس کی طرف آؤ اور مجھ سے انس رکھو، میں تمھیں اپنی محبت سے مالا مال کر دوں گا کیونکہ میں نے اپنے دوستوں کا خمیر ابراہیم خلیل اللہ، موسیٰ نجی اللہ اور محمد صفی اللہ (علیہم السلام) کے خمیر سے بنایا ہے۔ ان کی روحیں اپنے نور سے اور انکی نعمتیں

اپنے جمال سے پیدا کی ہیں۔

اقوال و حکایات

اللہ کی اطاعت کرو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے شام پر لشکر کشی کے لیے تیار ہونے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ میں تم پر چند امیر مقرر کرتا ہوں اپنے اللہ کی اطاعت کرو اور اپنے امیروں کے کہنے پر چلو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا قول آپ کا قول ہے کہ جب تک میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہوں تم میرے مطیع رہو۔ اور جس وقت میں اس امر سے باہر ہو کر نافرمانی کروں پھر تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ اللہ اپنے بندوں سے اس پر راضی نہیں کہ وہ صرف اطاعت کا زبانی اقرار کریں وہ تو عملی اطاعت چاہتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کا فرمان کسی نے حضرت عمر بن خطاب رضؓ سے کہا یا امیر المومنین جب تک آپ لوگوں میں موجود ہیں وہ درست رہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک لوگ اللہ کو راضی رکھیں گے درست رہیں گے۔

اطاعت کا مطلب اطاعتِ خداوندی کا مطلب تمام نیکیوں کو پا لیتا ہے۔ اطاعت کا معنیٰ فرائض کی ادائیگی، حرام چیزوں سے پرہیز اور حدودِ شرع کا پابند ہونا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اعمال پر جزا نہ دیتا تب بھی اس کے احسانات اور انعامات اتنے ہیں کہ ہم پر اس کی عبادت اور اطاعت ضروری تھی چہ جائیکہ اس کا حکم بھی ہو اور اجر کا وعدہ بھی ہو۔

طاعت کی حقیقت طاعت کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی معرفت۔ خوفِ خدا۔ اللہ تعالیٰ سے امید اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

ہوتا ہے۔ وہ بندہ جوان اوصاف سے خالی ہوتا ہے۔ وہ ایمان کی حقیقت کو نہیں پا سکتا لہٰذا اطاعت اس وقت تک صحیح نہیں ہوتی جب تک کہ بندہ اللہ کی معرفت اور اس بے مثل، بے مثال، قادر و خالق ربِ ذوالجلال کی تمام صفتوں پر ایمان نہیں لاتا۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہمؒ اکثر یہ فرماتے تھے کہ مجھے یہ جستجو رہتی تھی کہ رات میں کسی وقت خانہ کعبہ خالی مل جائے لیکن ایسا موقع نصیب نہ ہوتا تھا اتفاق سے ایک شب بارش ہو رہی تھی اور میں تنہا طواف میں مشغول تھا اور میں حسنِ اتفاق سمجھ کر حلقہ کعبہ میں ہاتھ ڈال کر اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنے لگا لیکن یہ ندا آئی کہ پوری مخلوق مجھ سے طالبِ مغفرت ہوتی ہے اور اگر میں سب کو معاف کر دوں تو میری غفاریت اور رحمانیت کی کیا قدر رہ جائے گی۔ یہ سن کر آپ نے عرض کیا کہ اے اللہ میری مغفرت فرما دے، ندا آئی کہ دوسروں کے متعلق ہم سے سوال کر اپنے متعلق ہم سے کچھ نہ کہہ کیونکہ دوسرں کے لیے تیری سفارش مناسب ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اکثر یہ دعا کیا کرتا اے اللہ! تو علیم و خبیر ہے کہ تیری عنایت و کرم جو مجھ پر ہے اس کے مقابلہ میں آٹھوں جنتوں کی بھی کوئی حیثیت نہیں اور اسی طرح تیری محبت کے مقابلے میں آٹھوں جنتیں ہیچ ہیں۔ لہٰذا اے خدا رسوائی معصیت سے بچاتے ہوئے مجھے اطاعت کا شرف عطا فرما دے اور جو تیری ذات سے واقف ہے اسے کیا خبر کہ اس شخص کی کیا کیفیت ہو گی جو تجھ سے قطعاً ناواقف ہے۔

اطاعت گزار غلام حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک غلام خرید کر جب اس کا نام دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ آپ چاہے جس نام سے پکاریں۔ پھر میں نے جب یہ سوال کیا کہ تم کھاتے ہو تو اس نے کہا کہ جو کھلا دیں۔ میں نے پھر پوچھا کہ تمھاری خواہش کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ جو آپ کی خواہش ہو۔ غلام کو ان چیزوں سے بحث نہیں ہوا کرتی۔ یہ سن کر میں نے سوچا کہ کاش میں بھی اللہ

تعالیٰ کا یونہی اطاعت گزار ہوتا تو کتنا ہی اچھا ہوتا۔

حکایت حضرت ابراہیم ادھم رح وقتاً فوقتاً امام اعظم ابوحنیفہ رح کی مجلس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ایک دن وہ بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس وہاں گئے تو اہل مجلس نے ان کو حقارت سے دیکھا لیکن امام اعظم رح نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور سیدنا ابراہیم رح کہہ کر مخاطب کیا۔ اہلِ مجلس یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور پوچھا یہ سعادت انھیں کہاں سے نصیب ہوئی۔ امام اعظم رح نے فرمایا کہ ہم تو اور کام بھی کرتے ہیں لیکن یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

حکایت ابومنصور جو کہ سلطان طغرل کا وزیر تھا، خدا ترس اور مرد دانا تھا، ہر صبح نمازِ فرض پڑھتا اور سجادہ پر بیٹھ جاتا اور طلوعِ آفتاب تک ورد و وظیفہ پڑھتا رہتا۔ پھر خدمت سلطان میں حاضر ہوتا۔ ایک دفعہ بادشاہ کو ایک مہم درپیش ہوئی۔ سلطان نے وزیر کو بہ تعجیل طلب کیا۔ آدمی بلانے آیا تو وہ سجادہ پر بیٹھا تھا۔ اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ حاسدوں کو بات ہاتھ آگئی اور شکایت کا موقع مل گیا انھوں نے بادشاہ کو بہکایا کہ وزیر نے ایسے ضروری فرمانِ شاہی پر توجہ نہیں کی اور معتبر نہ سمجھا، بادشاہ کے غصہ کی آگ بھڑک اٹھی۔ جب وزیر اپنے معمولِ وظائف سے فارغ ہوگیا تو بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان نے اس کو سختی سے پوچھا کہ اتنی دیر سے کیوں آیا۔ اس نے کہا اے بادشاہ! میں خدا کا بندہ ہوں اور تیرا چاکر۔ جب تک اس کی بندگی سے فارغ نہ ہو جاؤں تیری چاکری پہ حاضر نہیں ہوسکتا۔ بادشاہ اس کے اس دلیرانہ سچے جواب سے آبدیدہ ہوگیا اور اس کی بہت تعریف کی اور کہا کہ خدا کی بندگی کو میری چاکری پر مقدم رکھ تاکہ اس کی برکت سے ہمارے سب کام درست ہو جائیں۔

تیرا فقر بہتر ہے سکندری سے
یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی (علامہ اقبال)

حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل

حضرت عمر بن خطابؓ شب کے وقت مدینہ منورہ میں گشت فرمایا کرتے تھے۔ ایک شب چلتے چلتے تھک گئے تو ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اس دوران حضرتؓ نے سنا، ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی کہ اس دودھ میں پانی ملا دے۔ لڑکی نے کہا اماں جان! کیا تمھیں امیرالمومنینؓ کا حکم معلوم نہیں ہے۔ ماں نے کہا کیا حکم ہے؟ لڑکی نے کہا اماں جان! امیرالمومنین نے منادی کرائی ہے کہ کوئی شخص دودھ میں پانی نہ ملائے۔ ماں نے کہا تو پانی ملا دے، یہاں پر تجھے نہ عمرؓ دیکھیں گے نہ ان کا منادی، لڑکی نے کہا قسم ہے اللہ کی میں ایسا ہرگز نہ کروں گی کہ سامنے ان کی اطاعت کروں اور پیچھے نافرمانی کروں۔ حضرت عمرؓ لڑکی کی صاف گوئی اور جذبے سے بہت خوش ہوئے اور اپنی اولاد میں سے ایک لڑکے سے اس کی شادی کر دی۔

حکایت

بصرہ کا ایک عابد بازار سے لکڑیاں خریدنے جا رہا تھا کہ راستہ میں نماز کی اقامت کی آواز سنائی دی۔ وہ فوراً مسجد کی طرف چل دیا۔ راستہ میں اس کی نظر ایک تھیلی پر پڑی، جس پر لکھا ہوا تھا کہ اس تھیلی میں سَو دینار ہیں، عابد نے تھیلی کی طرف ذرا بھی توجہ نہ کی اور مسجد میں داخل ہو کر نماز میں شریک ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر بازار سے لکڑیوں کا گٹھا خرید کر گھر واپس آ گیا، لکڑی کے گٹھے کی رسی کھولی تو اس کے اندر سے وہی تھیلی نکلی جو مسجد کے راستے میں پڑی ہوئی دیکھی تھی۔ عابد نے فوراً آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور کہا اے اللہ! تو جس طرح اپنے بندوں کے رزق کو نہیں بھولتا اسی طرح اپنے بندوں کو اپنی اطاعت سے غافل نہ رکھ۔

اطاعت کا اجر

حضرت سہل بن عبداللہؒ ایک مرتبہ جامع مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت تک نمازیوں سے تمام مسجد پُر ہو چکی تھی۔ امام خطبہ کے لیے منبر پر چڑھ رہے تھے۔ آپ کسی طرح کوشش کر کے پہلی صف

میں جا بیٹھے۔ آپ کی سیدھ میں ایک وجیہہ و شکیل نوجوان خوشبو لگائے اور اُونی چادر اوڑھے بیٹھا تھا۔ اس نے دیکھ کر پوچھا:

سہل! آپ کا کیا حال ہے؟

آپ نے جواب دیا: اللہ کا فضل ہے۔

لیکن آپ دل میں سخت متفکر رہے کہ یہ نوجوان مجھے پہچانتا ہے لیکن میں اسے نہیں پہچانتا اچانک آپ کو پیشاب کی حاجت محسوس ہوئی مگر اندیشہ تھا کہ اگر پیشاب کے واسطے جاتے ہیں تو لوگوں کے اوپر سے پھلانگنا پڑتا ہے اور یہ بے ادبی ہے اور اگر نہیں جاتے تو نماز جاتی ہے۔ ابھی اسی ادھیڑ بُن میں تھے کہ اس نوجوان نے پوچھا:

آپ پیشاب کے لیے جانا چاہتے ہیں؟

آپ نے فرمایا ہاں!

اس پر اس شخص نے اپنی چادر اتار کر آپ کو اُڑھادی اور کہا کہ جلدی سے فارغ ہو کر نماز میں آکر شامل ہو جائیے۔

اس کے بعد آپ کی آنکھ نیند ہو گئی۔ جب دوبارہ آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ ایک بہت بڑے دروازے کے سامنے کھڑے ہیں۔ ایک شخص دروازے پر کھڑا تھا اس نے دیکھ کر آپ سے اندر آنے کے لیے کہا۔ آپ اندر آگئے تو محل نظر آیا۔ ایک جانب ایک درخت تھا اور اس درخت کے نیچے ایک پیشاب خانہ تھا جہاں پانی کا ایک لوٹا بھی رکھا ہوا تھا۔ آپ وہاں جا کر فارغ ہوئے اور پھر غسل کیا۔ جب وضو کر رہے تھے تو اسی محافظ کی آواز آئی کہ فارغ ہو چکے؟

آپ نے کہا ہاں!

پھر اس نے چادر اتار لی۔ آپ نے دیکھا وہیں بیٹھے ہیں جہاں پہلے تھے کسی کو آپ کے اس واقعہ کا علم نہ تھا، اتنے میں جماعت کھڑی ہو گئی اور آپ نے دوسرے لوگوں کے ساتھ

نماز ادا کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ اس نوجوان کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ وہ ایک مکان کے سامنے جا کر رک گیا اور پھر پلٹ کر آپ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا :

اے سہل! معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں اپنی آنکھ سے دیکھی ہوئی چیز کا بھی یقین نہیں۔

آپ نے فرمایا، نہیں۔

تب اس نوجوان نے کہا اچھا تو میرے ساتھ اندر چلو۔

جب آپ اندر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ بعینہٖ یہ وہی جگہ تھی جہاں آپ رفع حاجت کے لیے پہنچے تھے۔ محل، درخت، غسل خانے اور دیگر تمام چیزیں بجنسہٖ اسی طرح موجود تھیں۔ آپ نے فرمایا آمَنْتُ باللہ! پھر اس نے کہا اے سہل! جو شخص اللہ کی اطاعت کرتا ہے ہر شے اس کی اطاعت کرتی ہے، اے سہل! اسے ڈھونڈو گے تو اسے ضرور پاؤ گے۔ یہ سن کر آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اس نوجوان نے آپ کے آنسو خشک کیے۔ پھر جب آنکھیں کھلیں تو نہ وہ نوجوان تھا اور نہ وہ محل، یہ نورانی صحبت ختم ہونے سے دل کو صدمہ ہوا اور پھر آپ عبادت میں مشغول ہو گئے۔ (حکایاتِ شیریں)

اطاعتِ الٰہی کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادیؒ کو خواہش محسوس ہوئی کہ کاش وہ شیطان مردود کو دیکھ سکتے اور اس سے دریافت کرتے کہ اے ملعون! تجھے آخر کس چیز نے روکا تھا کہ تو آدم کو سجدہ کرنے سے باز رہا اور زبردست فتنہ و فساد کا منبع بنا ہوا ہے۔

ایک دن آپ مسجد سے باہر نکل رہے تھے کہ ایک شریف صورت بزرگ کو دیکھا جو عصا کے سہارے آہستہ آہستہ چلتا ان کی طرف آرہا ہے۔ جب وہ قریب پہنچا تو آپ نے اس کی پیشانی پر بزرگی کی علامتیں تو محسوس کیں مگر دل اس کی قربت سے وحشت زدہ ہوا جا رہا تھا۔ وہ بزرگ جوں جوں آپ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا اتنا ہی زمین اسے پیچھے کی طرف کھسکا دیتی۔ ناامید ہو کر وہ جنید سے بولا کہ جنید! تو خوش قسمت ہے کہ تیرے خالق نے

میرے اور تیرے درمیان ایک دیوار حائل کردی ہے۔ میں وہی ہوں جس سے تو آجکل ملنے کا خواہشمند ہے۔

آپ کو جب یہ احساس ہوا کہ آپ شیطان لعین کے سامنے کھڑے ہیں تو فوراً غصے اور درشتی سے بولے کہ ملعون! تجھے آدم کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا تھا؟ شیطان یہ سن کر بولا کہ تم تو خود عبادت گزار ہو، عقل و شعور سے مالا مال ہو، مجھے یہ بتاؤ اگر کوئی تمھیں یہ کہے کہ تم غیر اللہ کو سجدہ کرو تو کیا تم اس کی بات مان لو گے؟

جنید بغدادی سوچ میں پڑ گئے کہ آخر اسے کیا جواب دیں، پھر بولے تو مردود ہے، ہی جھوٹا اور نیک بندوں کو بہکانے والا، اگر تو اپنے خالق کا حکم ماننے والا ہوتا تو پھر اس کے حکم سے سرتابی کی مجال نہ کر پاتا۔ ابلیس نے جو یہ سنا تو چلا کر بولا، جنید! تو نے خدا کی قسم! آج مجھے جلا ڈالا اور پھر وہ نظروں سے غائب ہو گیا۔

حضرت ابو سعید خزار کا ارشاد

حضرت ابو سعید خزارؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سوائے خدا کے اور کسی شے سے کوئی سروکار نہ تھا۔

سات اعمال

ایک حکیم کا قول ہے کہ جو شخص سات عمل سات چیزوں کے بغیر کرتا ہے وہ اپنے عمل سے نفع نہیں پاتا۔ پہلا یہ کہ خوف پر عمل کرتا ہے مگر بچتا نہیں۔ یعنی یوں تو کہتا ہے کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں مگر گناہوں سے نہیں بچتا تو اس کا یہ کہنا کسی کام کا نہیں۔ دوسرا یہ کہ طلب کے بغیر رجاء کا عمل کرے یعنی یہ تو کہے کہ میں اللہ سے ثواب کی امید رکھتا ہوں مگر اسے اعمال صالحہ کے ذریعہ طلب اور حاصل نہیں کرتا تو اس کا یہ کہنا بھی فائدہ نہ دے گا۔ تیسرا وہ جو بلا قصد نیک اعمال کرنے کی نیت کرے مگر عملی طور پر انھیں اختیار کرنے کا ارادہ ہی نہ کرے تو یہ نیت بھی اسے کچھ فائدہ نہ دے گی۔ چوتھا وہ جو عملی کوشش کے بغیر دعا کرتا ہو یعنی یہ دعا تو کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے نیکی کی توفیق بخشیں مگر

عملی طور پر محنت اور کوشش نہ کرے تو یہ دعا بھی اسے کچھ نفع نہ دیگی۔ اسے چاہیئے کہ کچھ عملی محنت کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے توفیق عنایت فرمائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ہ (پ ۲۱)

جو لوگ ہماری راہ میں محنت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھائیں گے یعنی توفیق عطا فرمائیں گے بیشک اللہ تعالیٰ ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے

پانچواں کام وہ استغفار ہے جو بلا ندامت کیا جائے یعنی استغفر اللہ تو کہتا ہے مگر اپنے گناہوں پر نادم نہ ہو تو ایسا استغفار بھی اسے کچھ کام نہ دے گا۔ چھٹا کام یہ کہ باطن سے بے پرواہ ہو کر ظاہر ہی میں لگا ہے۔ یعنی اعمال کے ظاہر کی اصلاح کرتا ہے مگر ان کے باطنی آداب و شرائط کو پورا نہ کرے تو یہ نرا ظاہر بھی کسی کام نہ آئے گا۔ ساتواں یہ کہ عمل تو پوری محنت اور کوشش سے کرے مگر اخلاص کے بغیر یعنی اس سے مقصود اللہ کی رضا نہ ہو تو یہ طاعت اور نیکی بھی کسی کام کی نہیں محض نفسانی دھوکہ ہے۔

اطاعتِ مقبولہ

حضرت بایزید بسطامیؒ نے کہا کہ میرے دل میں آواز دی گئی کہ اے بایزید! اگر تو ہمیں چاہتا ہے تو اطاعتِ مقبولہ اور خدمتِ پسندیدہ جو تو ہماری بارگاہ میں لایا ہے اس کے علاوہ وہ چیز لا جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ میں نے عرض کی کہ خداوندا وہ کیا چیز ہے جو تیرے پاس نہ ہو؟ ارشاد ہوا کہ وہ بیچارگی، عجز و نیاز اور شکستگی ہے۔

کمالاتِ حقیقی کا تقاضا

حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے اچھی طرح سمجھ لو کہ بندے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی محبت، ان کی اطاعت اور ان کے احکامات کی پیروی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بندوں کی محبت، رحمت اور بخشش کا نزول ہے۔

جب بندہ یہ بات سمجھ لیتا ہے کہ کمالاتِ حقیقی صرف اللہ ہی کے لیے ہیں اور مخلوق کے

کمالات بھی درحقیقت اللہ ہی کے کمالات ہیں اور اللہ ہی کے عطا کردہ ہیں تو اس کی محبت اللہ کے ساتھ اور اللہ کے لیے ہو جاتی ہے۔ یہی چیز اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ بندہ اللہ کی اطاعت کرے اور جن باتوں کا وہ اقرار کرتا ہے ان امور سے اس محبت میں اضافہ ہو، اسی لیے محبت کو اطاعت کے ارادوں کا نام دیا گیا ہے اور اس کو اخلاص عبادت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔

قابل غور بات

حضرت امام غزالیؒ کا فرمان ہے کہ حیران کُن بات تو یہ ہے کہ ہم اگر کوئی غلام خریدتے ہیں تو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ وہ ہر وقت خدمت ماموره پوری تندہی سے سرانجام دیتا ہے۔ ہمارا مطیع و فرمانبردار رہے حالانکہ اسے معمولی قیمت سے خریدا گیا ہے۔ اس کی ایک غلطی پر اسے دشمن سمجھ لیتے ہیں بے انتہا غصہ کرتے ہیں اس کا کھانا بند کر دیتے ہیں اسے آنکھوں سے دور کر دیتے ہیں یا پھر اسے بیچ دیتے ہیں لیکن ہم اس مالک حقیقی کی اطاعت نہیں کرتے جس نے ہمیں بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔ ہم بارش کے قطروں کے برابر گناہ کرتے ہیں مگر وہ اپنی نعمتیں ہم سے نہیں روکتا، اپنی رحمت کی نصرت نہیں روکتا جس کے بغیر ہمارے لیے ایک قدم چلنا بھی مشکل ہو جائے، اگر وہ چاہے تو ہمیں ایک گناہ کے بدلے پکڑنے پہ قادر ہے مگر وہ ہمیں مہلت دیتا ہے تاکہ ہم توبہ کریں اور وہ توبہ قبول فرما کر ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے عیوب ڈھانپ لے۔

ہر عقلمند بخوبی جانتا ہے کہ اطاعت و فرمانبرداری کے لائق کون ہے۔ وہ اسی ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسی کے دامن رحمت میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔ جب اس سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو وہ اپنے خالق کی طرف رجوع کرتا ہے اس کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتا اور اس کے انعامات کا شکر ادا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں شمار ہونے لگتا ہے۔ جب اسے موت آتی ہے تو وہ دیدار الٰہی کا مشتاق اور

رب بے نیاز اس سے ملاقات کا خواہشمند ہوتا ہے۔

بادشاہوں کے قلوب اللہ کے ہاتھ میں ہیں

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے تھے کہ تورات میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں۔ جو شخص میری اطاعت کریگا میں ان کو اس پہ رحمت بنادوں گا اور جو شخص میری نافرمانی کرے گا میں ان کو اس پہ سخت کردوں گا پس تم بادشاہوں کو گالی نہ دیا کرو اور میری طرف توبہ کے ساتھ رجوع کرو کیونکہ میں تم پر ان سے زیادہ مہربان ہوں۔

حضرت علی بن حسینؒ کا قول

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ کوئی دو شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر دوستی کریں ان کی جدائی بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر ہی ہو جاتی ہے۔

اطاعتِ الٰہی میں مشغول رہو

ابو بکر بن عبداللہ کے پاس لوگ عیادت کے لیے گئے۔ ابو بکر دو آدمیوں کے سہارے سے باہر آئے تو لوگوں نے دعا کے لیے عرض کی۔ انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے رب کی اطاعت میں مشغول ہو۔ اس سے پہلے کہ اس پر میرے جیسی حالت وارد ہو۔

حکمِ خداوندی

عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اطاعت کا حکم فرمایا ہے اور اس میں امداد بھی دی اور اس کے ترک کے لیے کوئی عذر مقرر نہیں کیا اور گناہ سے منع کیا اور اس کے کرنے پہ کوئی دلیل نہیں رکھی۔ اللہ سبحانہ و تعالےٰ اگر چاہتا کہ زمین میں مطلق کوئی گناہ نہ کرے تو ابلیس کو پیدا ہی نہ کرتا کیونکہ گناہ کی جڑ وہی ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی کا قول

حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے تھے کہ متقی لوگ اس دنیا میں صرف اطاعت کی خاطر

رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور فرمایا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کہ ان کو اطاعت سے پہلے ہی جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے اور گناہ کرنے سے پہلے ہی ان پر گناہ کو مقدر کیا۔ کیونکہ اللہ اپنے علم میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔

حضرت مالک بن دینار کا نظریہ

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے بصرہ سے پاپیادہ حج کیا تو کسی نے ان سے سوار ہونے کو کہا وہ فرمانے لگے کہ بھاگا ہوا نافرمان غلام اپنے آقا سے مصالحت کے لیے سوار ہو کر جانا پسند کرے گا؟ واللہ! اگر میں انگاروں پر چل کر مکہ جاؤں تو یہ بھی کم ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض کا جذبہ اطاعت

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت کو گئے تو فرمانے لگے کہ اگر تم میرے پاس نہ آتے تو مجھے یہ بات تمہارے آنے سے زیادہ پسند تھی۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہارے پاس اپنے رب عزوجل کی شکایت نہ کروں۔

مطیع اور عاصی کی علامات

ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اطاعت میں صرف چہرے کی رونق اور رعب، لوگوں کے دلوں میں محبت اور اعضاء میں طاقت، طبیعت میں قرار اور لوگوں کے مقابلہ میں شہادت کا جائز ہونا ہی نفع ہو تو ترکِ گناہ کے لیے یہی کافی ہے۔ اور اگر گناہ میں صرف چہرے کی بے رونقی، دل کی سیاہی اور لعنت سے یاد کیا جاتا، شہادت میں بے اعتباری اور دل میں خوف ہو تو گناہ چھوڑنے کے لیے یہی کافی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمانبردار اور نافرمان میں سے ہر ایک کے لیے دنیا میں علامتیں مقرر کر دی ہیں تاکہ مطیع خوش ہو۔ اور عاصی غمگین۔ (میں کہتا ہوں) لعنت مذکور سے مراد یا تو اسے تعیین کے طور پر بُرا کہنا ہے یا عام گناہ گاروں میں شامل کر کے۔ کیونکہ لعنت معین تو سوائے شرعی دلیل کے

جائز نہیں۔

دل کی سیاہی کی وجہ

ابو تراب نخشبی رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ جب انسان ترک گناہ کا مصمم ارادہ کر لیتا ہے تو اسے ہر طرف سے اللہ عزوجل کی امداد ملتی ہے۔ تین چیزیں دل کی سیاہی کی علامت ہیں ایک یہ کہ گناہ سے دل نہ گھبرائے، دوسری یہ کہ دل طاعت کی طرف مائل نہ ہو اور تیسری یہ کہ دل میں وعظ کا اثر نہ ہو۔

نیک اعمال میں اللہ کی اطاعت

حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا جس طرح تم سوتے ہو اسی طرح مرو گے اور جس طرح تم سو کر جاگتے ہو اسی طرح تم قبر سے اٹھو گے۔ پس نیک اعمال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو کہ تو دلہن کی طرح سوئے اور اٹھے اور اعمال بد نہ کر۔ کہ تو اس مجرم کی طرح خوفزدہ سوئے اور جاگے جس کو بادشاہ قتل کے لیے طلب کرتا ہو۔

دلِ بیمار کا علاج

ایک صالح شخص کا ایک جماعت کے پاس سے گزر ہوا وہاں ایک معالج بیماریوں اور دوائیوں کا ذکر کر رہا تھا۔ صالح جوان نے پوچھا اے جسموں کے معالج! کیا تیرے پاس دلوں کا بھی علاج ہے۔ وہ بولا ہاں بتاؤ، دل میں کیا بیماری ہے؟ صالح جوان نے کہا کہ گناہوں کی ظلمت نے اسے سخت کر دیا ہے۔ معالج نے کہا کہ اس کا علاج صبح و شام گریہ و زاری، استغفار رب غفور کی اطاعت میں سعی اور اپنے گناہوں پہ معذرت طلبی ہے۔ دوا تو یہ ہے اور شفا رب کے پاس ہے۔ وہ صالح جوان اتنا سنتے ہی بے حال ہو گیا اور کہنے لگا کہ تم واقعی ایک اچھے طبیب ہو۔ تم نے لاجواب علاج بتایا۔ معالج نے کہا یہ اس دل کا علاج ہے جو تائب ہو کر اپنے رب کے حضور آ گیا ہو۔

حضرت سید کبیر احمد رفاعی کا ارشاد

حضرت سید کبیر احمد رفاعی کا فرمان ہے کہ تمہارا منتہائے مقصود اور آخری مطلوب مخلوق نہیں ہونا چاہیئے۔ یاد رکھو، بادشاہ ہوں یا درمیانہ درجے کے لوگ ہوں یا معمولی درجے کے لوگ، ان سب کا ایک ہی حال ہے، وہ عاجز ہیں فقیر ہیں اور مساکین ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آنکھوں پر پردے پڑ چکے ہیں، جس کی وجہ سے لوگ خالق سے غافل ہیں اور مخلوق میں منہمک ہیں، عقلمند وہ ہے جو اس بات کو سمجھے اور حجابات سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف پناہ لے جس پر نیند نہ آئے اور نہ اونگھ۔

علماء کے انداز پر تم زبانیں چلاتے ہو مگر تمہارے دل ظالم ہیں، زندیقوں کی طرح تم بیباک ہو اور کفار کی طرح بد معاش ہو۔ تمہارے لیے بہتر ہے کہ زبان چلاؤ تو اپنے اعضاء اور قلوب کو ہر اس کام سے بچاؤ جس کی وجہ سے اللہ رب العالمین، لطیف و خبیر بادشاہ غضبناک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ بہترین رکھو اور لوگوں کے ساتھ بھی درست رہو۔ اور خلوت و جلوت، موت و بعثت اور سوال و جواب، ہر موقع پر اپنے آپ سے نیک معاملہ کرو۔ یہ کتاب (نامۂ اعمال) تو کوئی چھوٹا یا بڑا کام نہیں چھوڑتی، اس نے سب کو گن رکھا ہے۔ اللہ کریم آنکھوں کی خیانت سے بھی آگاہ ہے، دل کے پوشیدہ خیالات بھی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ میں تمہیں کہتا ہوں کہ درست ہو کر اللہ تعالیٰ کی تابعداری کرو۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے بارے میں لوگوں کو ڈراتا ہے اور نصیحت کو قبول کرو، اور احکامات کی اطاعت کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ سے جنگ مول نہ لو۔ جس نے اللہ تعالیٰ سے جنگ مول لی وہ عزیز نہیں ہوا اور جو اللہ تعالیٰ کا دوست ہوا وہ ذلیل نہیں ہوا۔

حضرت خواجہ شمس الدینؒ کا قول

آپ نے فرمایا ہے کہ غیر مسلم لوگوں کی ملازمت کرنا دین میں نقصان کا موجب ہوتا ہے

بلکہ مسلمانوں کی ملازمت سے بھی حتی الوسع پرہیز کرنی چاہیئے کیونکہ اس میں بھی ایک نقصان یہ ہے کہ اپنا اختیار دوسرے کے قبضے میں چلا جاتا ہے پس اس وجہ سے انسان حق تعالیٰ کی اطاعت میں ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔

آپ ہی کا ایک اور قول ہے کہ جب کسی آدمی کو حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو جائے تو اس کے دین و دنیا کے تمام کام آسان ہو جاتے ہیں اور خدا کی خوشنودی تو اسی میں ہے کہ ہر حالت میں اس کی اطاعت کی جائے۔

اقوالِ تصوّف

عالم فقری

باب ۳

عشقِ الٰہی

اللہ تعالیٰ کے عشق کے بغیر اللہ کا بندہ بننا ممکن نہیں، جو اللہ کو دل و جان سے عزیز تر نہ جانے گا وہ اس کی دوستی کا متحمل کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس حد تک مگن ہو جانا کہ بندہ کے دل میں سوائے اللہ کی چاہت کے اور کچھ نہ رہے، عشقِ الٰہی کہلاتا ہے عشقِ الٰہی میں عاشق کی صرف ایک ہی تمنا ہوتی ہے کہ وہ ذاتِ الٰہی کے وصل میں محو رہے اور یہ مقام اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ وہ دنیا سے بے خبر ہو جائے گا، اسے دنیا کی کسی چیز کی تمنا نہ رہے گی اور اس کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ یعنی بندے کی روح میں جب اللہ کی عبادت اور ذکر کا اثر اس حد تک راسخ ہو جاتا ہے کہ انسان لذاتِ دنیا سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ محبت اور چاہت میں اس حد تک اضافہ ہو جاتا ہے کہ ہر وقت انسان کے دل و دماغ کی توجہ کا مرکز باری تعالیٰ بن جاتا ہے جس کی بنا پر انسان دیدارِ الٰہی اور وصل کی خواہش میں حد سے زیادہ محو رہنے لگتا ہے اسے عشقِ الٰہی کہا جاتا ہے۔

عشق کی ابتدا اُنس سے ہوتی ہے۔ جب کوئی طالب اللہ کی باتیں سنتا ہے اور اللہ والوں کی محفل میں بیٹھتا ہے تو اس کے دل میں ذاتِ الٰہی تک پہنچنے اور اسے دیکھنے کا شوق جنم لیتا ہے۔ جونہی یہ شوق انتہا کو پہنچتا ہے تو وہ محبت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اللہ کی محبت کا بھی بڑا بلند مقام ہے۔ محبت دن بدن بڑھتی ہے اور دیدارِ الٰہی کی طلب فروغ پاتی جاتی ہے۔ جب وہ انتہا اختیار کر لیتی ہے تو محب اور محبوب یعنی بندے اور خدا کے درمیان جو حجابات ہیں وہ

اٹھ جاتے ہیں اور محبت آتشِ عشق کا شعلہ بن کر نمودار ہوتی ہے۔ جب محب کی روح کو عالم روحانیت میں محبوب کا وصل ہوتا ہے تو اب اظہارِ عشق بن جاتا ہے۔ جب تک محبت ظاہر نہ ہو وہ محبت کہلاتی ہے اور جب محبوب پر محبت کا اظہار ہو جاتا ہے تو عشق کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں سے عاشق کو قربِ الٰہی کی امید لگتی ہے۔ آخر عاشق ایک دن اپنے محبوبِ حقیقی کے دیدار سے سرفراز ہو کر اسی کی چوکھٹ کا دیوانہ بن کے رہ جاتا ہے۔

صوفیاء اور اولیاء کے نظریہ کے مطابق عشق تصوف کی روح ہے اور یہی وہ آگ ہے جس میں جل کر صوفی کیمیا بن جاتا ہے اور عارف باللہ کہلاتا ہے۔ عشقِ الٰہی عشقِ حقیقی کے نام سے منسوب ہے۔ عشقِ حقیقی دنیوی آلائشوں سے پاکیزہ ہے اس میں عاشق صرف دیدارِ الٰہی چاہتا ہے۔ جب اسے روحانی طور پر دیدارِ الٰہی حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اس کی روح مشاہدۂ حسنِ ازلی میں محو ہو جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو محویت کہلاتا ہے۔ پھر عاشق تادمِ آخر ایک لمحہ بھی اسے دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس سے اللہ کے عاشق کو وہ لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے جو اسے دنیا کی کسی چیز سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ اس مقام پر پہنچے ہوئے اللہ کے عاشق دنیا کی ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتے ہیں جس طرح ذاتِ الٰہی بے نیاز ہے۔ اس کے پاس سب کچھ ہے اس مقام پر اللہ اپنے عاشقوں پر اتنا مہربان ہوتا ہے کہ اللہ انھیں کہہ دیتا ہے کہ اب تم میرے ہو اور میں تمھارا ہوں اور جو کچھ میرا ہے وہ تمھارا ہے۔ جس طرح میں ابدالآباد ہوں ایسے ہی تم روحانی طور پر ابدالآباد ہو، لوگ تمھیں میرے نام کے ساتھ یعنی اللہ کا عاشق کہہ کر پکاریں گے اور اس مقام پر جس زبان سے تم بات کرو گے وہ میری ترجمان ہو گی۔ جن ہاتھوں سے تم کام کرو گے ان میں قوت میری ہو گی، جن آنکھوں سے تم جہاں دیکھو گے اس میں بصیرت میری ہو گی۔ جن کانوں سے تم سنو گے ان میں سماعت میری ہو گی۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ عاشقِ حقیقی کو اپنی رحمت کے اظہار کا مظہر بنا دیتا ہے مگر اللہ، اللہ ہی ہے اور بندہ، بندہ ہی رہے گا۔ عشق نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ — جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت آنے والا ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے (پ ۲۱، عنکبوت ۵)

اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی تمنا رکھنا دراصل شوقِ وصل ہے۔ ایک اور مقام پر بیان ہوا ہے کہ فرشتے اس کی ہر وقت تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں، ان کا ہر وقت یادِ الٰہی میں مصروف رہنا عشق اور شوق کی دلیل ہے۔

مزید ارشاد فرمایا:

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ — زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ہے اور اس کے قریبی اس کی عبادت میں تکبر نہیں کرتے اور اکتاتے نہیں۔ دن رات تسبیح بیان کرتے ہیں، رکتے نہیں (پ ۱۷، انبیاء ۱۹ تا ۲۰)

حضرت امام غزالیؒ کا کہنا ہے کہ شوق اسی شے کا ہوا کرتا ہے اور ہو سکتا ہے جو ایک لحاظ سے حاضر ہو تو ایک اعتبار سے غائب ہو۔ مثلاً معشوق کو لے لیجئے کہ خیال میں تو ظاہر ہوتا ہی ہے لیکن نظروں سے غائب بھی ہو جایا کرتا ہے اور یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں شوق ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یعنی بیقراری سے آرزو یہ ہونے لگتی ہے کہ وہ آنکھوں کے سامنے آ جائے تاکہ ادراک مکمل ہو جائے۔ گویا شوق کے معنی تلاشِ محبوب کے ہوئے۔

فرمودات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

عاشقوں کا خمیر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ روز ازل جب اعضائے انسانی کی تخلیق و تخمیر کی گئی، بنی نوع انسان میں سے گروہِ عشاق کا خمیر عشق و محبت الٰہی سے اٹھایا گیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ازل سے لے کر آج تک ان لوگوں کی زبان پر رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ہی کا کلمہ ہے۔ (اسرار الاولیاء)

عشقِ الٰہی کا مسکن حضرت ابوہریرہ رض حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محبت حق کا ایک ایسا بادشاہ ہے جو ہر دل میں جلوہ افروز نہیں ہوتا بلکہ ایسے دل میں متمکن ہوتا ہے جو اس کے شایانِ شان ہو، یہ تو نوشتۂ تقدیر ہے کہ عشقِ الٰہی دانا دل میں ہی قرار گیر ہوتا ہے۔ (اسرار الاولیاء)

عشقِ الٰہی کا تقاضا حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عشقِ خدا ایسی بساط ہے کہ جس میں کوئی ایسا شخص قدم رکھنے کی جسارت نہیں کر سکتا جس نے اٹھارہ ہزار دنیاؤں کو لات نہ ماردی ہو اور محبتِ دوست کے سوا اس کی نظر میں کوئی شے نہ جچتی ہو۔ پھر وہ اپنی محبت میں منفرد ہو گا۔ (اسرار الاولیاء)

شوقِ لقاء حضرت عطار بن سائب رض اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر رض نے ایک مرتبہ ہمارے ساتھ نماز ادا کی تو نہایت مختصر نماز پڑھی تو لوگوں نے کہا کہ آپ نے ہلکی اور مختصر نماز پڑھائی۔ جناب عمار رض نے فرمایا کوئی بات نہیں، میں نے اس دوران کئی دعائیں مانگی ہیں جن کو ہم نے نبی علیہ السلام سے سنا تھا۔ جب نبی علیہ السلام کھڑے ہوئے، تو آپ کے پیچھے ایک صاحب چلے جو میرے والد تھے۔ وہ خاموشی سے چلتے رہے لیکن بعد میں اس دعا کے متعلق معلوم کیا اور آ کر اپنی قوم کو وہ دعا بتائی (الفاظ دعا) خداوندا! میں تیرے عالم الغیب

ہونے اور مخلوق پر قدرت رکھنے کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک تیرے علم میں میرے لیے زندگی بہتر ہو، اور مجھے موت بھیج دینا جب تیرے علم میں میرے لیے موت بہتر ہو، اے اللہ! میں غیب اور شہادت میں تیرے خوف کا سوال کرتا ہوں اور غم و سرور میں تجھ سے کلمہ حق کہنے کی توفیق طلب کرتا ہوں۔ مالداری اور غربت میں تجھ سے میانہ روی اختیار کرنے کی توفیق مانگتا ہوں، تجھ سے ایسی نعمت طلب کرتا ہوں جو کبھی ختم نہ ہو اور آنکھوں کی ایسی ٹھنڈک مانگتا ہوں جو ہمیشہ رہے اور قضا کے بعد تیری رضا چاہتا ہوں اور مرنے کے بعد زندگی کی ٹھنڈک کا طالب ہوں۔ مالک و مولیٰ! میں تجھ سے تیرے دیدار کی لذت طلب کرتا ہوں تیری لقاء شوق کا ایسے انداز میں طالب ہوں کہ میں نہ تو فتنے میں پڑوں اور نہ نقصان اٹھاؤں۔ خداوندا ہمیں ایمان کی زینت سے مزین فرما اور ہمیں سیدھا چلنے والوں کا راہنما بنا۔ (نسائی)

ذوق وشوق

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تم ذوق وشوق کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہو پڑھو، اور جب سستی طاری ہو تو رک جاؤ۔ (بخاری شریف)

عشقِ الٰہی کی آگ

ارشادِ نبوی ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ کے بندے جو عشق الٰہی کی آگ میں جل چکے ہوں گے وہ اس دہشت ناک اور نہایت نازک واسطے یا راستے سے گزر رہے ہوں گے تو اس وقت المناک آگ والا دوزخ پکار اٹھے گا کہ اے مومن بندو، یہاں سے عجلت میں گزر جاؤ کیونکہ تمہارے اندر موجود نور الٰہی کے باعث میری نار (جہنم) ٹھنڈی ہوئے جا رہی ہے۔ میں کسی مومن کو جلانے کا بھلا کیا سوچ سکتا ہوں بلکہ مجھے تو اس مومن کی موجودگی میں اپنی آگ ماند پڑنے کا خدشہ ہے (معالی الہمم)

حدیث قدسی میں ہے کہ جو مجھے طلب کرتا ہے وہ مجھے پالیتا ہے اور جس نے مجھے پالیا اس نے میری معرفت حاصل کر لی اور جس نے میری معرفت حاصل کر لی اس نے مجھے دوست رکھا۔ اور جس نے مجھے دوست رکھا وہ میرے عشق میں محو ہوا اور جو میرے عشق میں محو ہوا گویا میں نے

اسے قتل کیا اور جس کو میں نے قتل کیا اس کی دیت مجھ پر ہے اور میں ہی اس کی دیت ہوں
(عین الفقر)

اقوال و حکایات

حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول

حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اہل جنت کو اپنے دیدار سے محروم کر دے، تو اہلِ جنت، بہشت میں جانے کے خلاف اسی طرح فریاد کریں جس طرح دوزخی دوزخ میں جانے سے فریاد کریں گے (یعنی دیدار و مشاہدہ کے بغیر جنت ان کے لیے کوئی کشش نہیں رکھتی ہے)
شیخ ابن عطاءؒ سے شوق کے بارے میں سوال کیا گیا کہ شوق کیا ہے؛ تو انھوں نے جواب دیا کہ شوق دل کی آگ اور جگر کی سوزش، جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا نام ہے جو قرب کے بعد جدائی سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت نصر آبادیؒ کا قول

شیخ نصر آبادیؒ کا قول ہے کہ تمام مخلوق کے لیے مقام شوق ہے مگر ہر شخص مقام اشتیاق پر فائز نہیں ہو سکتا اور جو کوئی حالِ اشتیاق میں داخل ہو گیا تو پھر وہ اس طرح بھٹکتا پھرتا ہے کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔

حضرت شیخ فارسؒ کا قول

حضرت شیخ فارسؒ فرماتے ہیں کہ مشتاق لوگوں کے دل اللہ کے نور سے منور ہوتے ہیں۔ پس جب ان میں جذبۂ شوق کی تحریک پیدا ہوتی ہے تو ان سے جو نور پھوٹتا ہے اس سے مشرق و مغرب کے درمیان جو کچھ بھی ہے جگمگا جاتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ ان اربابِ شوق کو فرشتوں کے روبرو کر کے فرماتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو میرے مشتاق ہیں۔ اے فرشتو! میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں بھی ان کا مشتاق ہوں۔

شوق اعلیٰ ہے یا محبت؟

حضرت شیخ ابن عطاء سے کسی نے سوال کیا کہ شوق اعلیٰ ہے یا محبت؟ انھوں نے جواب دیا محبت! کہ شوق تو اسی سے پیدا ہوتا ہے اور کوئی مشتاق ایسا نہیں جس پر محبت کا غلبہ نہ ہو۔ پس ثابت ہوا کہ محبت اصل ہے اور شوق اس کی فرع ہے۔

حکایت

ایک شخص نے ایک غلام خریدا، غلام نے کہا اے مالک! میری تین شرطیں ہیں (۱) جب نماز کا وقت آجائے تو مجھے اس کے ادا کرنے سے نہ روکنا۔ (۲) دن کو مجھ سے جو چاہو کام لو مگر رات کو نہیں۔ (۳) مجھے ایک ایسا کمرہ دو جس میں میرے سوا کوئی نہ آئے۔

مالک نے تینوں شرطیں منظور کرتے ہوئے کہا کہ گھر میں رہنے کے لیے کوئی کمرہ پسند کرلو غلام نے ایک خراب سا کمرہ پسند کرلیا۔ مالک بولا تونے خراب کمرہ کیوں پسند کیا؟ غلام نے جواب دیا اے مالک! یہ خراب کمرہ اللہ کے یہاں چمن ہے۔ چنانچہ وہ دن کو مالک کی خدمت کرتا اور رات کو اللہ کی عبادت میں مشغول ہوجاتا۔ ایک رات اس کا مالک وہاں سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ کمرہ منور ہے، غلام سجدہ میں ہے اور اس کے سر پر ایک نورانی قندیل معلق ہے اور وہ آہ وزاری کرتے ہوئے کہہ رہا ہے۔ یاالٰہی! تونے مجھ پر مالک کی خدمت واجب کردی ہے اگر مجھ پر یہ ذمہ داری نہ ہوتی تو میں صبح وشام تیری عبادت میں مشغول رہتا اے اللہ! میرا عذر قبول فرمالے۔ مالک ساری رات اس کی عبادت دیکھتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہوگئی، قندیل بجھ گئی اور کمرے کی چھت حسبِ سابق ہوگئی۔ وہ واپس لوٹا اور اپنی بیوی کو سارا ماجرا سنایا۔

جب دوسری رات ہوئی تو وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ گیا، وہاں دیکھا تو غلام سجدہ میں ہے اور نورانی قندیل روشن ہے۔ وہ دونوں دروازے پر کھڑے ہوگئے اور ساری رات اسے دیکھ کر روتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو انھوں نے غلام کو بلا کر کہا ہم نے تجھے اللہ کے نام پر آزاد کردیا ہے تاکہ تو فراغت سے اس کی عبادت کرسکے۔ غلام نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف

اٹھائے اور کہا ؎

یا صاحب السّرّ انّ السّرّ قد ظهرا
ولا اُرید حیوٰتی بعد ما اشتهرا

(اے صاحب راز! راز ظاہر ہوگیا۔ اب میں اس افشائے راز اور شہرت کے بعد زندگی نہیں چاہتا)

پھر کہا الٰہی! مجھے موت دے دے اور گر کر مر گیا۔ واقعی صالح، عاشق اور طالب مولیٰ لوگوں کے حالات ایسے ہی تھے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے عشق کا امتحان

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب عشقِ الٰہی کا دم بھرا تو حضرت جبریل امینؑ نے خدائے قدوس کی بارگاہ میں عرض کی کہ اگر مجھے اجازت عطا ہو تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کروں۔ فرمان ہوا، اچھی بات ہے جاؤ اور میرے بندے ابراہیمؑ کا امتحان لو۔ حضرت جبریل امینؑ کوہِ صفا پر تشریف لائے اور کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی عمارت میں تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے بلند آواز سے "یا اللہ" کہا۔ جونہی یہ آواز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سنی، خانہ کعبہ سے فوراً باہر تشریف لائے اور کہنے لگے اے خواجہ! ایک دفعہ پھر اللہ پاک کا نام اسی طرح لو۔ جبریل امینؑ نے کہا کہ اس نام پاک کے سننے کا شکرانہ ادا کرو تو پھر یہ نام لوں۔

غرضیکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے اتنے ہزار اونٹ ہیں، سب کے سب، محبوب کی رضا و محبت میں قربان کرتا ہوں۔ اب کہو۔ حضرت جبریل امینؑ نے کلمہ "یا اللہ" پھر کہا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنا مال و متاع جو کچھ پاس تھا اللہ کی راہ میں دے دیا۔ جبریل امینؑ نے پھر پوچھا اب کیا فرمائش ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا۔ ایک دفعہ پھر کہو، میرے جسم میں جان ہے وہ بھی راہِ دوست میں فدا کردوں۔ جبریل امین نے پھر "یا اللہ" کہا۔ سیدنا ابراہیمؑ

نے نعرہ مارا، بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو جبریل امینؑ نے ان کے خلوصِ عشق پر آفرین کہی اور کہا کہ ابراہیم خلیلؑ محبتِ حق میں صادق ہیں۔ جبریل امینؑ واپس اپنے مقام پر پہنچ کر بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہو کر عرض کرنے لگے الٰہی! میں نے ابراہیم خلیلؑ کو تیری محبت میں ویسا ہی پایا جیسا کہ سنا تھا۔

اللہ کے عشق کا تقاضا

حضرت ثابت البنانیؒ اور حضرت مالک بن دینارؒ ایک بار حضرت رابعہ بصریؒ کے یہاں تشریف لے گئے۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے حضرت مالک بن دینارؒ سے پوچھا کہ آپ عبادت کس لیے کرتے ہیں؟ مالکؒ نے بتایا کہ جنت کے حصول کی خاطر۔ پھر یہی سوال حضرت ثابت البنانی سے پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ دوزخ کے خوف سے وہ عبادت کرتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصریؒ نے ان جوابات پر فرمایا کہ مجھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اس کی عبادت جنت حاصل کرنے کی خاطر یا دوزخ سے بچنے کے لیے کروں۔ یہ عبادت نہ مزدور کی مزدوری کی طرح ہے اور نہ آقا کے غلام کی طرح ہے۔ یعنی مزدور صرف مزدوری حاصل کرنے کی غرض سے کام کرتا ہے اور غلام اپنے آقا کی قید میں ہونے کے حوالے سے ڈر کے تحت کام کرتا ہے۔

اس پر ان دونوں بزرگوں نے وہی عبادت کا سوال حضرت رابعہ بصریؒ سے کیا تو عابدہ رابعہؒ نے بتایا کہ اللہ کی محبت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی عبادت کسی شرط یا حصولِ مقصد کے بغیر کی جائے اس عبادت کو کسی طرح کے لالچ کی آلائش سے پاک رکھا جائے اور شوق کے مطابق اپنی عبادت میں اضافہ کیا جائے، یہی عبادتِ حق کا طریقہ ہے۔

چرواہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دن جنگل میں سے گزر رہے تھے، کہ انھوں نے ایک چرواہے کی آواز سنی۔ وہ بلند آواز سے کہہ رہا تھا اے میرے جان سے پیارے

خدا تُو کہاں ہے؟ میرے پاس آ۔ میں تیرے سر میں کنگھی کروں، جُوئیں چنوں، تیرا لباس میلا ہو گیا ہے تو اسے دھوؤں، نئے نئے کپڑے سی کر تجھے پہناؤں۔ تیرے موزے پھٹ گئے ہوں تو وہ بھی سیوں۔ تجھے تازہ تازہ دودھ پلایا کروں اور اگر تو بیمار ہو جائے تو تیرے رشتہ داروں سے بڑھ چڑھ کر تیری تیمار داری کروں، تجھے دوا پلاؤں، ہاتھ پیروں کی مالش کروں اور جب تیرے آرام کا وقت ہو تو تیرا بستر خوب جھاڑ پونچھ کر صاف کروں اگر مجھے معلوم ہو کہ تیرا گھر کہاں ہے تو بلاناغہ صبح و شام گھی اور دودھ تیرے لیے لے آیا کروں، پنیر، روغنی روٹیاں اور خوشبودار دہی کی لسی یہ سب چیزیں لاؤں۔ غرض میرا کام ہر طرح تجھے خوش رکھنا اور تیری خدمت کرنا ہو۔ میری ساری بکریاں تجھ پر قربان ہوں۔ اب تو آ جا۔ تیرے فراق میں میری بے قراری حد سے بڑھ گئی ہے۔

وہ چرواہا دنیا و مافیہا سے بے خبر ایسی ہی باتیں کر رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے قریب گئے اور کہنے لگے اے احمق! تو یہ باتیں کس سے کر رہا ہے؟ چرواہے نے جواب دیا کہ اس سے کر رہا ہوں جس نے مجھے اور تجھے پیدا کیا اور یہ زمین و آسمان بنائے۔

یہ سن کر حضرت موسیٰؑ نے غضب ناک ہو کر کہا اے بدبخت! تو اس بیہودہ بکواس سے کہیں کا نہ رہا، بجائے مومن ہونے کے کافر ہو گیا۔ خبردار! آئندہ ایسی لایعنی اور فضول بکواس منہ سے نہ نکالیو، اپنے حلق میں رُوئی ٹھونس لے۔ تیرے اس کفر کی بدبو ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اے بیوقوف! یہ دودھ، لسی اور روغنی روٹیاں ہم مخلوق کے لیے ہیں، کپڑوں کے محتاج ہم ہیں حق تعالیٰ ان حاجتوں سے بے نیاز ہے۔ اگر تو نے اپنی زبان بند نہ کی تو یاد رکھ، غیرتِ حق آتش بن کر کائنات کو جلا ڈالے گی۔ خدا ایسی خدمتوں سے بے پرواہ ہے۔ وہ نہ بیمار پڑتا ہے نہ اسے تیمارداری کی ضرورت ہے نہ اس کا کوئی رشتہ دار ہے۔ دودھ تو وہ پیئے جس کا بدن اور عمر بڑھنے والی ہو اور جو ضعف محسوس کرتا ہو اور موزے وہ پہنے جو پاؤں کا محتاج ہو۔ حق تعالیٰ ان باتوں سے بری ہے۔ توبہ کر اور اس سے ڈر۔

حضرت موسیٰؑ کے غیظ و غضب میں بھرے ہوئے یہ الفاظ سن کر چرواہے کے اوسان خطا ہو گئے۔ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا، چہرہ زرد پڑ گیا اور بولا اے خدا کے جلیل القدر نبیؑ! تو نے ایسی بات کہی کہ میرا منہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا اور مارے ندامت کے میری جان ہلاکت میں پڑ گئی۔ یہ کہتے ہی چرواہے نے آہ سرد کھینچی، اپنا گریبان تار تار کیا اور دیوانوں کی طرح سر پہ خاک اڑاتا ہوا غائب ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حق تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لیے کوہِ طور پہ گئے تو خدا نے ان سے فرمایا اے موسیٰؑ تو نے ہمارے بندے کو ہم سے جدا کیوں کیا؟ تو دنیا میں فصل (جدائی) کے لیے آیا ہے یا وصل (ملاپ) کے لیے؟ خبردار اس کام میں احتیاط رکھ اور جہاں تک تجھ سے ہو سکے فراق کی حد میں قدم مت دھر۔ ہم نے اپنی مخلوق میں سے ہر شخص کی فطرت الگ بنائی ہے۔ اور ہر فرد کو دوسروں سے جدا عقل بخشی ہے۔ جو بات ایک کے حق میں اچھی ہے وہ دوسرے کے لیے بُری ہے اور جو ایک کے حق میں تریاق کا اثر رکھتی ہے وہی دوسرے کے لیے زہر کا حکم رکھتی ہے۔ ایک کے حق میں نور، دوسرے کے حق میں نار، ایک کے لیے گلاب کا پھول، دوسرے کے لیے کانٹا۔ ہماری ذات پاکی و ناپاکی سے مبّرا ہے اور اے موسیٰؑ! یہ مخلوق ہم نے اس لیے پیدا نہیں فرمائی کہ اس سے ہماری ذات کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ اسے پیدا کرنے کا مقصود صرف یہ ہے کہ اس پر ہم اپنے کمالات کی بارش برسائیں۔ جو شخص جس زبان میں ہماری حمد و ثنا کرتا ہے اس سے ہماری ذات میں کوئی کمی بیشی واقع نہیں ہوتی بلکہ جو موتی اس کے منہ سے نکلتے ہیں ان سے مدح کرنے والا خود ہی پاک صاف ہوتا ہے۔ ہم کسی کے قول اور ظاہر پہ نگاہ نہیں کرتے، ہم تو باطن اور حال کو دیکھتے ہیں، اے موسیٰؑ! خردمندوں کے آداب اور ہیں، دل جلوں اور جان ہاروں کے آداب اور۔

حضرت موسیٰؑ نے جب خدا کا یہ عتاب آمیز خطاب سُنا تو سخت پشیمان ہوئے اور بارگاہِ الٰہی میں نہایت ندامت اور شرمساری سے عفو کی درخواست کی۔ پھر اسی اضطراب اور بے چینی

کی حالت میں اس چرواہے کو ڈھونڈنے جنگل میں گئے۔ اس کے قدموں کے نشان دیکھتے دیکھتے اس قدر چلے کہ پیروں میں چھالے پڑ گئے۔ صحرا و بیابان کی خاک چھان ماری لیکن چرواہے کا کہیں پتا نہ پایا، کہتے ہیں دیوانوں کا نقشِ پا فرزانوں کے نقشِ پا سے الگ ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تلاش جاری رکھی، یہاں تک کہ آپ اسے پالینے میں کامیاب ہو گئے۔

چرواہے نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ اے موسیٰؑ! اب مجھ سے کیا خطا ہوئی کہ یہاں بھی آن پہنچے؟ حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا کہ اے چرواہے! میں تجھے مبارکباد دینے آیا ہوں، تجھے حق تعالیٰ نے اپنا بندہ فرمایا اور اجازت عطا کی کہ جو تیرے جی میں آئے بلا تکلف کہا کر۔ تجھے کسی ادب آداب اور قاعدے ضابطے کی ضرورت نہیں۔ تیرا کفر اصلِ دین ہے۔ اور دینِ نورِ جاں۔ تجھے سب کچھ معاف ہے بلکہ تیرے صدقے میں تمام دنیا کی حفاظت ہوتی ہے۔

چرواہے نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا اے پیغمبر خدا! اب میں ان باتوں کے قابل ہی کہاں رہا ہوں جو کچھ کہوں۔ میرے دل کا تو خون ہو چکا اور اب میری منزل سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے ہے۔ جب سے اب تک ہزاروں لاکھوں برس کی راہ طے کر چکا ہوں۔ تو نے میرے اسپ تازی کو ایسی مہمیز لگائی کہ ایک ہی جست میں ہفت آسمان سے بھی آگے نکل گیا۔ میرا حال بیان کے قابل نہیں اور یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اسے بھی میرا احوال مت جان۔

اے شخص! تو جو حق تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے، کیا سمجھتا ہے کہ تیرا حال اس چرواہے سے کچھ مختلف ہے؟ نہیں نہیں، تو ہرگز اس سے بہتر نہیں ہے، تو ابتدا سے انتہا تک ناقص اور تیرا حال و قال بھی ناقص، یہ محض اس پروردگار رحمٰن و رحیم کا کرم ہے کہ وہ تیرے ناقص اور گندے تحفوں کو قبول فرماتا ہے۔

حکایت شیخ الاسلام حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ مسعود اجودھنی چشتیؒ کو ایک مرتبہ ایک ایسے دیوانہ شخص کو دیکھنے کا اتفاق ہوا جو ساٹھ سال سے جنون کی کیفیت میں گرفتار تھا اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں اس درجہ مشغول و مستغرق رہتا تھا کہ نور چمکتا تھا۔ لیکن یادِ الٰہی کے سوا چونکہ وہ تمام چیزوں سے بے نیاز تھا اس لیے اسے خود اس نور کی خبر نہ تھی۔

ایک رات کا واقعہ ہے کہ حضرت فریدالدین گنج شکرؒ نے اس شخص کو خلوت میں دیکھا کہ وہ تلاوت میں مشغول تھا اور اس سے ایک ایسا نور فروزاں تھا جس کی ضیا پاشیاں عرش سے لے کر حجابِ عظمت تک منور کیے ہوئے تھیں۔ حضرت گنج شکرؒ آگے بڑھے تاکہ اس نعمتِ عظمیٰ سے کچھ آپ کو بھی حاصل ہو جائے۔ جونہی آپ کے پاؤں کی آہٹ اس مجنوں کو سنائی دی۔ اس نے فوراً مڑ کر دیکھا اور حضرت بابا صاحب سے فرمایا "اے درویش! چونکہ تو ہمارے بھید سے واقف ہو چکا ہے۔ اب یہی بہتر ہوگا کہ تو اس راز کو فاش نہ کرے"۔

یہ کہنے کے بعد اس نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ اے پروردگار! چونکہ تو نے میرا بھید ایک شخص پر ظاہر کر دیا اور اس طرح تیرا بھید بھی ظاہر ہو گیا اس لیے اب میرے لیے یہاں اس دنیا میں رہنا گوارا نہیں۔

ابھی وہ مجنون یہ بات پوری بھی نہ کرنے پائے تھے کہ روحِ مبارک اللہ تعالیٰ نے اپنی تحویل میں لے لی۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری بلند پایہ اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ حضرت کا طریقِ عبادت اور مجاہدۂ نفس عقلِ بشری سے بالاتر تھا اس لیے اہلِ مصر آپ کی ولایت کے قائل نہ تھے۔ دربارِ خلافت میں حضرت کی شکایت کی گئی اور خلیفہ متوکل عباسی کے حکم سے حضرت کو مصر سے بغداد بلایا گیا۔ اثنائے راہ میں ایک خدا رسیدہ عورت نے حضرت کو ہدایت کی کہ ذوالنون خبردار! حکومت کے ظلم سے نہ ڈرنا، خلیفہ بھی تیری ہی طرح خدا کا ایک عاجز بندہ ہے اور بندہ سے بندہ کا ڈرنا کیا معنی۔ بندہ ہر وقت مجبور ہے وہ کچھ نہیں کر سکتا۔

جب حضرت دربارِ خلافت میں پیش کیے گئے تو خلیفہ نے حضرت کو جیل خانے بھیجنے کا حکم دیا چالیس دن حضرت قید میں رہے۔ اس دوران میں حضرت بشر حافی کی ہمشیرہ ہر روز ایک روٹی لے جاکر حضرت کی خدمت میں پیش کرتیں۔ جس دن حضرت کو قید سے رہا کیا گیا تو حضرت کے حکم سے وہ چالیس روٹیاں محافظ زنداں نے فقراء میں تقسیم کر دیں۔ جس وقت یہ خبر حضرت بشر حافیؒ کی بہن کو پہنچی کہ حضرت ذوالنون مصری نے میری دعوت کو قبول نہیں کیا تو انھیں بحد صدمہ ہوا۔ دل شکستہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، حضرت آپ کو علم ہے کہ یہ روٹیاں کسبِ حلال کی تھیں۔ خدا گواہ ہے کہ اس کے ذریعے آپ پر کوئی احسان کرنا مقصود نہ تھا۔ پھر آپ نے انھیں کیوں قبول نہیں کیا۔ حضرت نے فرمایا وہ روٹیاں بیشک حلال تھیں میں جانتا ہوں مگر وہ داروغہ جیل کے ناپاک ہاتھوں کے ذریعے آئی تھیں اس لیے میرے لیے حلال نہ تھیں۔

قید سے رہائی کے بعد دوبارہ حضرت کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو دربارِ عام میں خلیفہ نے چند سوالات حضرت سے کیے۔ حضرت نے نہایت فصاحت، جرأت و دلیری سے خلیفہ بغداد کے سوالات کا اس طرح جواب دیا کہ خلیفہ اور درباریوں پر رقت طاری ہو گئی۔ خلیفہ نے اسی وقت حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ حضرت کو واپس بھیج دیا۔ سچ ہے جسے اللہ تعالیٰ سے عشق ہو اس کی نظر میں دنیا اور دنیا کے تمام خزانے ہیچ ہیں۔

حکایت

ایک بزرگ سے روایت ہے کہ میں منیٰ سے عرفات کو جا رہا تھا کہ راستے میں میری ایک لڑکی سے ملاقات ہوئی جو ایک اونی ٹاٹ پہنے اور ایک اونی چادر اوڑھے ہوئے تھیں ان کے ہاتھ میں ایک جانماز اور ایک عصا تھا اور اس کے چہرے پر طاعت و عبادت کا نور تھا اور وہ بہت تیز چال سے چل رہی تھی اور اللہ اللہ کہتی جاتی تھیں۔ میں نے جی میں کہا کہ یہ لڑکی مدعیہ معلوم ہوتی تھیں، اپنے اللہ والی ہونے کا اظہار کرتی ہے۔ اس نے کہا جو بات تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ عورت اللہ والی ہے میں نے کہا اے لڑکی! میں بالکل تیرے ساتھ مشغول ہوں۔ اس نے کہا میں بھی تمھارے لیے

عارف ہوں لیکن میرے پیچھے مجھ سے بھی زیادہ حسین ایک عورت آ رہی ہے۔ میں نے پھر کے دیکھا، تو کوئی نہ تھا۔ اس نے فوراً چلا کر کہا اے بدعی! اے کذاب! احباب کا احباب کے ساتھ ایسا فعل تو نہیں ہوتا ہے، پہلے تو تُو نے خدام رب الارباب سے بدگمانی کی۔ اگر تو اس کے پاس سچ مچ آتا تو اسے اچھی طرح پہچان لیتا تو وہ تجھے اپنے دروازے پر کھڑا کرتا۔ ہم نے جب تجھے دور سے دیکھا تو ہم نے سمجھا کہ تم عابد ہو جب قریب ہوئے تو ہم نے جانا کہ تم عارف ہو۔ جب ہم نے بات چیت کی تو ہم نے گمان کیا کہ تم عاشق مزاج ہو، اگر اس کی عبادت کرنے والا ہوتا تو اسے چھوڑ کر غیر کی طرف مشغول نہ ہوتا۔ اگر اس کا عارف ہوتا تو اسے چھوڑ کر ہماری طرف رجوع نہ ہوتا اور اگر ہم پر عاشق ہوتا تو ہمیں چھوڑ کر غیر کی جانب رخ نہ کرتا۔ پھر جلدی سے میرے پاس سے بھاگی اور کہتی جاتی تھی کہ اللہ کے ساتھ سوائے اللہ کے کوئی نہیں ہے یہاں تک کہ میری نظر سے غائب ہو گئی۔

حکایت ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک سنیاسی حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ فقیری میں آپ کو کیا کمال حاصل ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔ جب وہ بہت مُصر ہوا تو حضرت کو جلال آ گیا اور فرمایا کہ کیا دیکھنا چاہتا ہے۔ اول تو اپنی شکل دیکھ، ایک خادم کو حکم دیا کہ اس کو آئینہ لا دو۔ اس نے جو اپنی صورت آئینے میں دیکھی تو حیران رہ گیا کہ میرا چہرہ بندر کی طرح کیسے ہو گیا؟ اس نے حضرت سے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے، حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو تیری آنکھوں سے دکھا دیا کہ جو بندروں کو پوجتے ہیں ان کی شکلیں بھی حشر کے دن بندروں جیسی ہوں گی۔ یہ کرامت دیکھ کر سنیاسی مسلمان ہو گیا اور عرض کیا کہ مجھ کو ایک ایسا کسب یاد ہے اگر آپ کو بتا دوں تو عمر بھر جس قدر چاہیں خرچ کریں آپ کا خزانہ کم نہ ہو گا اور جہاں جو چاہیں موجود ہو جائے۔ اس نے اپنی جھولی میں سے ایک ناریل نکالا اور اس میں تھوڑا سا تانبا پگھلا کر ناریل میں ڈالا اور اسے ہلایا، تانبا اسی وقت سونا بن گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت نے مسکرا کر فرمایا یہ بہت مشکل کام ہے ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی آسان طریقے عنایت فرمائے ہیں۔ تو

تھوڑا سا تانبا اور پگھلا۔ جب اس نے تانبا پگھلایا تو حضرت نے اس میں تھوک دیا۔ وہ اسی وقت سونا بن گیا۔ اس نے عرض کیا کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ یہ عشق حقیقی کی برکت ہے۔

اولیاء میں عشق کا مادہ

حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ اولیاء میں عشق کا مادہ اس لیے ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عشق کی بلا اپنے سر لے لی تھی۔ اور ظلوم و جہول کے لقب سے ملقب ہوئے تھے۔ آپ کا سر بہشت کی خاک سے تھا اس لیے آپ عشق کے حامل تھے۔ اگر آپ کی سرشت خاک بہشت سے نہ ہوتی تو عشق کا مادہ آپ اور آپ کی اولاد میں نہ ہوتا۔ یہ عشق کا جذبہ پہلے حضرت آدم علیہ السلام میں پیدا ہوا، پھر ان کی اولاد میں پیدا ہوا اور عشق الٰہی کا جو ذوق اولیاء اللہ میں پایا جاتا ہے وہ حضرت آدم علیہ السلام کے طفیل ہے۔

حکایت

ایک رات ابوالحسنؒ نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپؐ نے پوچھا اے ابوالحسن! کیا بات ہے تو پریشان کیوں نظر آتا ہے؟ عرض کی، یا رسول اللہ! میں حتی المقدور کوشش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بن سکوں مگر کامیابی نہیں ہوتی۔ آپؐ نے حکم دیا کہ تم اپنے کپڑوں کا میل دور کر دو اور ہر لحظہ پاک رہو۔ عرض کی یا رسول اللہؐ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

آپ نے فرمایا میں تمہیں پانچ خلعتیں عطا کرتا ہوں۔ خلعتِ محبت، خلعتِ معرفت، خلعتِ توحید، خلعتِ ایمان اور خلعتِ اسلام۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتا ہے اس پر ہر چیز آسان ہے اور جو اللہ کو پہچانتا ہے اس کی نظر میں تمام چیزیں معمولی اور ہیچ ہیں اور جو شخص خدا کو ایک جانتا ہے وہ کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا اور جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے وہ ہر چیز سے بے خوف ہو جاتا ہے اور جو شخص اسلام کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے وہ کبھی گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا۔ ابوالحسن شاذلی نے ان پانچ خلعتوں کو ہمیشہ پاک صاف رکھا۔ اور ان کو گرد آلود نہیں ہونے دیا آپ کے

پاس رفتہ رفتہ بہت زیادہ لوگ آنا شروع ہو گئے اور ہر کوئی آپ سے ایمان کی دولت اور خزانے لے کر جاتا تھا۔ آپ بخشش کا بے بہا خزانہ تھے۔

عشقِ حقیقی اور یادِ الٰہی

حضرت یحییٰ بن معاذؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ خلفائے راشدینؓ کے علاوہ آپ ہی کو بر سرِ منبر وعظ گوئی کی فضیلت حاصل ہوئی۔ تاریخی کتب کے حوالے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا ایک بھائی مکہ معظمہ میں مقیم تھے اور انھوں نے وہاں سے ایک خط کے ذریعے یہ تحریر کیا کہ انھیں تین چیزوں کی آرزو تھی۔ اول یہ کہ کسی متبرک مقام پر قیام کا موقع مل جائے اور دوسرا یہ کہ میری خدمت کے لیے ایک خادم بھی ہو لہٰذا میری یہ دونوں خواہشیں تو پوری ہو گئیں۔ اب میری تیسری اور آخری خواہش یہ ہے کہ مرنے سے قبل مجھے آپ سے شرفِ ملاقات مل جائے۔ آپ کے بھائی نے اپنے خط میں آپ کو لکھا کہ خدا سے دعا فرمائیں کہ میری یہ آرزو پوری ہو جائے۔ اپنے بھائی کے اس خط کے جواب میں یحییٰ بن معاذؒ نے تحریر فرمایا:

"انسان کو بذاتِ خود متبرک ہونا چاہیے تاکہ اس کی برکت سے قیام کی جگہ بھی متبرک ہو جائے دوسرے یہ کہ آپ کو تو خادم بننا چاہیے نہ کہ مخدوم۔ سوم یہ کہ اگر آپ خدا کی یاد سے غافل نہ ہوتے تو میں آپ کو ہرگز نہ یاد آتا لیکن آثار بتاتے ہیں کہ آپ کے عشقِ حقیقی اور یادِ الٰہی میں کہیں کوئی کمی ہو گئی ہے۔ جس کے باعث آپ کو اپنے عزیز رشتہ دار اور دوست احباب یاد آرہے ہیں جبکہ انسان کو یادِ الٰہی میں بھائیوں اور بیوی بچوں کو بھی فراموش کرنا پڑتا ہے کیونکہ وصالِ خداوندی کے بعد بندہ خود بخود سب کو بھول جاتا ہے اور اگر آپ خدا ہی کو نہ پا سکے تو پھر مجھ سے ملاقات کرنا بے سود ہو گا۔"

اللہ کے برگزیدہ بندوں کی پہچان ہوتی ہے کہ وہ عشقِ الٰہی میں دنیا کی تمام رنگینیوں، جملہ عزیز رشتہ دار دل خوش کن رعنائیاں تک کو بھلا دیتے ہیں، تب ہی انھیں تصوف و معرفت کی منزل ملتی ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ کا قول ہے کہ صوفیوں کے لیے تم اور جاہ دونوں چیزیں بہت

ضروری ہیں۔ اس کے دل میں اللہ کا خوف بھی ہو لیکن ساتھ ہی وہ پُر امید بھی رہے۔

حضرت خواجہ گیسو دراز کا فرمان

آپ فرماتے ہیں کہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی آفت ضرور ہوتی ہے۔ عشق میں دو آفتیں ہوتی ہیں ایک شروع میں اور دوسری آخر میں ہوتی ہے۔ شروع کی آفت تو یہ ہے کہ عاشق بہت جدوجہد کرتا ہے لیکن مطلوب کو نہیں دیکھتا یہاں تک کہ اس کا حصول بہت مشکل بلکہ محال سمجھ لیتا ہے اور پھر اس پر ایسی مکمل ناامیدی طاری ہو جاتی ہے کہ اس کے حصول سے ہی دستبردار ہو جاتا ہے اور ہجر ہی پر اپنے آپ کو راضی کر لیتا ہے۔ حرماں نصیبی اس کے ذوق کو کم کر دیتی ہے شادمانی، فرحت اور اضطراب و اضطرار سب ہی غائب ہو جاتے ہیں اور انسان بالکل فارغ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ دوسری آخر کی آفت یہ ہے کہ محبوب کا وصل نصیب ہو جاتا ہے۔ وہ فارغ ہو جاتا ہے اور دل میں کہتا ہے اب کیا کرنا ہے جو میں چاہتا تھا پا لیا۔ یہاں تک کہ لذتِ وصال اور وجدان اس سے مکمل طور پر رخصت ہو جاتا ہے اور وہ فارغ ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور یہی اس کی حرماں نصیبی ہے اگر وہ وجدان یعنی وصل و ہجر کی درمیانی کیفیت میں ہے تو دونوں جہان سے درد و درماں کا زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کرتا رہے گا اور جب آدمی درد کا خوگر ہو جاتا ہے تو وہی درد و درماں ہو جاتا ہے جو عاشق معشوق کے حاصل کر لینے کے بعد وصل سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

شیخ ابو علی دقاق

آپ کی زندگی کا زیادہ تر دور "مرو" میں گزرا۔ اسی دور کے ایک بزرگ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ مرو میں شیطان کو افسردہ حال اور سر پر خاک ڈالتے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ تو نے اپنی یہ کیا حالت زار بنا رکھی ہے وہ کون ہے جس نے تمہیں اس قدر ذلت، کرب اور مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ شیطان نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے جس خلعت کے لیے سات لاکھ سال سے طالب رہا وہ خلعت اللہ تعالیٰ نے ایک آٹا فروش کو پہنا دی ہے شیطان کا اشارہ حضرت شیخ ابو علی دقاق کی جانب تھا جن کے عشقِ الٰہی کے جذبے پر ان کے ہم عصر بھی رشک کیا کرتے تھے۔

حضرت شاہ کلیم اللہ کا قول

شاہ کلیم اللہ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ جنت و جہنم کے چکروں میں نہ پڑو، عشق کرو، عشق الٰہی میں اس قدر ڈوب جاؤ کہ تمہارے دلوں میں اس کی تڑپ پیدا ہو اور جان کے عشاق کے دلوں میں سلگی آگ سے تو جہنم کی آگ بھی پناہ مانگتی ہے۔

حضرت ذوالنونؒ کا واقعہ

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بیت المقدس کے صحرا میں چلا جا رہا تھا کہ ایک آواز میرے کان میں آئی کہ کوئی کہتا ہے اے بیحد و بے انتہا نعمتوں والے اور اے جود اور حقیقی بقا والے! میری قلبی نگاہ کو اپنے میدانِ جبروت میں جولانی دے کر نفع مند کر اور میری ہمت کو اپنے لطف سے متصل فرما۔ اور اے رؤف! اپنے جلال کے صدقہ مجھ کو متکبرین اور سرکشوں کی ساہول سے پناہ دے اور تنگی اور فراخی دونوں حالتوں میں مجھے اپنا خادم اور طالب رکھ اور اے میرے دل کو روشن کرنے والے اور اے میرے مطلوب حقیقی میرے قصد میں تو ہی میرے ساتھ رہ۔

ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ میں اس عجیب مضمون کو سن کر اس آواز کے پیچھے ہولیا، شدہ شدہ معلوم ہوا کہ وہ آواز ایک عورت کی تھی۔ جو ریاضات و مجاہدات کی آگ سے جل کر سوختہ مثلِ آتش ہو گئی تھی اور اس کے بدن پہ ایک اون کا کرتہ اور سر پہ بالوں کا دوپٹہ تھا۔ مشقت نے اسے بالکل لاغر بنا دیا تھا اور اندوہ نہانی نے فنا کر رکھا تھا اور عشق الٰہی کی آگ میں پگھلا دیا تھا۔ میں نے قریب جا کر کہا السلام علیکِ! جواب ملا وعلیکم السلام اے ذوالنون! میں نے تعجب سے کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو نے میرا نام کس طرح جانا، تو نے آج کے سوا مجھے پہلے کبھی نہیں دیکھا، کہا ذوالنون! میرے محبوب حقیقی نے اسرار کے پردے مجھ سے اٹھا دیے ہیں اور قلب سے اندھاپن کھو دیا، اس لیے مجھے تیرا نام معلوم ہو گیا۔ ذوالنون فرماتے ہیں، میں نے کہا تو اپنی مناجات پھر سنا۔ یہ سن کر اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا اے نور اور رونق والے! میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ اسے مجھ سے علیحدہ کر دے کہ جس شئے کے شر کا میں ادراک کرتی ہوں۔ کیونکہ میں اس زندگی سے

بہت متوحش ہوں۔ یہ کہہ کر ذرا سی دیر کے بعد مُردہ ہو کر گر پڑی اور میں حیران و متفکر کھڑا رہ گیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک بڑھیا آئی اور اس کے چہرہ کو دیکھ کر بولی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَکْرَمَہَا (تمام تعریف اللہ کو ہے جس نے اس کو معزز فرمایا) میں نے اس بڑھیا سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے اور تم کون ہو اور یہ کیا قصہ ہے؟ کہا مجھے زہراء دلہانہ کہتے ہیں اور یہ میری بیٹی ہے۔ بیس برس سے اس کی یہی حالت ہے، لوگ تو یہ سمجھتے تھے کہ یہ دیوانی ہو گئی ہے مگر واقعی بات یہ ہے کہ شوق الٰہی نے اس کو اس حال پر پہنچایا تھا۔ سبحان اللہ! کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

قالوا جننت بمن تھوی فقلت لہم ✲ مالذۃ العیش الا للمجانین

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ تو اپنے محبوب کے عشق میں دیوانہ ہو گیا ہے۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ زندگی کی لذت بھی دیوانوں کو ہی نصیب ہے۔ (پھر میں کیونکر ایسا دیوانہ نہ بنوں)

حکایت حضرت شیخ ابوالفتح علائی قریشی کالپوری جب سید محمد گیسو دراز کی خدمت بابرکت میں پہلی بار حاضر ہوئے تو سید صاحب نے ان سے دریافت فرمایا کہ اے طالب! اگر تو کہیں کسی پہ عاشق ہوا ہے تو بتا دے۔ انھوں نے کہا کہ میں تو عشق سیکھنے کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میں کیا جانوں عشق کیا چیز ہے۔ سید صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سوال سے تمھارا امتحان اور تمھارا مشرب معلوم کرنا مقصود ہے اس لیے تو سچ سچ بتا دے اور پردہ نہ کر۔ تب حضرت نے عرض کیا کہ ہاں ایک مرتبہ مجھے ایک غیر مسلم عورت کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا تھا لیکن اس کے دیدار کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی تھی۔ ناچار تنگ آ کر گلے میں زنار ڈال کر ایک مندر میں جا بیٹھا۔ جہاں وہ بے حجابانہ آیا کرتی تھی۔ یہ سنتے ہی سید صاحبؒ نے آپ کو بے اختیار گلے سے لگا لیا اور فرمایا کہ تو میدانِ عشق میں نہایت جری اور عالی ہمت ہے۔ ایسا عالی ہمت اور کہاں پاؤں گا کہ اس کو راہ و رسم حقیقی سکھاؤں۔ واقعی یہ کام عالی ہمتوں کا ہے لیکن عزیز! تو نے ناحق ایمان ایسی بیش قیمت چیز کو ایک عورت کی محبت میں صرف کیا اب آ کہ تجھے عشق حقیقی کی تعلیم دوں جو ایمان کا ماحصل ہے۔

حکایت حضرت قاضی حمید الدین ناگوری نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب میں بغداد سے واپس آیا، بخارا پہنچا۔ ایک بزرگ صاحب نعمت عشق الٰہی میں والہ و شیدا سے ملاقات ہوئی۔ میں نے انھیں سلام عرض کیا تو اس حالت میں پایا کہ وہ بیان نہیں کی جاسکتی۔ یادِ حق میں ایسے ڈوبے کہ اپنے جسم و جان تک سے بے خبر۔ میں کئی دن ان کی خدمت میں حاضر رہا۔ ہر بار جب سجدہ کرتے تو رو پڑتے اور یہ رباعی بڑی الحاح و زاری سے زبان پر جاری ہوتی، حتیٰ کہ بیہوش ہو جاتے جب ہوش میں آتے تو فرماتے اے اللہ ایک سجدہ بھی تیری شانِ بے پایاں کے لائق ادا نہ کرسکا

رباعی یہ ہے ؎

در خوردنِ نعمت تو دندانم سود یک سجدہ چناں نشد کہ فرمانم بود
ہم بودی و ہم باشی و ہم خواہی بود نے بودم و نے باشم و نے خواہم بود

(اے اللہ! تیری نعمتیں کھاتے کھاتے میرے دانت گھس گئے۔ ایک سجدہ بھی تیرے فرمان کے مطابق ادا نہ ہوسکا۔ تو ازل میں بھی تھا اب بھی ہے اور ابد الآباد تک رہے گا۔ میں تو نہ کبھی تھا، نہ اب ہوں نہ آئندہ کبھی ہوں گا)

ایک عاشق کی موت حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک عاشق جان دیتے وقت آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہے تھے۔ عزیزوں نے قریب ہو کر سُنا تو محبوب کی بارگاہ میں عرض کر رہے تھے اے اللہ! میں جب تک زندہ رہا تیرے نام کی یاد سے زندہ رہا اب مر رہا ہوں تو تیرے نام کی یاد کو سینے سے لگائے ہوئے ہوں اور جب قیامت کے دن اٹھوں گا تو تیرے نام کا ورد کرتے ہوئے اٹھوں گا۔ یہ فرمایا، اونچی آواز میں لفظ "اللہ" زبان سے نکلا اور وصال ہوگیا۔ حضرت بابا فرید الدینؒ نے جب یہ فرمایا تو ان کی مبارک آنکھوں میں آنسو آگئے۔ فرمایا۔ عاشقوں کا وصال ایسے ہوتا ہے پھر یہ دو بیت ارشاد فرمائے:

آئیم بسر کوئے تو پویاں پویاں تا جاں بدہم نام تو گویاں گویاں

رخسارہ زآبِ دیدہ شویاں شویاں   ہنجار وصالِ یارہ جویاں جویاں

(میں تیری گلی میں دوڑتا دوڑتا آیا ہوں تاکہ تیرے نام کی تکرار کرتے ہوئے جان دے دوں آنکھوں کے پانی (آنسوؤں) سے رخساروں کو دھوتے دھوتے وصالِ محبوب کے راستے تلاش کررہا ہوں)

اسرارِ عشق

خواجہ منصورؒ کی ہمشیرہ محترمہ کا یہ معمول تھا کہ بغداد کے صحرا میں تشریف لے جاتیں اور یادِ الٰہی میں مشغول ہوتیں۔ جب واپسی کا وقت ہوتا تو ایک فرشتے کو حکم ہوتا کہ اسرارِ الٰہی کے مشروب سے ایک پیالہ ان کی خدمت میں پیش کرے۔ موصوفہ نوش جاں فرماتیں اور اپنے دولت کدہ پر تشریف لے آتیں۔ جب اس حال سے خواجہ منصورؒ آگاہ ہوئے تو تاک میں بیٹھ گئے۔ جب وہ محترمہ باہر تشریف لائیں اور حسبِ معمول اپنے مقامِ مقصود کی طرف روانہ ہوئیں، خواجہ منصورؒ بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے مقام پر پہنچ کر عبادت میں مشغول ہوگئیں۔ رات کے آخری حصے میں ذکر و فکر سے فارغ ہوئیں تو فرشتہ حسبِ دستور آیا، اور مشروب کا پیالہ خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ موصوفہ نے لے لیا اور پینے میں مشغول ہوگئیں۔ ابھی کچھ پیا تھا اور باقی ظرف میں موجود تھا کہ خواجہ منصورؒ روتے ہوئے آئے اور عرض کیا بہن! میرا حصہ کہاں ہے؟ محترمہ نے پیچھے نظر کی اور منصور کو دیکھا تو فرمایا کہ افسوس میرا راز فاش ہوگیا۔ پھر منصور سے کہا کہ بیچئے گا۔ تجھے پینے کا حوصلہ نہیں ہے۔ الغرض خواجہ منصورؒ نے وہ مشروب پی لیا۔ جونہی کہ اس کا ایک گھونٹ منصورؒ کے اندر گیا بے اختیار "انا الحق" بول اٹھا۔ ان کی ہمشیرہ رونے لگیں اور فرمایا منصور! تو بڑا تنگ حوصلہ نکلا اور تو نے اپنے آپ کو رسوا کردیا۔ جب خواجہ منصورؒ شہر میں آئے اور یہی نعرہ لگایا تو انھیں سُولی پر چڑھا دیا گیا۔ خواجہ کی ہمشیرہ ان کی لاش پر گئیں اور فرمایا، اے منصور! میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم اسرارِ الٰہیہ کے اس مشروب کو پینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ تُو نے محبوبِ حقیقی کے اسرار کا انکشاف کیا تو مارا گیا۔ خلقِ خدا نے یہ کہنا شروع کردیا کہ منصورؒ جوانمرد تھا کہ محبوب کے راستے میں جان دے دی۔ خواجہ منصورؒ کی بہن نے جب یہ سنا تو مسکراتے ہوئے

فرمایا بے خبرو! اگر میرا بھائی منصور مرد ہوتا تو شربتِ محبت کے ایک گھونٹ سے از خود رفتہ نہ ہوجاتا۔ وہ مرد نہ تھا۔

آتشِ عشق

اللہ کا ایک عاشق ہر روز دعا و مناجات میں کہتا اے اللہ! اگر تو مجھے قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں ڈالے گا تو مجھے تیری عزت و جلال کی قسم! آتشِ عشق کی ایک آہ سینہ میں کھینچ کر دوزخ کی ساری آگ کو بھسم کر دوں گا۔ لوگوں نے پوچھا، اے خواجہ! آپ کیسی بات کر رہے ہیں آتشِ دوزخ کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے؟ فرمایا اس لیے کہ عاشق کے سینہ کی آگ کے سامنے اگر ہزاروں دوزخ کی آگیں روشن کی جائیں اس کی آہِ سینہ سے ساری کی ساری فنا ہو جائیں گی۔ کیونکہ آتشِ عشق تمام آتشوں سے بالا تر و روشن تر ہے سینۂ درویش میں اتنی تند و تیز آتشِ محبت رکھ دی گئی ہے کہ اگر عالمِ سکر میں ایک شعلہ بھی ظاہر کر دے تو عرش سے تحت الثریٰ تک جلا کر راکھ بنا دے۔

عالمِ شوق کی بات

خواجہ بایزید بسطامیؒ جب عالمِ شوق و نسبتِ حق میں مشغول ہوتے تو تین تین چار چار دن رات عالمِ سرخوشی میں بلند آواز سے یہی کہتے يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ۔ جب اس زمین کی بساط کو لپیٹ دیا جائے گا اور دوسری زمین کے فرش کو بچھا دیا جائے گا یعنی قیامت کا دن آئے گا۔

حکایت

ایک مرتبہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ نے ارشاد فرمایا کہ اے درویش! ایک دفعہ مجنوں نے سنا کہ لیلیٰ خیرات دے رہی ہے۔ فوراً اٹھا، لکڑی کا پیالہ ہاتھ میں لیا اور لیلیٰ کے دروازے پر پہنچ گیا لیلیٰ نے سب کو کچھ نہ کچھ دیا لیکن مجنوں کو کچھ نہ دیا، اٹھی اور اندر چلی گئی۔ مجنوں نے ناچنا شروع کر دیا۔ لوگ طعنہ دینے لگے کہ کیسا یہ ناچ ہے، تجھے کچھ عطا نہیں ہوا بلکہ لیلیٰ نے تو تیری طرف توجہ تک نہیں کی اور تو رقص کر رہا ہے؟ مجنوں نے جواب دیا، چلو اس نے اگر کچھ نہیں دیا تو اتنا تو کیا کہ دیکھ لیا کہ یہ مجنوں ہے۔ بس یہی کافی ہے۔

حکایت حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ نے فرمایا کہ میرے ایک دوست تھے جن کا نام بھیّا غریب تھا۔ وہ خدا کے واصلین میں سے تھے، عجیب صاحبِ درد انسان تھے، راستہ چلتے تو مستوں کی طرح دکھائی دیتے۔ یہ عارف کبھی ایک عورت کے عشق میں گرفتار ہوئے۔ معشوق کی دیوار کے نیچے بسیرا تھا۔ وہ معشوقہ سر کھڑکی سے باہر کرتی اور دونوں محوِ گفتگو ہو جاتے۔ آغازِ شب سے آخرِ شب تک راز و نیاز کا سلسلہ چلتا رہتا۔ یہاں تک کہ اذانِ صبح ہو جاتی اور وہ خیال کرتے کہ عشا کی اذان ہو رہی ہے۔ جب اچھی طرح غور کیا تو معلوم ہوا کہ فجر ہو چکی ہے۔

اسی دوران ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ اے جوان! ایک عورت کے عشق میں تو اول شب سے آخرِ شب تک بیدار رہتا ہے کبھی خداوندِ جلّ وعلا کے عشق میں ایک رات بیدار ہو کر نہ دیکھا۔ جب یہ آواز سنی۔ اس سے توبہ کی اور مشغولِ حق ہو گیا۔ حضرت شیخ الاسلام کی مبارک آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ اسرارِ الٰہیہ میں سے تھا کہ وہ عشقِ مجاز سے واپس عشقِ حقیقی میں لوٹ آیا۔ پس جو شخص اس قسم کا ذوق حاصل کر لے پھر وہ غیر سے کیسے محبت اختیار کر سکتا ہے۔

حکایت قاضی حمیدالدین ناگوریؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ قیامت کے دن حکم ہوگا کہ مجنوں کو پیش کرو۔ جب حاضر ہوگا تو فرمان ہوگا کہ ان اولیاء کو جو ہماری محبت کا دعوٰی کرتے ہیں، مجنوں کے پاس لاؤ۔ جب سب حاضر ہو جائیں گے تو وہ فرمائے گا کہ اگر محبت کا دعوٰی کرتے ہو تو تم بھی ایسا ہی کرتے جیسا مجنوں نے کیا۔ جب تک زندہ رہا لیلیٰ کی محبت میں غرق رہا۔ مرا تو اس کی محبت میں غرق ہوا اور اب جب محشر کے دن اٹھا ہے تو اسی کی محبت میں غرق ہے۔ یہ معیارِ محبت ان لوگوں کے لیے ہے جو دوستی کا دعوٰی کرتے ہیں انھیں چاہیے کہ اپنی محبت میں ثابت قدم رہیں تا کہ محبت سے ایک ذرہ بھی کم نہ ہو بلکہ روز بروز زیادتی ہوتی رہے۔

اظہارِ شوق حضرت خواجہ شمس الدینؒ نے فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ موضع بل بچیک ماری کے چند مرد اور عورتیں زیارتِ حرمین شریفین کی غرض سے میرے غریب خانے میں آئے اور انھوں نے حرمین کی زیارت کا شوق ظاہر کیا۔ ہم نے انھیں خوراک کے طور پر سولہ ٹوپلے آٹا دیا اور سمجھ لیا کہ ان کے مصائب برداشت کرنے کی وجہ محض عشق ہے۔ عشق جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے۔

اہلِ عشق اور اہلِ عقل حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا قول ہے کہ فقرا اہلِ عشق ہیں اور علماء اہلِ عقل ہیں اسی لیے ان میں تضاد ہے اس لیے ایسے گروہ سے وابستگی پیدا کر، جس میں عشق و عقل ہر دو موجود ہوں۔ یہ گروہ انبیاء کا ہے، راہِ سلوک میں عشقِ فقرا، عقلِ علماء پر غالب ہے۔

عشق کی آگ کا اثر ایک مرتبہ حضرت بابا فریدؒ نے ایک شخص کو فرمایا کہ عشق کی آگ ایسی ہے جو سوائے درویش کے دل کے اور کہیں قرار گزیں نہیں ہوتی۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی صاحبِ درد غلبۂ شوق سے ایک آواز اپنے سینے سے نکال دے کہ تمام جہاں مشرق سے لے کر مغرب تک اور جو کچھ اس کے اندر ہے سب جل کر خاکستر ہو جائے۔

اہلِ عشق کی تخلیق زادالمحبین میں لکھا ہے کہ جس دن حق تعالیٰ نے اپنے علم و قدرت سے اہلِ عشق کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو شوق و اشتیاق کی نظر سے اور انوار تجلیات و اسرار عشق کے خیال سے ایک زمین کی خاک پر نگاہ توجہ مبذول فرمائی۔ وہ خاک حرکت میں آکر عالم سکر میں چلی گئی اور بے اختیار پکار اٹھی انا المشتاق فی لقاء رب العالمین (میں رب العالمین کے دیدار کی مشتاق ہوں) پھر اہلِ عشق کو اس خاک سے پیدا فرمایا، یہی وجہ ہے کہ فقراء ابتدائے آفرینش سے بحرِ محبت و عالمِ سکر میں غرق ہیں۔

عاشق صادق کا عشق

شوق محبت کا اعلیٰ ترین جذبہ ہے اور عاشقِ صادق میں ہمیشہ یہ ذوق وشوق موجود ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت لانہایت ہے پس جب عاشق صادق کسی روحانی حالت پر فائز ہوتا ہے، تو وہ موجودہ حالت کو ناقص سمجھتے ہوئے دوسری ماورائی (آگے پیش آنے والی) حالت کو زیادہ مکمل حالت سمجھتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

حزنی لحسنك لاانتہااصد	ینتھی الیہ ولا لذا امد
حزن میرا، حُسن تیرا دونوں ہیں لا انتہا	ایک ہی منزل پہ گویا حق نے ان کو کر دیا

محبت کا یہ شوق جو دل میں پیدا ہوتا ہے وہ کسبی نہیں ہے (کوشش وتدبیر سے اس کا تعلق نہیں ہے) بلکہ ایک خدائی دین ہے جو اللہ کے خاص محبوبوں کے لیے مخصوص ہے۔

اللہ کے عاشق کی آہ وفغاں

حضرت رابعہ بصریؒ فرماتی ہیں کہ اللہ کے عاشق کی آہ وفغاں کو اس وقت تک چین نہیں ہوتا جب تک اس کی رسائی محبوب کے پاس نہ ہوجائے، لہذا آپ اکثر یہ اشعار پڑھا کرتیں جو عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

تعصی الالہ وانت تظھر حبہ	ھذا العمری فی الفعال بدیع
الفت حق کا ہے دعویٰ اس پہ نافرمانیاں	اللہ اللہ کس قدر دیکھو تو ہے حیرت کی بات
لوکان حبك صادقًا لاطعتہ	ان المحب لمن یحب مطیع
دعویٰ الفت اگر سچ تھا تو ہونا تھا مطیع	عاشق صادق تو کرتا ہے سدا طاعت کی بات

عشقِ حقیقی کا اثر

جب سیدنا یوسف علیہ السلام کی شادی زلیخا سے ہوگئی اور دینِ یعقوب علیہ السلام میں داخل ہوگئی تو اس نے ذکر الٰہی میں مشغولیت اختیار کرلی۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک دن ان کے پیچھے دوڑے اور وہ آگے سے بھاگ گئیں تب سیدنا یوسفؑ نے ان سے پوچھا کہ زلیخا ایک دن تھا جب تو میرے

پیچھے دوڑتی تھی اور میں آگے سے بھاگتا تھا آج میں تیرے پیچھے دوڑتا ہوں اور تو مجھ سے بھاگ رہی ہے اس میں کیا حکمت ہے۔ زلیخا نے کہا اے یوسف اس وقت میری خدا تعالیٰ سے آشنائی نہ تھی اس کی عبادت سے ناواقف تھی۔ تیرے بغیر میرا کوئی اور آشنا نہ تھا تیرے ساتھ میری دلچسپی تھی لیکن جب سے میں نے حق تعالیٰ کی شناخت حاصل کر لی ہے اور اس کی عبادت میں مشغولیت حاصل کر لی ہے۔ اب مجاہدہ سے مشاہدہ کی منزل مل گئی ہے اور اس کی دوستی نے میرے دل میں جگہ لے لی ہے اب اے یوسف! تو اور تجھ سے ہزاروں بہتر میری نظر میں نہیں جچتے۔ جب مجھے حق تعالیٰ سے الفت ہو گئی اس کے بعد غیر سے محبت کروں تو جھوٹی ہونگی عاشق صادق نہ ہونگی۔

انتہائے عشق کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رویت باری تعالیٰ کی درخواست کی اور مناجات میں یہ عرض کیا رب ارنی انظر الیک اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! تم ہماری بارگاہ میں بے ادبی کے مرتکب ہو رہے ہو۔ میں نے محمد پیغمبر آخر زمان صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو میرے محب ہیں ان سے اور ان کی امت سے وعدہ کیا ہے کہ ان کے سوا میرا دیدار کوئی اور نہ کر سکے گا۔ چونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام محبت و شوقِ الٰہی سے مالا مال تھے۔ بات پر دھیان نہ دیا اور تقاضا کیا۔ حکم ہوا اے موسیٰ! میں تجلی کروں گا لیکن تو تابِ دیدار نہ لا سکے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، مولا میں برداشت کر لوں گا۔ حکم ہوا موسیٰ! طور پہ آؤ۔ نیازمندانہ طریق سے نماز گزارو اور دوزانو احترام سے بیٹھو۔ تاکہ ہم جلوہ فگن ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے حسبِ فرمان عمل کیا۔ انوار تجلی کا ایک ذرہ ان پہ جلوہ افروز ہوا۔ کوہ طور ریزہ ریزہ ہو گیا۔ موسیٰ گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ تین دن رات ایسے پڑے رہے کہ جسم و جان کی ہوش تک نہ رہی۔ خرّ موسیٰ صعقاً (موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے) اس وقت ندا آئی اے موسیٰ! ہم نہ کہتے تھے کہ تم تابِ دیدار نہ لا سکو گے، ایک ذرہ تجلی سے بیہوش ہو گئے اور ہمارے بھید کو آشکار کر دیا۔ آخر زمانے میں امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں میرے

ایسے بندے پیدا ہونگے کہ ہر روز ہزار بار انوار تجلیات ان پر ضیا پاش ہونگے اور وہ ذرہ برابر حد تجاوز سے نہ گزریں گے بلکہ فریاد کریں گے کہ انا مشتاق الی الحبیب ہم تو دوست کے طلبگار ہیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دولتِ دیدار انوارِ عشق سے مشرف ہوئے تو جو نقاب روئے مبارک پر کرتے نورِ عشق کے سانس سے جل جاتا۔ چنانچہ سونے اور چاندی کے تاروں سے ایک نقاب تیار کر کے پہنا مگر وہ بھی جل کر راکھ ہو گیا۔ حکم ہوا، موسیٰ! اگر تم ایسے ہزار نقاب بھی پہنتے رہو تو بے نہ رہیں گے، جاؤ کسی گودڑی پوش فقیر سے سوت کا کپڑا مانگو اس سے برقعہ بناؤ اور چہرے پر اڑھاؤ کیونکہ یہ برقعہ نہیں جلے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور اس نقاب کا ایک تار تک نہ جلا۔ اس موقع پر حضرت قطب العالم پر رقت طاری ہو گئی، فرمایا اے درویش! فقیروں کا وجود اور جو کچھ اس کے اندر ہے سب کا سب نورِ الٰہی کے تانے بانے سے بنا گیا ہے تو وہ کیسے جل سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ درویشوں کا خمیر خاکِ عشق و انوارِ تجلی سے اٹھایا گیا۔

حضرت ابراہیم کا عشقِ الٰہی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کسی آگ میں جلنے کا قطعاً کوئی ڈر خوف نہیں تھا۔ کیونکہ جب نمرود نے انھیں آگ میں پھینکا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ سے کسی عقوبت یا ایذا کے بجائے راحت و سکون میسر آیا تھا انھیں اس آگ میں سے بھی لذتِ الٰہی نصیب ہوئی تھی، ان کی آگ میں پڑنے سے ملنے والی لذت کسی جنتی کی راحتِ فردوس سے بھی زیادہ سکون بخش تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے سچے دوست تھے۔ وہ عشقِ الٰہی میں سب کچھ بھول چکے تھے اسی لیے انھیں نمرود کی آگ اور اس کی المناک تپش اور جلن کی بھی کوئی پروا نہ تھی۔

جس عاشقِ الٰہی کا دل و جان پہلے ہی اپنے پروردگار کے عشق اور طلب میں سوختہ ہو چکا تھا اس پر بھلا آتشِ نمرود کیا اثر کر سکتی تھی۔ کسی جلے ہوئے کو آگ کیا جلائے گی۔ ایسی صورت میں تو

آگ کو خود یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ وہ خود برودت میں تبدیل ہو جائے گی. حالانکہ آگ کا وصف فعل جلانا ہے لیکن پہلے سے سوختہ لوگوں کو جلانے کے لیے آگ خود ٹھنڈی ہو جاتی ہے. حضرت ابراہیم علیہ السلام تو معرفت الٰہی اور آتشِ عشق حقیقی سے پہلے ہی آتشِ نمرود سے کہیں بڑی آگ کا مزہ چکھ چکے تھے. انھیں بھلا یہ نمرودی آگ کیا کہہ سکتی تھی. اسی آتشِ حقیقی کے باعث آتشِ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے سے معذوری کا عملی اظہار کر دیا تھا۔ اس طرح اپنی ازلی صفت کے برعکس غالب آنے کے بجائے مغلوب ہونا قبول اور پسند کر لیا تھا۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عشق حقیقی کی آگ میں جل کر ہر طرح کی آتش سے بلند و بالا ہو چکے تھے. اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم فرمایا تھا کہ یٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِيْمَ. (اے آگ! تیرا کام اور صفت اگرچہ جلانا ہے لیکن تو اب اس قدر سرد اور ٹھنڈی ہو جا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تو سلامتی بن جائے۔)

اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کے ساتھ اپنے دوست اور طالب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ کو ایذارسانی کی بجائے برودت میں بدل کر باعثِ سلامتی اور سکون بنا دیا تھا لہٰذا اس نمرودی آگ نے حضرت ابراہیمؑ کو نہ جلایا اور نہ عقوبت اور اذیت ہی پہنچائی بلکہ جلانے کے بجائے ٹھنڈک اور برودت بخشی، اور ایذا اور جلن کے بجائے سکون اور سلامتی بلکہ راحت بخشی۔

عشق کی مستی

ایک مرتبہ حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کی مجلس میں حضرت مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے عرض کیا کہ آج سیال شریف کے تمام ارادتمندوں کی یہ حالت ہے کہ ان پر عشق کے غلبے کی وجہ سے وجد کی کیفیت چھائی رہتی ہے۔ چنانچہ اسی وقت مولوی فتح محمد سکنہ سلیانہ محبت کے جذبے سے اٹھ کر وجد کرنے لگا اور عشق کی مستی میں گریہ زاری کرنے لگا۔ خواجہ شمس العارفین نے فرمایا، عشق بمنزلہ جنون کے ہے اور جنون کی کئی قسمیں ہیں اس لیے صوفیاء کے وجد کے مختلف اسباب ہیں۔

اظہارِ عشق کی ممانعت

ایک مرتبہ لوگوں نے امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ سے پوچھا کہ آپ نے کیا دیکھ کر حضرتِ حق سے محبت اختیار کی؟ فرمایا ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا کہ آئینہ محبت میرے سامنے کیا گیا۔ جب میں نے نظر کی، ایک محبوب صورت کو دیکھا، عاشق ہو گیا۔ میں رونے اور استغفار کرنے لگا۔ میں نے توبہ کی اور عرض کیا کہ یہ نعمت مجھے عطا کی جائے۔ حضرتِ حق سے کہا گیا کہ یہ نعمت ہم نے تمھیں عطا کی مگر تمھیں ہمارے راز کسی کے سامنے اظہار کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اگر ایسا کرے گا تو ہمارے اعتماد کے قابل نہ رہے گا۔

حکایت

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم خواص نے کچھ آدمیوں کو دیکھا جو ذاکر تھے اور بیٹھ کر ذکر کر رہے تھے۔ جونہی خواجہ صاحب نے اللہ تعالیٰ کا نام سنا ایسا ذوق اور درد پیدا ہوا کہ عالم محویت میں ایسی کیفیت پیدا ہوئی کہ کبھی ہوش میں آتے اور کبھی بے ہوش ہو جاتے۔ جس وقت ہوش میں آتے تو خدا کا نام زبان پر لاتے پھر بیہوش ہو جاتے۔ جب ہوش میں آئے تو تازہ وضو کر کے دوگانہ ادا کیا اور سر سجدہ میں رکھ کر یا اللہ کہا اور جاں بحق ہوئے۔ خواجہ صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

عاشق بہوائے دوست بیہوش بود | وز یادِ محبِ خویش مدہوش بود
فرط کہ بحشر خلق حیراں باشند | نام تو درونِ سینہ و گوش بود

عجیب عشق

محمد اکرم نامی ایک بزرگ تھا اس نے اپنے نفس پر مجاہدے کا بوجھ ڈالا ہوا تھا۔ چنانچہ ہر نماز کے وقت وضو کی بجائے غسل کرتا تھا اور اسی وجہ سے سردیوں کے موسم میں اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو جاتے تھے۔ ایک دن وہ غسل کر کے آ رہا تھا۔ اور سردی اور ضعیفی کے غلبے کی وجہ سے زمین پر گر پڑا۔ ایک عورت نے ہنس کر کہا یہ عجیب عشق ہے کہ سردی اور ضعیفی کی شدت کے باوجود بھی نہانے سے باز نہیں آتے۔ محمد اکرم نے کہا اے نادان عورت! میری حالت پر تمھیں کیوں تعجب ہے؟ اگر تمھیں اپنا خاوند چھوڑ دے تو کیا

نہ خوش رہو گی : اور اگر ہمارا حقیقی خداوند ہمیں چھوڑ دے تو اس میں کیا تعجب ہے۔

غلبۂ عشق

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی نے فرمایا ہے کہ جب صوفی کے وجود پر عشق غلبہ کر لیتا ہے تو اس کے سلوک کی تمام منزلیں طے ہو جاتی ہیں اور اسے کسی چیز سے لگاؤ نہیں رہتا بلکہ شیخیت کا خیال تک بھی اس کے دل سے چلا جاتا ہے۔ مولوی معظم دین صاحب مرولوی نے عرض کیا کہ جب سالک عشق کی منزل میں قدم رکھتا ہے تو وہ مذہب کی اتباع کس طرح کر سکتا ہے ؛ فرمایا عشق ایک آگ ہے جو محبوب کے علاوہ ہر چیز کو کھا جاتی ہے اس کی وجہ سے صاحب عشق پر محبوب کی طرف خود بخود راستہ ہموار ہوتا چلا جاتا ہے۔

آپ ہی کا ایک اور ارشاد ہے کہ عشق بہترین دافع خطرات اور قاضی الحاجات ہے۔ یعنی جب عاشق پر معشوق کی محبت غالب آجاتی ہے تو اسے جو حاجت اور مصیبت بھی پیش آئے وہ تنگ نہیں ہوتا بلکہ اسے دوست کی یادگار سمجھتا ہے۔

تخلیقِ عشق کا قصّہ

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر نے فرمایا ہے کہ اے درویش ! جس دن حق تعالیٰ نے عشق پیدا فرمایا۔ لاکھوں اس سے ریشے محبت کے تخلیق کیے، پھر آواز دی، سب مومنوں کی ارواح جمع ہو جائیں۔ فرشتوں کو حکم دیا کہ عشق مجسم صورت میں بصد کرشمہ و نازاں کے سامنے لایا جائے۔ وہ روحیں جو عشق و محبتِ حق کے قابل تر تھیں اور سلسلہ عشق اور ریشہ محبت کو مضبوطی سے پکڑنے کی صلاحیت رکھتی تھیں وہ پہلی دفعہ ہی دریائے عشق میں غرق ہو گئیں اور ان کا نام و نشان تک نہ رہا۔ یہ روحیں انبیاء اور اولیاء عشاق کی تھیں۔ بعض دیگر ارواح کو صرف جو دیدار میں مستغرق رہیں وہ اہل مجاز کی روحیں تھیں، لیکن جو اہل مجاز دولتِ حقیقت سے سرفراز ہوتے ہیں تو انھیں اپنی قدر کا شعور ہو جاتا ہے

اس وقت حضرتِ اقدس کی مبارک آنکھیں نمناک ہو گئیں اور یہ رباعی ارشاد فرمائی :

چنداں نازاست زعشق تو برسرمن
یا درغلطم کہ عاشقی تو برمن

یا درسرایں غلط شود آیں سرمن
یا خیمہ زند وصل تو اندر بہ من

تیرے عشق سے میرے دل میں اتنا ناز پیدا ہو گیا یا میں غلطی میں ہوں کہ تو مجھ پر عاشق ہو گیا ہے۔ یا تو یہ خیال میرے دل سے نکل جائے یا میرے پہلو میں تیرا وصل خیمہ زن ہو جائے۔

عاشقوں کے دل کا ولولہ

حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کا ارشاد ہے کہ اے درویش! عاشقوں کے دل میں جو ولولہ و رمز عشق موجود ہے اسی دل سے ہے جب یہ اس کے والہ و شیفتہ ہو گئے۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ اتنی خوبصورت نعمتیں تمہارے دل میں سکونت پذیر ہو گئی ہیں، روح جو جملہ اعضائے انسانی کی بادشاہ ہے، تخلیق کے وقت ہی دل سے چپکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں عشق ہے وہاں دل ہے۔ ان باتوں کی قدر وہی جانتا ہے جس کے دل میں اسرار و انوار و رد و ست مسکن پذیر اور عشق کے ڈیرے ہوں۔

عشق جوہر گراں بہا ہے

حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرہی کا قول ہے کہ دراصل حق جل شانہٗ کا عشق وہ جوہر گراں بہا ہے جس کی قیمت کوئی جوہری بھی لگانے سے قاصر ہے۔ یہ وہ نعمت بے بہا ہے کہ جو کسی مقرب فرشتے کو بھی عطا نہیں کی گئی بلکہ انسان کو دی گئی۔ جس کے سر پہ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (ہم نے بنی آدم کو کرامت دی) کا تاج رکھ دیا۔ جب عشق کی تخلیق کی گئی تو خلاقِ عالم نے فرمایا اے عشق! تمہارا مسکن وجائے قرار دردمند انسانوں کے دلوں میں بنا دیا ہے۔ جاؤ اور وہاں رہو۔

پھر حضرت اقدس نے وفورِ شوق میں یہ رباعی ارشاد فرمائی،

گفتم صنما مگر تو جانانِ منی   اکنوں کہ نگہ ہمی کنم جانِ منی
مرتد گردم اگر ز من بر گزری   اے جانِ جہاں تو کفر و ایمانِ منی

(میں نے عرض کیا محبوب شاید تو میرا معشوق ہی ہے۔ اب جب دیکھتا ہوں تو تو ہی میری جان نظر آتا ہے۔ اگر تو مجھ سے چلا جائے تو مرتد ہو جاؤں گا۔ گویا اے جانِ جہاں! تو میرا کفر اور ایمان ہے۔)

ارواح کا شوق سے لطف اندوز ہونا

حضرت شیخ عزاز بن مستودع کا قول ہے کہ ارواح جب شوق سے ملتفت ہوتی ہیں تو مشاہدہ کے ذریعہ ان پر ایسے کچھ کے لگنے ہیں کہ معبود کی حیثیت سے اللہ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا اور یہ کیفیت یہ بتاتی ہے کہ حادث شئے کبھی قدیم کا ادراک نہیں کر سکتی اور صفاتِ باری واصل بالحق ہونے کا ذریعہ ہوجاتی ہیں۔ پھر عاشقوں کے دل معرفت کے پردوں سے پرواز کرنے لگتے ہیں اور یہی شوق و محبت انھیں انوار انس کی منزل پر لے جاتا ہے اور قلب سلیم درس وفا دے کر ہر چہار جانب سے مزکی و مصفا کر دیتا ہے۔ داہنی طرف عطا ہوتی ہے تو بائیں جانب تمنا اور آگے جذبۂ ملاقات ہوتا ہے اور عقب میں صرف بقا رہ جاتا ہے۔

عارفوں کے کلام میں آتش عشق

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ چشمہ وحدانیت سے حاصل ہونے والا علم عظیم ہوتا ہے۔ وہ بایں ہمہ کلام الٰہی ہوتا ہے اور اس کلام الٰہی سے مانوس ہونے والوں کی محبت شدید ہوتی ہے محبت کی اس شدت میں لامحالہ تپش اور جگر سوزی بھی ہوتی ہے، یہی کلام الٰہی سے محبت اور وارفتگی ہی عارفوں کی آتشِ عشق ہوتی ہے اس آتشِ عشقِ الٰہی سے عارفوں کو راحت و تسکین میسر آتی ہے اس حالت میں عارف کا کلام وارشاد، عارف کو بھی سکون و راحت بخشتا ہے اور سننے والوں پر بھی بجا طور پر اپنا اثر کرتا ہے۔ عارفوں کا کلام سامعین کی روح و قلب کو سکون و انبساط بخشتا ہے۔ اس لیے عارفوں کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے معتقدین کے ساتھ اسی معیار اور سطح کا کلام فرمائیں کہ جس کے وہ متحمل ہو سکیں۔ چونکہ عارف کے کلام میں بہت زیادہ قوتِ اثر ہوتی ہے اس لیے عارف کو چاہیئے کہ وہ اپنے سامعین کے ظرف و طلب کے مطابق کلام کرے، معرفت کی دقیق باتیں اور اسرار لوگوں کی ہمت اور استطاعت کے مطابق ان پر بیان کرے۔ عارف کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر وہ کلام کرے تو زبانِ حال، اور

لوگوں کی مضاحت کے مطابق بات کرے لیکن احتیاط و حزم کو اپنے ہر جملے اور پورے کلام میں ملحوظ رکھے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رح کا قول

ایک مرتبہ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کی مجلس میں مولوی فخرالدین لاہوری نے عرض کیا کہ فاسد خیالات کی وجہ سے نماز اوراد و اذکار میں حضور قلب کا سرور حاصل نہیں ہوتا۔

فرمایا سالک کو چاہیئے کہ اپنے اوراد کے قبول ہونے کے متعلق نہ سوچے، اگرچہ سلوک کا دارومدار جذبۂ قلبی پر ہے لیکن کسی طرح بھی وظیفہ ترک نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ عاشق کو معشوق کے راستے میں جان تک بھی قربان کرنی پڑتی ہے۔

آپ ہی کا ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ عشق اور کستوری کو جس قدر چھپایا جائے آخر کار وہ خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں اور حسن بھی اسی زمرے میں آتا ہے اسے جتنا پردوں میں چھپایا جائے پھر بھی ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔

عشقِ الٰہی کی ابتدا کیسے ہوگی

حضرت سلطان العارفین نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ کو پانے کے لیے راہِ محبت میں قدم رکھے اور ریاضت و مشقت اپنے اوپر گوارا کرے تو اسے چاہیئے کہ بارہ سال شریعت میں اس طرح محنت اٹھائے کہ ہمیشہ قائم اللیل اور صائم الدہر رہے اور بارہ برس تک طریقت میں ریاضت کرے کہ ماسوی اللہ کو طلاق دے دے اور بارہ برس حقیقت میں ریاضت کرے کہ بجز حق تعالیٰ کے اور کسی کی طلب نہ رہے اور بارہ برس معرفت میں مرتاض رہے اور اس میں محو ہو جائے۔ اس کے بعد عشق و محبت میں آنکھیں کھولے۔

پھر فرمایا ہے کہ تعبیر فنا فی اللہ عشق الٰہی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ گیارہ چیز دل کو ترک نہ کرے۔ اول اکسیر، دوم تکبیر، سوم علوم، چہارم ذکر، پنجم فکر، ششم امید بہشت ہفتم بیم دوزخ، ہشتم طلبِ دنیا د زر و مال وغیرہ، نہم رجوعاتِ خلق، دہم ناموس، یازدہم

مجلس اہلِ دنیا۔
تاوقتیکہ فقیر ان تمام چیزوں کو ترک نہ کرے راہِ سیانی اسے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ دنیا فانی ہے اور ان تمام چیزوں کا تعلق اس سے ہے۔

راہِ عشق

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ سمرقند میں ایک درویش کو دیکھا جو عالم تحیر میں تھا۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کب سے یہ بزرگ عالم تحیر میں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ بیس سال سے۔ الغرض میں کچھ مدت ان کی خدمت میں رہا۔ ایک دفعہ اسے عالم صحو میں پا کر اس سے پوچھا کہ جس وقت آپ عالم تحیر میں ہوتے ہیں تو کیا تمھیں آمد و رفت کی خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ درویش نے کہا کہ اے یارو! جس وقت درویش دریائے محبت میں غرق ہوتا ہے تو جو کچھ تجلیات کے اسرار اس پر نازل ہوتے ہیں اسے اٹھارہ ہزار عالم کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ پس یہ عشق بازی کی راہ ہے جس نے اس میں قدم رکھا وہ جان سلامت نہ لے گیا۔

حکایت

حضرت احمد معشوق کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ جاڑے کے موسم میں چلنے کی رات نصف شب کے قریب جب باہر نکلے تو پانی میں چلے گئے اور دل میں ٹھان لی کہ جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں، ہرگز پانی سے باہر نہیں نکلوں گا آواز آئی کہ تو وہ شخص ہے جس کی شفاعت سے قیامت کے دن بہت سے آدمی بخشے جائیں گے۔ لیکن حضرت شیخ احمد نے کہا کہ میں یہ بات پسند کرتا۔ مجھے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ میں کون ہوں؟ اس پر عالم غیب سے پھر آواز آئی، میں نے حکم کیا ہے کہ تمام درویش اور عارف میرے عاشق ہوں اور تو میرا معشوق ہو۔ پھر خواجہ صاحب وہاں سے باہر نکلے جو شخص آپ کو ملتا السلام علیکم احمد معشوق کہتا۔

عشق مجازی سے توبہ کا اثر

نقل ہے کہ ایک شاہی بھنگی تھا وہ پاخانہ صاف کرنے کے لیے محل میں گیا تو اتفاقاً اس کی نظر شہزادی پر

پڑ گئی اور وہ اس پہ عاشق ہو گیا مگر اپنے کمینہ پن اور اس کے علو مرتبہ کو دیکھ کر کہ یہ وصل تو ناممکن ہے ناامید تھا۔ مرضِ عشق نے جب غلبہ کیا تو وہ بہت بیمار ہو گیا اور بجائے بھنگی کے اس بھنگی کی عورت پاخانہ صاف کرنے لگی۔ کششِ دل کا اثر مشہور ہے۔ شہزادی کے دل میں بھی اس کے عشق کا اثر ہوا، کچھ عرصہ کے بعد اس بھنگی کی عورت سے شہزادی کہنے لگی کہ اب تیرا خاوند کیوں نہیں آتا؛ اس نے کہا وہ بیمار ہے، شہزادی نے کہا ہم شاہی طبیب اس کے معالجے کے واسطے بھیج دیں۔ اس کو کیا بیماری ہے۔ اس پر جب شہزادی نے بہت اصرار کیا اور بھنگن کو سخت دھمکی دی کہ بتا اس کو کیا بیماری ہے؟ تو ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ حضور اگر جان کی امان ملے تو عرض کروں۔ شہزادی نے امان دی تو اس نے کہا حضور اصل بات یہ ہے کہ بیماری تو اسے کچھ نہیں، وہ حضور کو دیکھ کر آپ کا عاشق ہو گیا ہے۔ اب جو دیدار ممکن نہیں اس غم سے لاچار ہو کر قریب المرگ ہو گیا، شہزادی نے کہا یہ اختیاری بات نہیں، اگر میرے دیکھنے سے اس کی جان بچ جائے تو میرا کوئی نقصان نہیں مگر مجبوری یہ ہے کہ میرا مرتبہ مجھے اس کے سامنے آنے سے مانع ہے کیونکہ باعثِ بدنامی ہے۔ میں ایک ترکیب بتاتی ہوں اگر وہ اس پر عمل کرے تو شاید مجھے دیکھ سکے۔ اور اس کی جان بچ جائے، وہ یہ ہے کہ وہ فقیرانہ شکل بنا کر دریا کے کنارے پر بیٹھ جائے اور تو رات کو اسے روٹی وغیرہ کھلا دیا کر۔ وہ تمام دن اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے یعنی اللہ اللہ کرتا رہے۔ اور کسی طرح کا خیال دل میں نہ رکھے۔ اگر کوئی اس کو نقدی یا کھانے کی کوئی چیز نذر دے تو اس کی طرف مطلق توجہ نہ کرے اور اگر کوئی اٹھا کر لے جائے تو اس کو منع نہ کرے۔ چند روز میں جب اس کی شہرت ہو جائے گی تو امیر وزیر وغیرہ سب اس کی زیارت کو جائیں گے، پھر بادشاہ بھی جائے گا۔ پھر میں بھی بادشاہ سے اجازت لے کر اس کے پاس چلی جاؤں گی۔ اور اسے ملنے اور بات چیت کرنے کا خوب موقع مل جائے گا۔ چنانچہ جب اس کی عورت نے یہ بات اس بھنگی کو سنائی تو اس نے بخوشی قبول کیا اور اسی وقت وہاں سے کنارہ دریا پر جا بیٹھا اور نامِ خدا میں مشغول ہو گیا اور پھر ایسی حالت بنائی کہ اگر کوئی نذر پیش کرتا تو اس کی طرف توجہ نہ کرتا اور جو کوئی رکھ جاتا اور دوسرا

اٹھا لے جاتا تو اسے منع نہ کرتا۔ رفتہ رفتہ تمام شہر میں اس کی شہرت ہوگئی، لوگ اس کے پاس آنے لگے اور نذریں وغیرہ بھی لانے لگے مگر اس نے کسی کی طرف دھیان نہ کیا اور اللہ اللہ کرتا رہا۔ ہوتے ہوتے بادشاہ کو بھی خبر ہوئی۔ بادشاہ نے اپنے وزیر کو اس کا حال دریافت کرنے کے لیے روانہ کیا کہ کیا واقعی وہ سچا اور دنیا سے بے تعلق فقیر ہے۔ چنانچہ وزیر نے جاکر نذر پیش کی اس نے کچھ توجہ نہ کی، نہ اس کی طرف دیکھا، وزیر نے یہ حال بادشاہ کو سنایا کہ واقعی اس کا ایسا ہی حال ہے، کہ دنیا کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ اگلے روز خود بادشاہ بھی گیا اور اس کو ویسا ہی پایا۔ رات کو شہزادی نے پوچھا کہ سنا ہے آج آپ کسی فقیر کے پاس تشریف لے گئے تھے اس کو کیسا پایا؛ بادشاہ نے کہا کہ وہ فقیر بہت ہی سچا اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہے۔ شہزادی نے عرض کیا کہ میں بھی اس کی زیارت کروں؛ بادشاہ نے اجازت دی کہ تم کو اختیار ہے جب چاہو چلی جاؤ۔ ایسے شخص کی زیارت ضرور کرنی چاہیئے۔ شہزادی نے اس کی عورت یعنی بھنگن کو کہا کہ اس سے کہہ دینا کہ میں صبح کو آؤں گی اب تیرا کام ہوگیا اور دلی مراد بر آئی۔ اس بھنگن نے جاکر اسے خبر کی، اس نے دل میں سوچا کہ میں نے آج تک یہ کام محض جھوٹ موٹ ایک نفسانی غرض کے لیے کیا تھا جس کے نام میں اس قدر تاثیر ہے کہ میرے جیسے ناچیز اور حقیر کے پاس بڑے سے بڑے اعلیٰ مرتبہ والے بادشاہ کو بھیج دیا تو اگر میں سچے دل سے اس کا نام لوں پھر معلوم نہیں کہ اس سے بھی زیادہ اور کیا کیا نعمتیں ملیں۔ اس خیال کے آتے ہی وہ زار زار رونے لگا اور اپنے پہلے ارادے سے نہایت عاجزی کے ساتھ توبہ کرکے اس نے دعا کی کہ خداوندا مجھے اپنا دیدار دکھا دے۔ جب تیرے نام میں اتنا اثر ہے تو پھر آپ تو خبر نہیں کتنا خوبصورت ہوگا۔ اور جب میں نے جھوٹ موٹ مکر کے لیے تیرا نام لیا اور تو نے اتنے بڑے بادشاہ کو میرے پاس بھیج کر میری عزت کرا دی تو اب جبکہ میں سچے دل سے تجھے پکارتا ہوں تو ایسا رحیم و کریم ہے کہ تو خود بھی ضرور ہی میرے پاس آجائے گا اور مجھے اپنا دیدار دکھا دے گا اسی طرح تمام رات روتا رہا، جب پچھلی رات ہوئی تو عجز و زاری اس کی بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوگئی اور فرش سے عرش تک اس کو انکشاف ہوگیا اور بہشت کی حوریں اس کو دکھائی دینے لگیں، صبح کو

شہزادی اس کے پاس گئی مگر وہ مطلق اس کی طرف متوجہ نہ ہوا اور حورانِ بہشت اس کی طرف نظر اٹھا کر زیارت کر رہی تھیں اور تجلیات ذات الٰہی اس پہ وارد ہو رہی تھیں اور مشاہدۂ جمالِ الٰہی میں مستغرق ہو رہا تھا۔ باندیوں نے کہا کہ یہ شہزادی بیٹھی ہے اس کے ساتھ کچھ بات چیت کرلو۔ اس نے بڑی دیر کے بعد جواب دیا کہ اب مجھے شہزادی کی کچھ پروا نہیں، شہزادی سے ہزار ہا درجہ بڑھ کر حسین و جمیل حوریں اس وقت میرے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ شہزادی نے یہ سن کر ایک طمانچہ اس کے منہ پر مارا اور کہا بیوفا تیری مرشد تو میں ہی ہوں۔ تُو آپ تو حوروں اور بہشتوں کے تماشے میں مشغول ہو گیا اور وہاں تک چلا گیا اور میں یہیں رہی۔ مجھے بھی تو اپنے ساتھ یہ تماشے دکھلا۔

پیارے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری دعائیں

مُرتبہ

عالم فقری

باب ۴

یقین

یقین اجزائے ولایت میں سے ایک اہم جزو ہے جس پر حصولِ ولایت کے اعمال کا دار ومدار ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پر یقین کامل اور پختہ ہوگا تو قربِ الٰہی بہت جلد حاصل ہوگا اور روحانیت کی منازل طے کرنے میں آسانی ہوگی۔ اس لیے جو شخص ولایت کا طالب ہو اسے چاہیئے کہ ابتدا ہی سے ریاضت و عبادت میں یقین کے ساتھ قدم رکھے تاکہ مقصد پانے میں کامیابی حاصل ہو۔ اس لیے یقین اولیائے کاملین کے اوصاف میں سے ہے اولیائے سلف کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین بڑا محکم تھا اور اسی یقین کی بنا پر بارگاہِ رب العزت میں انھیں مقام شرف حاصل ہوا اور دین و دنیا میں سربلندی ملی۔

یقین کلیدِ ایمان ہے، یقین روحِ اسلام ہے، یقین نورِ عرفان ہے، یقین قبائے انسان ہے، یقین تاجِ ولایت ہے، یقین متاعِ فقر ہے، یقین صدائے عشق ہے۔ یقین کمال صوف ہے، یقین نکتہ عقل ہے، یقین روشن ضمیری ہے، یقین چراغِ زندگی ہے، یقین فروغِ بندگی ہے غرضیکہ یقین وہ خزانہ ہے کہ ہو تو بیڑا پار ہے۔ یقین سے مراد کسی چیز کو سمجھ کر دل و دماغ سے مان لینا ہے۔ قرآن مجید میں یقین کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے، کہیں اہلِ یقین کی تعریف کی گئی ہے اور کہیں یقینِ محکم کی تلقین کی گئی ہے۔

وضاحتِ یقین

یقین قائم کرنے کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ — آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، کا رب ہے، بشرطیکہ تمھیں اس کا یقین کرلینا چاہیئے۔ (پ ۲۵، دخان ۷)

اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا اور جو کچھ ان میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق ہے اس کا مالک اور خالق ہے اور پھر ان کا رب یعنی روزی مہیا کرنے والا ہے۔ اس بات پر دل سے یقین کرلینا ایمان میں داخل ہے۔ اگر کسی کے دل میں اللہ کی ربوبیت پر بے یقینی ہوگی تو اس کا ایمان کامل نہ ہوگا اس لیے تلقین کی گئی ہے کہ اللہ کو رب تسلیم کرنے پر دل سے یقین رکھو۔

اہلِ یقین کے لیے نشانی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ — خود تمھاری پیدائش اور جانوروں کے پھیلانے میں یقین رکھنے والی قوم کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (پ ۲۵، جاثیہ ۴)

انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے، روئے زمین کے تمام جانور اس کے پیدا کردہ ہیں تو ان کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کو بڑا دخل ہے تو اس پر یقین کرنے سے انسان کے علم میں اضافے کا باعث ہوگا۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور انداز میں یوں بیان کیا ہے۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ — اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ (پ ۲۶، ذاریات ۲۰)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے،

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ — کیا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے

بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ٥ نہیں بلکہ یہ یقین نہیں رکھتے۔ (پ ۲۷، طور ۳۶)

دیدار الٰہی کا یقین

اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے کے یقین کے بارے میں ارشاد ہے:۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ٥

اللہ وہ ہے جس نے ستون کے بغیر آسمانوں کو بلند کر رکھا ہے جسے تم دیکھتے ہو اور پھر عرش پر جلوہ افروز ہو گیا۔ سورج اور چاند کو مسخر کر دیا۔ ہر ایک مقررہ مدت تک جاری رہے گا دنیا کے کاموں کا انتظام کرتا ہے اس طرح وہ اپنی آیتیں تفصیل سے بیان کرتا ہے تاکہ تم اللہ سے ملاقات پر یقین رکھو۔ (پ ۱۳، رعد ۲)

موت کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی کیفیات انسانی سوچ سے پوشیدہ ہیں ان پر یقین رکھنے کی تلقین کی گئی ہے اور یہ توحید کا ایک جزو ہے اس پر ایمان رکھنے ہی سے توحید کامل ہوتی ہے۔

قیامت پر یقین

قیامت کے آنے کو بالکل سچ اور حقیقت ماننا بھی مومنین کے ایمان کا ایک لازمی جزو ہے۔ اس پر یقین رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ ٥

اور جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت کے آنے میں کچھ شک نہیں تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے، سوائے ظن کے اور کچھ خیال نہیں کرتے اور ہم یقین نہیں کرتے (پ ۲۵، جاثیہ ۳۲)

مزید ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۔ وہ جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (پ ۱۹، نمل ۳)

ایک اور مقام پر فرمایا ہے کہ:

کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ۔ ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جانتے (تکاثر)

یعنی اگر تم قیامت کے احوال و واقعات کو یقینی طور پر جانتے۔ مگر تم کو تو مال کی کثرت اور ایک دوسرے پر تفاخر نے اس بات سے غافل کر دیا ہے اگر تم یہ بات جان لیتے تو تم وہ کام کرتے جو تمھارے لیے فائدہ مند ہوتے اور ان کاموں سے بچتے جو تمھارے لیے مضر ہیں لہذا فرمایا گیا اگر تم صحیح معنوں میں علم یقین حاصل کر لیتے جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے تمھیں سمجھایا کہ مال اور اپنے قابل فخر کارناموں کا شمار تمھیں قیامت میں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ تم نے جو مال کی کثرت و تعداد پر فخر کیا ہے اس کی بدولت تم ضرور نارِ جہنم کو دیکھو گے۔ چنانچہ خالقِ کائنات نے قسم کھائی کہ تم ضرور اپنی ان آنکھوں سے اپنے روبرو جہنم اور اس کی شدت کو دیکھو گے۔

ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ ۔ پھر تم اسے ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھو گے۔

یعنی جہنم کا اس طریقے سے مشاہدہ کرو گے جسے عین الیقین کہا جاتا ہے اور جس کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

احادیثِ یقین

یقین اختیار کرنے کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مندرجہ ذیل ہیں:۔

یقین کیا ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم حضرت ابراہیمؑ سے زیادہ شک کے حقدار ہیں کہ انھوں نے کہا تھا رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ۔ اور اللہ تعالیٰ حضرت لوطؑ پر رحم کرے کہ وہ زور آور پناہ تلاش کرتے تھے۔ اور اگر میں اتنے دن قید میں رہتا جتنے یوسف رہے تو جیب بلانے والا آتا تو میں فوراً چل پڑتا۔ (ابن ماجہ)

اللہ پر یقین رکھنا

حضرت جابر رضؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کو اللہ پر پورا یقین رکھتے ہوئے مرنا چاہیئے۔ (ابن ماجہ)

یقین کا تعلق ضمیر سے ہے

حضرت والصہ بن معبد رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے والصہ! تم نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھتے ہو۔ میں عرض گزار ہوا ہاں! راوی کا بیان ہے کہ آپ نے انگشت مبارک جمع فرمائیں اور انھیں میرے سینے پر مارتے ہوئے تین دفعہ فرمایا اپنے ضمیر سے پوچھو۔ نیکی وہ ہے جس سے جان و دل کو اطمینان پہنچے اور گناہ وہ ہے جو ضمیر کو کھٹکے اور سینے میں تردد پیدا کرے خواہ لوگ تمھیں کچھ فتویٰ دیں۔ (احمد، دارمی)

یقین کیسے حاصل ہوتا ہے

حضرت حسن بن علی رضؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو یاد رکھا ہے کہ جو بات تمھیں شک میں ڈالتی ہے اسے چھوڑ کر اس بات کی طرف ہو جا جو تجھے شک میں نہیں ڈالتی کیونکہ سچائی میں اطمینان اور جھوٹ میں شک ہے (ترمذی، نسائی)

ایمان کا تعلق یقین سے ہے

حضرت ابوامامہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے دریافت کیا کہ ایمان کیا ہے سرکارؐ نے فرمایا جب تیری نیکی تجھے مسرور کرے اور برائی غمگین کرے تب تو کامل الایمان ہے۔ سائل نے دوسرا سوال کیا کہ گناہ کیا ہے؟ فرمایا جب تیرے دل میں کسی بات کی وجہ سے تردد آئے تو اس کو ترک کر دے۔ (احمد)

یقین کا اجر

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اس موقع پر جناب بلالؓ اذان کے لیے کھڑے ہوئے جب بلالؓ خاموش ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے یقین کے ساتھ ایسا کہا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (نسائی)

حضرت عیسٰیؑ کا طرزِ عمل

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسٰی بن مریمؑ نے ایک آدمی کو چوری کرتے ہوئے دیکھا تو آپؑ نے اس سے فرمایا تم نے چوری کی ہے؟ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضرت عیسٰیؑ نے فرمایا کہ میں اللہ پر یقین رکھتا ہوں اور اپنے نفس کو جھٹلاتا ہوں۔ (مسلم)

راحت اور خوشی یقین میں ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کو ناراض کر کے کسی کو راضی نہ کرو اور اللہ کی مہربانیوں پر کسی اور کی تعریف نہ کرو اور نہ ان چیزوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ نے تمھیں نہیں دیں، کسی کی مذمت کرو کیونکہ حریص کا حرص اللہ کے رزق کو تمھارے پاس نہیں لا سکتا اور نہ کسی شخص کے ناپسند کرنے سے وہ رزق تم سے روک دیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے راحت اور خوشی رضا اور یقین میں رکھی ہے اور وہم اور شک ناراضگی میں رکھا ہے (رسالہ قیشریہ)

اوّلین نیکی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس امت کی اوّلین نیکی زہد اور یقین کامل ہے اور اس کی ہلاکت کا سبب بخل اور جھوٹی امیدیں

ہیں۔ (مکاشفۃ القلوب)

اللہ کی طرف دھیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے لڑکے یا او بچے! کیا میں تمھیں ایسے کلمات نہ سکھاؤں جن سے اللہ تعالیٰ تمھیں نفع بخشیں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیے۔ فرمایا تو اللہ کا دھیان رکھ وہ تیرا دھیان رکھے گا تو اس کی طرف متوجہ رہ تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ خوشحالی کے ایام میں اس کے ساتھ جان پہچان پیدا کر وہ تنگ حالی میں تجھے پہچانے گا۔ جب بھی مانگنا ہو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ جب بھی مدد چاہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو۔ جو کچھ ہونے والا ہے تقدیر کا قلم لکھ کر خشک ہو چکا۔ اگر تمام مخلوق مل کر یہ چاہے کہ تجھے کوئی نفع پہنچائے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے مقدر میں نہیں رکھا تو وہ ایسا نہیں کر سکتے اور اگر سبھی مل کر تجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہیں جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے نہیں رکھا تو وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ پورے یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرتے رہو اور شکر کرتے رہو اور یہ بھی جان لو کہ ناگوار بات پہ صبر کرنے میں بہت ہی خیر ہے اور صبر میں اللہ تعالیٰ کی نصرت ملتی ہے اور عافیت تکالیف کے ساتھ اور آسانیاں تنگیوں کے ساتھ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل ملنا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ معصیت کے باوجود اس کی مرغوب اور محبوب چیزیں اللہ تعالیٰ اسے دے رہے ہیں تو یقین پیدا کر لو کہ یہ ڈھیل ہے جو اسے مل رہی ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :-

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ — پھر جب انھوں نے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی بالکل فراموش ہی کر دیا تو ہم نے ان پہ

شَیْءٍ حَتّٰٓی اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝	ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر جو ان کو دی گئی تھیں خوب خوش اور مگن ہو گئے تو ہم نے ان کو بے خبر اچانک پکڑ لیا پھر وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔

(پ ۷، ع ۵)

یعنی ابتدا میں تھوڑی سی تنبیہ کی گئی، جب باز نہ آئے تو بھلا وا دے کر سامانِ عیش کی فراوانی کر دی گئی۔ پھر جب خوب گناہوں میں غرق ہو گئے تو اچانک اور دفعۃً پکڑے گئے اور عذاب میں مبتلا کر دیے گئے۔

حقیقتِ یقین

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ امورِ غیبیہ کے مشاہدہ میں شک کا رفع ہو جانا یقین کہلاتا ہے۔

حضرت ابو عثمان حیریؒ فرماتے ہیں کہ یقین یہ ہے کہ تو آئندہ کے لیے کوئی اہتمام نہ کرے۔

حضرت ابو بکر وراقؒ فرماتے ہیں کہ یقین تین طرح کا ہوتا ہے۔ خبروں کا یقین، اور دلیلوں کا یقین اور مشاہدہ کا یقین۔

حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ جو دل غیر اللہ سے سکون حاصل کرے وہ کبھی بھی یقین کی بُو نہیں سونگھ سکتا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ یقین دل کے اندر ایک ایسا پختہ علم ہے جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

حضرت ابو عبداللہ بن خفیفؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کے دل میں ان تمام باتوں کا پختہ

ہونا کہ جن مغیبات کی انبیاء علیہم السلام نے خبر دی، سچ ہیں، یہی یقین ہے۔
حضرت سہل بن عبداللہ رح فرماتے ہیں کہ یقین ایمان کی زیادتی اور تحقیق کا سبب بنتا ہے
نیز فرماتے ہیں کہ یقین کا ایک جزو ہے اور تصدیق سے کم درجہ کا ہوتا ہے۔
حضرت ابو عبداللہ انطاکی رح کا ارشاد ہے کہ کم سے کم یقین بھی جب دل میں داخل ہو
جائے تو دل کو نور سے بھر دیتا ہے اور دل سے ہر قسم کے شک دور کر دیتا ہے جس کی وجہ
سے دل شکر اور اللہ کے خوف سے پُر ہو جاتا ہے۔
کسی صوفی کا قول ہے یقین کسی امر کے کھل جانے (مکاشفہ) کا نام ہے اور مکاشفہ
تین قسم کا ہوتا ہے، پہلا مکاشفہ بالاخبار ہے، دوسرا مکاشفہ قدرتِ خداوندی کو ظاہر
کرنا ہے اور تیسرا یہ کہ دل پر حقائق ایمان کا مکاشفہ ہو جائے۔
حضرت سہل رح فرماتے ہیں کہ یقین کی ابتدا مکاشفہ سے ہوتی ہے اسی لیے سلف میں
سے کسی کا قول ہے کہ اگر پردہ اُٹھ بھی جائے تب بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔
اس کے بعد معائنہ کا درجہ ہے پھر مشاہدہ کا۔
حضرت جنید رح فرماتے ہیں کہ یقین کی بدولت کچھ لوگ پانی پر چل سکتے ہیں (مگر ایسا بھی
ہوا ہے کہ) وہ لوگ جو ان سے یقین کے اعتبار سے اعلیٰ و افضل تھے، پیاسے مر گئے۔
حضرت امام ابوبکر بن فورک رح فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عثمان مغربی سے سوال کیا کہ یہ جو
آپ فرماتے ہیں کہ مجھے لوگوں نے یوں یوں کہا، کیا آپ انھیں اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں یا
مکاشفہ سے؛ انھوں نے فرمایا کہ مکاشفہ سے۔
حضرت سری سقطی رح سے کسی نے یقین کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ جب بہت سی واردات
تمھارے سینہ میں موجزن ہوں اور پھر بھی تم مطمئن رہو تو یہی یقین ہے کہ تمھارا ان میں حرکت
کرنا کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اور نہ یہ اللہ کی قضا کو رد کر سکتا ہے۔
حضرت حسن بصری رح فرماتے ہیں کہ ایک کرامت وہ ایمان ہے جس سے یقین اُبھرے

دوسری کرامت وہ عمل ہے جو بارآور ہو۔ جسے یہ دونوں کرامات نصیب ہوئیں اگر وہ پھر کسی اور کرامت کا طالب ہوا، وہ شخص یا تو فریبی اور جھوٹا ہے یا وہ علم وعمل میں غلط کار ہے

حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ یقین امیدوں کو کوتاہ کرنے کی دعوت دیتا ہے اور امیدوں کو کوتاہ کرنا زہد کی طرف لے جاتا ہے اور زہد سے حکمت پیدا ہوتی ہے اور حکمت سے انجام میں غور وخوض کی عادت پڑتی ہے۔

دل کا دار ومدار

حضرت ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں کہ دل کا تمام تر دار ومدار یقین پر ہے اور اس سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ یقین سے ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور عقل کے ذریعے سے ہی انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو سمجھ سکتا ہے۔

یقین کی تکمیل کا اجر

حضرت نہرجوریؒ کا قول ہے کہ جب بندہ حقائق یقین کی تکمیل کرے تو مصیبت اس کے نزدیک نعمت ہو جاتی ہے اور آسائش مصیبت۔

یقین میں شک نہیں ہوتا

حضرت ابوبکر بن طاہرؒ فرماتے ہیں کہ علم میں شکوک واقع ہوتے ہیں مگر یقین میں کوئی شک نہیں ہوتا ان کا اشارہ علم کسبی اور اس علم کی طرف ہے جو بدیہی کے برابر ہے۔ صوفیاء کے علوم کا بھی یہی حال ہے ابتدا میں کسبی ہوتے ہیں مگر آخرکار بدیہی بن جاتے ہیں۔

ایک صوفی کا قول

ایک صوفی کا قول ہے کہ یقین الہامی علم ہے جو دلوں میں ودیعت کیا جاتا ہے اس قول کے قائل کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک وہبی چیز ہے کسبی نہیں۔

تقویٰ اور یقین

حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ جس قدر کسی کا دل تقویٰ سے قریب

ہوگا اسی قدر اس کو یقین بھی حاصل ہوگا۔ اور تقویٰ کی اصل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے الگ رہے اور مناہی سے الگ رہے گا تو یہ دراصل خواہشاتِ نفس سے الگ رہنا ہے۔ جس قدر کسی نے خواہشاتِ نفس کو چھوڑا اسی قدر اس کو یقین حاصل ہوا۔

حضرت عامر بن قیس کا قول ہے کہ اگر پردہ اٹھ بھی جائے تب بھی میرے یقین میں کچھ اضافہ نہ ہوگا۔

نیز کہا جاتا ہے کہ قوتِ ایمانیہ کے ساتھ کسی چیز کو اپنے سامنے دیکھنا یقین کہلاتا ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ تمام معارضات کے زائل ہو جانے کا نام یقین ہے۔

یقین کی علامت

حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں یقین کی علامت ہیں (۱) لوگوں سے کم میل جول رکھنا (۲) ان کے عطیوں پر ان کی مدح نہ کرنا (۳) اور جب وہ کچھ نہ دیں تو ان کی مذمت کرنے سے اپنے آپ کو پاک رکھنا۔

اور تین چیزیں یقین الیقین کی علامات میں سے ہیں (۱) ہر بات میں اللہ تعالیٰ کی طرف نظر رکھنا (۲) ہر بات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا (۳) اور ہر حالت میں اللہ سے مدد چاہنا۔

حضوری یقین سے افضل ہے

حضرت سہل بن عبداللہؒ نے فرمایا ہے کہ حضوری یقین سے افضل ہے اس لیے کہ حضوری میں انسان پوری طرح متمکن اور سکون میں ہوتا ہے اور یقین میں حرکت و خلجان رہتا ہے انھوں نے یقین کو حضوری کی ابتدا قرار دیا اور حضوری کے بغیر یقین حاصل ہونے کو جائز قرار دیا ہے مگر یقین کے بغیر حضوری کے حاصل ہونے کو ناممکن قرار دیا ہے۔

یقین کا درجہ

کسی صوفی کا قول ہے کہ سب سے پہلا درجہ معرفت کا ہے پھر یقین کا

پھر تصدیق کا، پھر اخلاص کا، پھر شہادت کا اور اطاعت کا، اور ایمان ایک ایسا نام ہے جو ان سب کو شامل ہے۔ اس قول کا قائل اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ سب سے ضروری چیز اللہ تعالیٰ کو جاننا (معرفت) ہے۔ اور یہ معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی شرائط پوری نہ کر لی جائیں اور یہ شرائط یہ ہیں

(۱) نظر صائب۔ پھر جب (دل پر) دلائل متواتر پائے جائیں اور ان کے ذریعہ سے وضاحت ہو جائے تو انسان ان انوار کے بیاپے آنے اور کمالِ بصیرت کے حصول سے ایسا ہو جائے گویا وہ دلیل میں غور کرنے سے مستغنی ہے۔ یہ یقین کی حالت ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا امر نسبہ یہ ہے کہ دل حق تعالیٰ کی ان خبروں کی تصدیق کرے جو رسولوں کی زبانی مخلوق تک پہنچیں اور وہ آئندہ آنے والے امور سے متعلق تھیں (مثلاً حشر و نشر وغیرہ۔) اس لیے کہ تصدیق صرف خبروں کے متعلق ہو سکتی ہے (نہ کہ انشاء کے متعلق)

(۳) پھر اخلاص اور وہ یہ ہے کہ تصدیق سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان اوامر پر کاربند ہو (اور نواہی سے اجتناب کرے)

(۴) اچھے طریقے سے اقرار کرتے ہوئے داعی (شارع علیہ السلام) کی بات کو مان لینا۔

(۵) جن چیزوں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان میں توحید کے ساتھ اور جن سے منع کیا ہے ان سے پرہیز کرنے کے ساتھ اطاعت گزاری کرنا۔

امام ابوبکر بن فورک نے اپنے اس قول میں جیسے میں نے ان سے سنا اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ زبان کا ذکر دل کے اس فیضان کا نتیجہ ہے جو دل کی طرف سے زبان پر وارد ہوتا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم خواصؒ نے فرمایا کہ مجھے ایک نوجوان بیابان میں ملا (وہ اس قدر حسین تھا کہ چاندی کی ڈلی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے پوچھا بچہ! کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا مکہ جا رہا ہوں۔ میں نے پھر پوچھا کیا بغیر زادِ راہ کے؟

اور بغیر سواری اور خرچ کے، بچے نے جواب دیا اے ضعیف الیقین! وہ خدا جو زمین اور آسمان کی حفاظت کرتا ہے وہ مجھے بغیر اسباب کے مکہ تک نہیں پہنچا دے گا؟ ابراہیم فرماتے ہیں کہ جب میں مکہ میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بچہ طواف کر رہا ہے اور یہ شعر پڑھ رہا ہے:۔

يَا عَيْنُ سِحِّيْ اَبَدًا ۔۔۔ يَا نَفْسُ مُوْتِيْ كَمَدًا

وَلَا تُحِبِّيْ اَحَدًا ۔۔۔ اِلَّا الْجَلِيْلَ الصَّمَدًا

(اے آنکھ ہمیشہ روتی رہ اے نفس غم سے مر جا، مگر اللہ کے سوا کسی سے محبت نہ کرنا) جب اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو کہنے لگا اے بوڑھے! کیا ابھی تک تو ضعیف الیقین ہے۔

حکایت

ابو جعفر حداد کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا ایک بار میں جنگل میں ایک حوض پر بیٹھا تھا کہ مجھے ابو تراب نخشبی نے دیکھ لیا۔ اس وقت مجھ پہ سولہ دن بغیر کھائے اور پیئے گزر چکے تھے۔ ابو تراب نخشبی نے مجھ سے پوچھا کہ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ میں نے کہا کہ میں علم اور یقین کی کش مکش میں ہوں منتظر ہوں کہ کون ان میں سے غالب آتا ہے کہ اس کا ساتھ دوں۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر علم غالب آئے تو پانی پی لوں اور اگر یقین غالب آئے تو اسی طرح چلتا رہوں۔ یہ سن کر ابو تراب نے کہا کہ تو عنقریب بڑی شان والا ہوگا۔

یقین اور مشاہدہ

حضرت نوری کا قول ہے کہ یقین مشاہدے کا نام ہے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ مشاہدہ کے اندر ایسا یقین پایا جاتا ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں کیونکہ وہ شخص جسے اپنے امر پر اعتماد نہیں اسے مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

حضرت بابا فرید کا قول

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا قول ہے کہ اہل سلوک جس کو فکر روزی میں حیران و پریشان دیکھتے

ہیں، حکم دیتے ہیں کہ اس کو گردن سے پکڑ کر خانقاہ سے باہر کر دیں کہ یہ بد اعتقاد انسان یقین کی دولت سے محروم ہے۔

حکایت

ابو تراب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بچے کو جنگل میں بغیر زاد راہ کے جاتے دیکھا۔ میں نے کہا کہ اگر اس کے ساتھ یقین نہیں ہے تو وہ تباہ ہو جائے گا، لہذا میں نے اسے کہا بچہ! کیا تو ایسی جگہ بغیر زاد راہ کے چل رہا ہے؟ اس نے جواب میں کہا او بوڑھے! ذرا سر اٹھا کر تو دیکھو کیا تجھے حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز دکھائی دیتی ہے۔ یہ سن کر میں نے اسے کہا اب جہاں چاہو جاؤ۔

عبادت یقین سے کرو

ایک بدوی نے حضرت محمد بن علی بن حسینؓ سے عرض کی کہ تم نے اللہ کو دیکھا ہے کہ اسی کی عبادت کرتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں، دیکھا ہے اسی لیے عبادت کرتا ہوں۔ پوچھا وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا وہ آنکھوں کے نور سے نہیں، دل کے ادراک سے دیکھا جاتا ہے، اسے حواس نہیں پا سکتے، وہ اپنی لاتعداد نشانیوں سے پہچانا جاتا ہے، بے اندازہ اوصاف سے موصوف ہے، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، وہ آسمان و زمین کا مالک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ بدوی بے ساختہ کہہ اٹھا کہ اللہ جانتا ہے کہ اسے کس گھرانے میں اپنا رسول بھیجنا ہے۔

یقین کے انعام

حضرت کعب احبارؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا اگر انسان ایک دانے کے برابر اللہ تعالیٰ کی عظمت پر یقین حاصل کرے تو وہ ہوا پر اڑے اور پانی پر چلے، پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت کے ادراک پر انسان کے اقرار عاجزانہ کو ایمان قرار دیا اور عطا کردہ نعمتوں پر انسان کے شکر نہ کر سکنے کے اعتراف کو شکر قرار دیا ہے۔

حضرت داود علیہ السلام کی طرف وحی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کی طرف وحی نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اے داؤدؑ! یہ ایک حقیقت اور سچ ہے کہ جو شخص ہم (اللہ) کو اپنے لیے سب کچھ اور کافی جانتا ہے تو ہم اسے اپنا بنا کر اپنی پناہ میں لے لیتے ہیں پھر ہم ہی اس کے لیے کافی ہو جاتے ہیں اور دوسری جانب جو شخص یہ جانتا ہے کہ سب کچھ اللہ کا ہے اور اللہ ہی اس پہ قادر ہے۔ اللہ ہی کائنات کا مالک و خالق ہے اور پھر ہم (اللہ) پر یقین اور بھروسہ نہیں رکھتا۔ ایسے شخص کے ہم ہو نہیں سکتے، اسے اپنانے کی کبھی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

علم الیقین، حق الیقین، عین الیقین

حضرت علی ہجویریؒ کا قول ہے کہ علم جس میں یقین شامل نہ ہو اور جو معلوم چیز کی حقیقت اور صحت پر مبنی نہ ہو، علم نہیں کہلا سکتا جب علم حاصل ہوتا ہے تو غیب عین نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ قیامت کے روز اہل ایمان حق تعالیٰ کو اسی صورت میں دیکھیں گے جس صورت میں آج دنیا میں اس کو جانتے ہیں اس کے خلاف ہوگا تو یا حشر میں رویت صحیح نہیں ہوگی یا ان کا آج علم صحیح نہیں۔ یہ دونوں چیزیں خلاف توحید ہیں کیونکہ توحیدِ حق کا اثبات یہی ہے کہ آج مخلوق کا علم درست ہو اور کل حشر کے روز رویت صحیح ہو اور توحید سے متعلق علمِ یقین، عینِ یقین ہو جائے اور حق یقین علم یقین ہو جائے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عین الیقین رویت میں علم کا جذب ہو جانا ہے، یہ محال ہے کیونکہ رویت علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہے جیسے سمع وغیرہ، جس طرح علم سمع میں جذب نہیں ہو سکتا اسی طرح رویت میں بھی جذب نہیں ہو سکتا۔

صوفیاء کے نزدیک علم الیقین دنیوی معاملات سے متعلقہ احکام و اوامر کو جاننا ہے۔

عین الیقین سے مراد عالمِ نزع اور سفرِ آخرت کا علم ہے اور حق الیقین کا مطلب حشر کے دن رویتِ باری اور اس کی کیفیت سے مستفید ہونے کا نام ہے۔ الغرض علم الیقین علماء کا مقام ہے کیونکہ وہ شرعی احکام و امور پر ثابت قدم ہوتے ہیں۔ عین الیقین، عارفانِ حق کا درجہ ہے کیونکہ وہ ہر وقت موت کے لیے مستعد رہتے ہیں، حق الیقین، محبانِ حق کا مقامِ فنا ہے کیونکہ وہ کل موجودات سے روگرداں رہتے ہیں، علم الیقین کی بنیاد مجاہدہ پر ہے، عین الیقین کی محبتِ حق پر اور حق الیقین کی مشاہدۂ حق پر۔ پہلی چیز عام ہے، دوسری خاص اور تیسری خاص الخاص۔

حضرت شہاب الدین سُہروردیؒ کا ارشاد

علم الیقین اس علم کو کہتے ہیں، جو غور و فکر کے طریقے اور استدلال سے حاصل کیا جائے اور عین الیقین وہ علم ہے جو بطریقِ کشف اور یقیق خداوندی بندے کو حاصل ہو۔ اور حق الیقین وہ علم ہے جو کہ کھنکھناتی مٹی کی لوث سے آزاد ہونے کے بعد (جسم کے لوث سے آزادی کے بعد) وصال کے قاصد کی آمد پر بندۂ حق کو حاصل ہو۔

حضرت شیخ فارسؒ کا ارشاد

حضرت شیخ فارس فرماتے ہیں کہ علم الیقین میں اضطراب کا دخل نہیں ہے (کسی قسم کی بے چینی اس میں نہیں ہوتی) اور عین الیقین ایسا علم ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسرار محفوظ رکھے ہیں اور اگر علم یقین کی صفت سے خالی ہو جائے تو وہ علم پھر مشتبہ بن جاتا ہے۔ اور جب یقین اس میں شامل ہو جاتا ہے تو وہ علم مشتبہ بے شک و شبہ علم بن جاتا ہے حق یقین وہ ہے جس کی طرف علم یقین اور عین الیقین اشارہ کرتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ حق الیقین وہ ہے کہ انسان کو اس کے ذریعہ سے تحقیق کی صورت میں حاصل ہو اور وہ غیبی خبروں کا اسی طرح مشاہدہ کرے جس طرح وہ اپنی آنکھوں سے

نظر آنے والی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے بلکہ خبر غیب کی دے اور جو کچھ خبر دے، وہ صدق پر مبنی ہو۔

درجاتِ یقین
یقین کے متعدد درجات ہیں اور وہ یہ ہیں: اسم، رسم، علم، عین وحق۔ ان درجات میں سے اسم اور رسم تو عوام کے لیے ہیں اور علم الیقین اولیاء اللہ کے لیے ہے اور عین الیقین خاص اولیاء کرام کے لیے ہے (ان اولیائے کرام کے لیے جو خواص میں شامل ہیں) اور حق الیقین انبیاء علیہم السلام کے لیے مخصوص ہے اور حق الیقین کی حقیقت ہمارے نبی اکرم سرور دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے (انبیاء علیہم السلام میں صرف آپ ہی کو حق الیقین کی حقیقت کا علم ہے۔

حکایت
حضرت حسن بصریؒ ایک مرتبہ حبیب عجمیؒ کے پاس تشریف لے گئے تو اس وقت ان کے یہاں جَو کی ایک روٹی اور تھوڑا سا نمک موجود تھا، وہی بطور تواضع آپ کے سامنے رکھ دیا اور جب انھوں نے کھانا شروع کیا تو ایک سائل آپہنچا تو حضرت حبیب عجمیؒ نے وہ روٹی آپ کے سامنے سے اٹھا کر سائل کو دے دی اس پر حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ تم میں شائستگی تو ضرور ہے لیکن علم نہیں۔ کیا تمھیں یہ معلوم نہیں کہ مہمان کے سامنے سے اس طرح پوری روٹی اٹھا کر نہ دینی چاہیے بلکہ ایک ٹکڑا توڑ کر دے دیتے۔ یہ سن کر وہ خاموش رہے لیکن کچھ ہی دیر کے بعد ایک غلام سر پر خوانِ نعمت رکھے ہوئے حاضر ہوا جس میں ہر اقسام کے نفیس کھانے موجود تھے اور اس کے ہمراہ پانچ سو درہم بھی تھے۔ آپ نے وہ درہم تو غریبوں میں تقسیم کر دیے اور کھانا حضرت حسن بصریؒ کے سامنے رکھ کر خود بھی کھانے بیٹھ گئے اور کھانے سے فراغت کے بعد حضرت حسن بصریؒ سے فرمایا کہ آپ کا شمار نیک لوگوں میں تو ضرور ہوتا ہے لیکن کاش یقین کا درجہ بھی حاصل ہوتا تو بہت بہتر تھا۔

حکایت حضرت ذوالنون مصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک پہاڑ پر بہت سے بیماروں کا اجتماع دیکھا اور جب وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ یہاں ایک عبادت گزار سال میں ایک مرتبہ اپنی عبادت گاہ سے نکل کر بیماروں پر کچھ دم کرتا ہے جس کے بعد سب صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ میں نے بھی ان بزرگ کا انتظار کیا اور جب وہ برآمد ہوئے تو آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے اور بہت کمزور و ضعیف تھے۔ پھر آسمان کی جانب نظریں اٹھا کر تمام بیماروں پر کچھ دم کیا اور وہ سب فوراً ہی صحت یاب ہو گئے اور جب وہ عبادت گاہ میں داخل ہونے لگے تو میں نے ہاتھ پکڑ کر عرض کیا کہ ظاہری امراض والوں کو تو شفا ہو گئی لیکن میرا باطنی مرض بھی دفع فرما دیجئے یہ سن کر فرمایا کہ اے ذوالنون! میرا ہاتھ چھوڑ دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نگرانی فرما رہا ہے کہ تو نے اس کا دستِ کرم چھوڑ کر دوسرے کا ہاتھ تھام لیا ہے یہ کہہ کر انھوں نے ہاتھ چھڑایا اور عبادت گاہ میں داخل ہو گئے۔

حکایت حضرت ذوالنون مصریؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ آنکھوں سے مشاہدہ کرنے والے کی مثال علم جیسی ہے اور قلب سے دیکھنے والے کی مثال یقین جیسی ہے اور یقین کا ثمر صبر ہے اور یقین کی بھی تین علامتیں ہیں، اول ہر شے میں خدا کو دیکھنا، دوم اپنے تمام امور میں اسی سے رجوع کرنا، سوم ہر حال میں اس کی اعانت طلب کرنا۔ یقین آرزؤں میں کمی کر دیتا ہے اور آرزؤں کی قلّت زہد کی تلقین کرتی ہے اور زہد حکمت کا علم بردار ہے اور حکمت شجر انجام کو بار آور کرتا ہے اور تھوڑا سا یقین بھی پوری دنیا سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہ ترقی آخرت کی جانب لے جاتا ہے اور اس سے عالمِ ملکوت کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے اور اہلِ یقین کی شناخت یہ ہے کہ مخلوق کی مخالفت کرتے ہوئے نہ تو اس کی تعریف کرے اور نہ اس کی داد و دہش سے فائدہ اٹھائے اور اگر مخلوق در پے آزار ہو جائے تو اپنی ذات سے مخلوق کو اذیت نہ پہنچائے۔

کیونکہ جس کو خالق کی قربت حاصل ہو وہ مخلوق سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔

حکایت ایک مرتبہ حضرت شیخ ابو سعید مخواراتی حضرت بایزید بسطامی کی خدمت میں بغرض امتحان حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی نیت بھانپ کر فرمایا۔ کہ تم ابو سعید راعی کے پاس چلے جاؤ وہ میرا مرید بھی ہے اور میں نے اپنی تمام ولایت اسی کے حوالے کر دی ہے۔ چنانچہ جب وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ مشغول عبادت ہیں لہذا یہ انتظار میں کھڑے رہے اور فراغت عبادت کے بعد جب انھوں نے پوچھا کہ کیا چاہتے ہو تو آپ نے عرض کیا کہ تازہ انگور۔ چنانچہ ابو سعید راعی نے ایک چھڑی کے دو ٹکڑے کر کے ایک اپنے اور ایک ان کے قریب زمین میں دفن کر دیے۔ اور تھوڑے ہی وقفہ میں دونوں مقامات سے انگور کے سرسبز درخت نمودار ہونے شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان میں انگور بھی لگ گئے۔ فرق صرف یہ رہا کہ ابو سعید مخواراتی کے قریب کے درخت میں سیاہ اور ابو سعید راعی کے قریب کے درخت میں نہایت نفیس سفید قسم کے انگور تھے اور جب ابو سعید مخواراتی نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ مجھے تو صدق و یقین کا درجہ حاصل ہے اور تمہیں امتحان منظور تھا۔ اس لیے اللہ نے دونوں درختوں سے دونوں کی قلبی کیفیت ظاہر فرما دی۔ اس کے بعد آپ نے ایک کمبل دے کر یہ ہدایت کر دی کہ اس کو بحفاظت رکھنا اور کہیں گم نہ کر دینا۔ چنانچہ وہ کمبل لے کر حج کرنے چلے گئے لیکن کمبل انتہائی احتیاط کے باوجود بھی عرفات میں گم ہو گیا اور جب بسطام واپس آئے تو دیکھا کہ وہی کمبل ابو سعید راعی کے پاس موجود ہے۔

یقین کامل حضرت فضیل نے دو مرتبہ آپ سے شرف نیاز حاصل کیا اور فخریہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلی ملاقات میں تو میں نے حضرت داؤد طائی کو شکستہ چھت کے نیچے بیٹھے ہوئے دیکھ کر عرض کیا کہ اس جگہ سے ہٹ جائیے کہیں ایسا نہ ہو کہ چھت گر پڑے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ میں نے آج تک چھت کی طرف نظر ہی نہیں ڈالی۔

پختہ یقین کا واقعہ حضرت شقیق بلخی کا بیان ہے کہ ایک دن ہم حضرت امام ابوحنیفہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت آپ کے پاس اتنے آدمی تھے کہ ساری مسجد بھری ہوئی تھی۔ ہر آدمی اپنے دھیان میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک حضرت امام کے سر کے بالکل اوپر ایک سانپ نظر آیا۔ سانپ کو دیکھ کر مسجد میں بیٹھا ہوا ہر شخص زور زور سے چیخنے لگا اور جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔ خود میں بھی بھاگنے والوں میں شامل تھا لیکن میں نے دیکھا امام صاحب جس طرح بیٹھے ہوئے تھے اسی طرح بیٹھے رہے۔ آپ کے چہرے پر گھبراہٹ کے معمولی سے آثار بھی ظاہر نہیں ہوئے۔

ایک اور بزرگ عبداللہ بن مبارک نے اس سے آگے کا حال یوں بیان کیا ہے کہ سانپ اچانک حضرت امام کی گود میں آگرا۔ لیکن آپ پھر بھی نہ گھبرائے، نہایت اطمینان سے اپنا دامن جھٹک دیا جس سے سانپ دور جا گرا۔

اگر آپ بھی ایسے ہی بہادر بننا چاہتے ہیں تو سچے دل سے اللہ پاک کو مانیے اور یہ بات اچھی طرح دل میں بٹھا لیجئے کہ ہم کسی حال میں بھی ہوں خدا ہمارے ساتھ ہوتا ہے وہ ہر مصیبت میں ہمارا سہارا بنتا ہے اور ہر مشکل سے ہمیں بچاتا ہے۔

ایک راہب کا قول روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے بیس سال تک حق تعالیٰ کی عبادت کی اور اس عرصے میں کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ پھر اس نے بیس سال تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس عرصے میں کبھی اطاعت نہ کی۔ ایک دن اس شخص نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو چند سفید بال نظر آئے۔ وہ شخص کانپ رہا تھا کہ افسوس تو نے نیکی کا راستہ چھوڑ کر گناہ کا راستہ اختیار کیا کہ اب بال سفید ہونے لگے۔ اپنے اللہ کو کیا منہ دکھلائے گا اسی وقت غسل کیا اور پاکیزہ لباس پہن کر اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑا کر تائب ہوا اور کہا اے مولا! تو مجھ جیسے گنہگار کو

جس نے بیس سال تیری عبادت کرنے کے بعد اتنا ہی عرصہ معصیت میں گزرا ہے، کیا اسے قبول کرے گا؟ ناگاہ آواز آئی ہم تجھے قبول کر لیں گے، تو نے بیس سال ہماری عبادت کی ہم نے تیرے مقاصد پورے کیے، تو نے بیس سال نافرمانی کی۔ ہم نے بھی ڈھیل دی اب تو نے پھر رجوع کیا ہے۔ ہم تجھے قبول کرتے ہیں۔

حضرت عبدالواحد بن حضرت زید فرماتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ ایک راہب کے پاس سے گزرے اور اسے پکارا۔ وہ بولا میں راہب نہیں ہوں۔ راہب وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ اس کی کبریائی کی تعظیم کرتا ہے اس کی بلاؤں پر صبر کرتا ہے۔ اس کی قضا پر راضی اور اس کی بخشش پر شکر ادا کرتا ہے اس کی قدرت کو تسلیم کرتا ہے اس کی ہیبت کے آگے سر جھکاتا ہے۔ اس کے حساب و عذاب میں فکر کرتا ہے۔ دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا اے بھائی! پھر کس چیز نے مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہکایا ہے؟ وہ بولا، حب اور زینت دنیا نے، کیونکہ یہ گناہ کی جڑ ہیں۔ عاقل وہ ہے جو اسے قلب سے نکال دے اور گناہوں سے توبہ کرے۔ فرمایا اور علم الیقین کیا ہے؟

راہب بولا اگر آپ علم الیقین کو جاننا اور حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اپنے اور شہواتِ دنیا کے درمیان لوہے کی دیوار کھڑی کر دیں۔

حکایت ایک دفعہ ایک درویش کو حبیب عجمی سے حسد پیدا ہو گیا اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ شخص جس کا ماضی نہایت داغدار تھا اور اس کے گناہوں کا کوئی شمار ہی نہ تھا اس کو یہ مرتبہ بلند کیونکر مل گیا۔ اس نے محض اپنے سودی کاروبار کو ترقی دینے کے لیے یہ ڈھونگ تو نہیں رچا رکھا۔ اس طرح کے عجیب و غریب خیالات اس درویش کے ذہن میں آ رہے تھے اسی رات اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کو ایک نہایت جلیل القدر بزرگ تنبیہ کر رہے ہیں "اے بیوقوف اور حاسد شخص! تم حبیب کو عجمی کیوں

سمجھ رہے ہو وہ تو خدا کا دوست ہے اور دوست کو دوست کی ادائیں پسند ہوتی ہیں کیونکہ حبیب کا جو یقین خدا پر ہے ویسا یقین کسی کسی کو میسر آتا ہے۔ اور خدا اپنے دوستوں کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا یہ اسی کا فضل ہے کہ وہ جب چاہے کسی کو بلندی کی طرف اٹھا لے اور جب چاہے اس کو پستی میں پھینک دے۔ حبیب عجمی کی جب تک مرضی رہی وہ پستی میں رہے اور جب ان کو بلندی کی طرف لے جانا چاہا کوئی دیر ہی نہیں لگی پھر ان کے اندر کی تمام بالیدگیاں آنِ واحد میں تمام ہو گئیں اور یہ خدا تعالیٰ کا انعام ہوتا ہے جو خوش نصیبوں پہ ہوتا ہے۔

درویش نے عرض کی کہ میں حبیب عجمی کے لیے حسد میں نہیں مبتلا ہوا بلکہ مجھے تو اس کی ذات سے رشک پیدا ہوا ہے۔

جواب ملا کہ اگر رشک کرنا چاہتے ہو تو محنت کرو اور خدا سے دعا کرو، شاید تم کو بھی اللہ تعالیٰ یہی مقام عطا فرما دے اور اگر حبیب عجمی کی عظمت اور بزرگی سے کڑھتے رہو گے تو خدا اور صنم دونوں سے محروم ہو جاؤ گے۔

درویش بیدار ہوا تو بھاگتا ہوا حضرت حبیب عجمی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے معافی مانگی۔ آپ نے اس کو معاف فرما دیا اور اس کے لیے دعا بھی فرمائی اور اسے نصیحت بھی فرمائی۔

حکایت

ایک مرتبہ حضرت فتح موصلیؒ نے اپنے مریدوں سے فرمایا کیا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ میں اسے ایک کم سن کامل ولی کی زیارت کراؤں جو انتہائی کم عمری میں عرفان و معرفت کی تمام منازل طے کر چکا ہے؛ سب مریدوں نے خواہش و اشتیاق ظاہر کیا کہ ہم سب اس روحانیت و ولایت کے مسند نشین کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اپنے تمام ارادت مندوں کو لے کر چل پڑے، ایک جنگل کے قریب پہنچے تو سب نے دیکھا کہ ایک بالکل کم عمر لڑکا کچھ پڑھتا ہوا ایک طرف کو جا رہا تھا اس کی چال

میں وقار، چہرے پر تمکنت اور ظاہریت میں ایک عزم تھا۔

حضرت شیخ موسیٰؒ نے اس کمسن ولی کو روکا اور پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں حج بیت اللہ کے لیے جا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت تم کس چیز کا ورد کر رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس وقت قرآن مجید پڑھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے اس سے کہا کہ تم نے ابھی زندگی کے تکالیف و رنج کا مزہ نہیں چکھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنے سامنے اپنے بھائی بہنوں کو موت کا شکار ہوتے دیکھا اس سے بڑے اور کیا غم ہو سکتے ہیں؟ یہ کہہ کر وہ لڑکا پھر تلاوتِ کلام پاک میں مشغول ہو گیا۔

حضرت شیخ موسیٰؒ اس سے بار بار سوال و جواب صرف اس لیے کر رہے تھے کہ وہ اپنے مریدوں کو بتانا چاہتے تھے کہ وہ لڑکا معرفت اور ولایت میں کتنے بلند درجات حاصل کر چکا ہے۔ آپ نے چند اور سوال اس کمسن ولی سے کیے "تمھاری رفتار کس قدر سست ہے۔ تم آخر کب اپنی منزل پر پہنچو گے، تمھارے پاس نہ سواری ہے نہ توشہ؟"

اس لڑکے نے جواب دیا "اے بزرگِ محترم! مجھے خدا پر کامل یقین ہے اور میں خلوصِ دل اور یقینِ کامل سے سفر کر رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں اپنی منزل تک ضرور پہنچوں گا۔ رہی بات سواری اور توشے کی، آپ ذرا یہ بتائیں کہ اگر آپ کسی کے گھر مہمان بن کر جائیں گے تو کیا اپنا کھانا ساتھ لے کر جائیں گے؟"

حضرت شیخ موسیٰؒ نے جواب دیا "ہرگز نہیں یہ تو میزبان کی توہین ہے کہ اپنی روٹی ساتھ لے کر جایا جائے۔"

لڑکا بولا "تو میں بھی خدا کے ہاں مہمان جا رہا ہوں اور میرا کھانا دانہ اسی کے ذمہ ہے اور اگر میں اپنا کھانا وغیرہ ساتھ لے جاؤں تو کیا یہ خدا کی توہین نہ ہو گی۔ پھر مجھے اللہ پر اتنا یقین ہے کہ میرا ہر قدم ایک یقین اور استقامت کے ساتھ اٹھ رہا ہے۔"

حضرت شیخ موسیٰؒ نے اپنے مریدوں سے پوچھا کہ تم لوگوں نے اس بچے سے دل کی باتیں

سنی ہیں، سب لوگ بولے کہ ہم تو اس بچے کی باتیں سن کر حیرت زدہ رہ گئے ہیں کہ اس قدر کامل شخص ہم نے پہلے نہیں دیکھا۔

اسی سال فتح موصلیؒ بھی بیت اللہ کے حج کو پہنچے وہاں ان کی ملاقات اس کمسن ولی سے ہوئی وہ آپ کو دیکھ کر مسکرایا اور بولا "دیکھیں میرے یقین اور صدقِ دل نے مجھے کعبہ تک پہنچا دیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی شانِ یقین

حضرت ابو عتبہ خولانیؒ فرماتے تھے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو شہد سے زیادہ مرغوب سمجھتے اور دنیا کی تنگی سے نہ ڈرتے بلکہ اللہ کی رزاقی پر پورا یقین رکھتے تھے اور ان کو موت اس سے زیادہ عزیز تھی جس قدر تم میں سے کسی کو صحت عزیز ہے۔

حکایت

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ عبدالخالق اپنے احباب کے ساتھ زیارتِ بیت اللہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ اثنارِ راہ میں تھکن آپ پر ظاہر ہوئی اور پیاس نے غلبہ کیا۔ ایک گہرے کنویں پر پہنچے اس پر ڈول اور رسی موجود نہ تھی۔ آپ کے ہمراہی پست دل اور ناامید ہوئے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ ہم نماز میں مشغول ہیں تم اتنے میں پانی پی لو اور طہارت کراؤ۔ اصحاب نے آپ کا یہ ارشاد سنا تو سمجھ گئے کہ آپ کے کلام کی تاثیر سے پانی ضرور مل جائے گا۔ وہ پانی کی امید سے کنویں پر آئے، کیا دیکھتے ہیں کہ اسی وقت حضرت خواجہ کے ارشاد کی برکت سے پانی کنویں کے منہ تک آگیا ہے، سب نے پانی پیا اور وضو کیا مگر ایک ہمراہی نے برتن پانی سے بھر لیا۔ اسی وقت فوراً پانی کنویں کی تہ تک چلا گیا۔ یہ واقعہ حضرت خواجہؒ سے عرض کیا گیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ خدا کے حکم پر یقین رکھتے تو قیامت تک پانی کنویں کی تہ میں نہ جاتا۔

حضرت خواجہ حسن بصری کا قول

حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ میں نے کوئی ایسا یقین جو کذب سے بہت مشابہ ہو موت کے یقین سے بڑھ کر نہیں دیکھا کہ لوگ باوجود یقین کے اس سے غافل ہیں۔

خصائلِ انبیاءؑ

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ بارہ خصلتیں انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین کامل رکھتے تھے، دوسری یہ کہ وہ مخلوق سے قطعاً کوئی امید نہ رکھتے تھے، تیسری یہ کہ ان حضرات کو شیطان سے عداوت تھی، چوتھی یہ کہ وہ اپنے نفوس قدسیہ پر بھی پوری نگاہ رکھتے تھے۔ پانچویں یہ کہ مخلوق کے ساتھ انہیں کامل ہمدردی تھی۔ چھٹی یہ کہ وہ ہر کسی کی ایذا برداشت کرتے تھے۔ ساتویں یہ کہ وہ جنت پر مکمل یقین رکھتے تھے۔ یعنی ان کے اعمال اس یقین کے ساتھ ہوتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ثواب کو ضائع نہیں کریں گے، آٹھویں یہ کہ اپنے موقعہ پر حد درجہ کی تواضع رکھتے تھے، نویں یہ کہ دشمنوں سے بھی خیر خواہی کا معاملہ فرماتے تھے۔ دسویں یہ کہ فقران کا راس المال اور سرمایہ تھا یعنی اپنے پاس زائد کچھ نہ رکھتے سب فقراء میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ گیارہویں یہ کہ ہمیشہ باوضو رہتے۔ بارھویں یہ کہ دنیا کے آنے کی کوئی خوشی یا جانے کا کوئی غم ان کو نہ ہوتا تھا۔

حکایت

حضرت حاتم اصم سے کسی نے پوچھا، حضور! آپ نے ساری عمر کس طرح بسر کی؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے چار چیزوں کے سلسلہ میں اللہ پر پختہ یقین کر لیا جس کی بنا پر مجھے کوئی کمی نہ آئی اور میری زندگی بہت اچھی گزر گئی ہے۔ وہ چار باتیں یہ ہیں:-

(۱) ایک تو یہ کہ میں نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر سے میں ایک لمحہ بھی غائب نہیں رہ سکتا۔ پس اس یقین کے بعد مجھے شرم و حیا آنے لگی کہ اس کے سامنے میں اس کی کوئی نافرمانی کروں۔

(۲) دوسرے یہ کہ میں نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ میری قسمت میں جو رزق ہے اس کا ذمہ خدا نے لے لیا ہے اور وہ بہر حال مجھے پہنچ کر رہے گا۔ پس میں اپنے رزق کی طرف سے بے فکر ہو گیا۔

(۳) تیسرے یہ کہ میں نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ جو فرائض میرے ذمہ لگائے گئے ہیں وہ بجز میرے دوسرا کوئی اور ادا نہیں کر سکتا۔ پس میں ان فرائض کی ادائیگی کی طرف ہمہ تن مشغول ہو گیا۔

(۴) چوتھے کہ یہ میں نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ ایک روز مجھے ضرور مرنا ہے اور دوسری دنیا میں بہر حال جانا ہے۔ پس میں دوسری دنیا کو اپنے لیے اچھا بنانے کی کوشش میں لگ گیا۔ (روض الریاحین)

یقین بمنزلہ نور ہے

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا ہے کہ یقین بمنزلہ نور ہے جس سے انسان منور ہو جاتا ہے، پھر وہ محبوں اور متقیوں کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کا قول

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر چلنے والا ایک خاص سمت میں چلتا ہے اور اس کا یقین کامل ہے اور کمالیت کی امید رکھتا ہے تو یقیناً وہ کمالیت کو پہنچ جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد

آپ کا قول ہے کہ کمالِ ایمان مراد ہے کمالِ یقین سے اور کمالِ یقین کمالِ قرب سے مترتب ہے اور قلب اور اس کے اوپر کے لطائف کو جس قدر قربِ الٰہی زیادہ حاصل ہوگا اسی قدر کمال و یقین بھی زیادہ ہوگا اور قالب کے ساتھ اس کی بے تعلقی زیادہ ہوگی اس وقت خطرات غائب نہیں زیادہ تر ہوں گے اور بہت نامناسب وسوسے ظاہر ہوں گے۔ پس ناچار رہے

خطرات کا سبب کمالِ ایمان ہوگا۔ پس نہایت النہایت کے منتہی کو جس قدر خطرات زیادہ اور نامناسب ہوں گے اسی قدر ایمان کی اکملیت زیادہ تر ہو گی کیونکہ کمال ایمان اس امر کا مقتضی ہے کہ الطف لطائف کو لطیفہ قالب کے ساتھ زیادہ بے مناسبتی ہو اور یہ بے مناسبتی جس قدر زیادہ ہو گی اسی قدر قالب زیادہ خالی اور ظلمت و کدورت کے زیادہ نزدیک اور خطرے اور وسوسے اس میں زیادہ ہوں گے۔ برخلاف مبتدی اور متوسط کے کہ اس قسم کے خطرات ان کے لیے زہر قاتل ہیں اور باطن کو نقصان دینے والے۔ پس تو کم ہمت نہ ہو یہ معرفت اسی درویش کے پوشیدہ معارف میں سے ہے۔ اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کے راستے پر چلا اور جس نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑ لیا۔

باب ۵

ابتلا و آزمائش

اللہ تعالیٰ ان بندوں کو لازماً آزماتا ہے جو اس سے دوستی کے طالب بنتے ہیں۔ انسانی زندگی نشیب و فراز کا حسین مجموعہ ہے کبھی تنگی آتی ہے کبھی کشادگی۔ یہ دنیا کا مال آتا جاتا رہتا ہے۔ کیونکہ دنیا کے مال و دولت کو قرار نہیں، یہ کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کی کمی اور زیادتی کی حد نہیں، ضرورت کے مطابق نہ ہو تب بھی پریشانی ہوتی ہے اگر مال و دولت اتنا ہو جائے کہ اس کا شمار ہی نہ رہے تب بھی پریشانی سے خالی نہیں۔ دولت کی کمی بہت سے لوگوں کو گمراہی کے گڑھے میں گرا دیتی ہے۔ بہت سے لوگ جن پر غربت اور افلاس کی آزمائش آتی ہے، تو ایمان اور اسلام میں ثابت قدم نہیں رہتے۔ ایسے ہی حد سے زیادہ امیر آدمی اکثر فسق و فجور اور معصیت میں مبتلا ہو کر آزمائش میں آجاتا ہے اور اللہ کی راہ سے ہٹ جاتا ہے۔ کئی صاحب مال لوگ دولت کی کثرت کے باعث گناہوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، جو اللہ کی دوستی کا طالب بنے گا اللہ اسے ضرور آزمائے گا مثل مشہور ہے کہ اچھا دوست وہی ہوتا ہے جو دکھ سکھ میں دوست کا دم بھرے۔ خلوص دل سے ہر حال میں دوست سے وابستہ رہے۔ وہ آدمی جو صرف خوشحالی اور آسودگی کا دوست ہو اور تکلیف میں ساتھ نہ دے وہ اچھا دوست نہیں سمجھا جاتا۔

اللہ کی دوستی جاودانی ہے۔ اللہ جب کسی کو اپنا بناتا ہے تو پھر اسے چھوڑتا نہیں، اسے ہمیشہ اپنا ولی بنا لیتا ہے مگر اللہ، دوستی کے طالب کو پہلے ضرور آزماتا ہے کہیں وہ دکھ تکلیف میں گلہ شکوہ تو نہیں کرتا۔ اللہ کی دوستی اس کی ذات سے ہے اس لیے دنیا چھن جانے کا غم

چونکہ اللہ ہی خوشحالی اور تنگی پیدا کرنے والا ہوتا ہے لہٰذا وہ اپنے طالبوں کو تنگی، مصائب، دکھ اور بیماریوں میں مبتلا کر کے ان کی ثابت قدمی دیکھتا ہے کہ کیا اللہ کا بندہ بننے کی خواہش رکھنے والا دکھ میں اس کا طالب رہتا ہے اور کہیں راہِ حق سے ہٹ تو نہیں جاتا۔ خام کردار والے لوگوں کو اللہ اپنے بندے نہیں بناتا۔ اللہ کا سچا دوست تو وہی ہوتا ہے جو اللہ کے عطا کردہ پر اس کا شکر کرے، جس چیز کی کمی آجائے اس پر صبر کرے، جو اللہ عنایت کر دے اس پر قناعت کرے یعنی ہر حال میں خواہ آسودگی ہو یا افلاس اللہ کا شکر گزار بن کر رہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس نے اللہ کو پانے کے لیے کوئی تکلیف یا پریشانی برداشت نہ کی ہو اسے اللہ کی قدر نہ ہوگی۔ اللہ جتنی مشقت اور دکھوں کے بعد ملے گا اتنا ہی انسان اچھا قدردان ثابت ہوگا اس لیے اللہ اپنی محبت اور چاہت میں پختہ کرنے کے لیے اپنے بندوں کو آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے اور جب وہ ہر حال میں اس کے اطاعت گزار بن جائیں اور وفاداری میں ثابت قدم رہیں تو اللہ انہیں اپنی دوستی کے اعزاز سے نواز دیتا ہے۔ اللہ کی دوستی چونکہ دنیا میں سب سے قیمتی اعزاز ہے اس لیے پھر انہیں کسی چیز کی کمی نہیں رہتی کیونکہ ربِ کائنات جس پر مہربان ہو جائے اسے پھر کیا کمی ہے۔

اللہ کا بندہ جتنی بڑی آزمائشوں سے گزرے گا اتنا ہی اسے اللہ کا قرب حاصل ہوگا۔ غربت بیماری، محرومی اولاد، مال و زر کا ضرورت کے مطابق نہ ملنا، رہائش، لباس، خوراک کا چھین جانا، لوگوں کے ظلم برداشت کرنا، شیطان کے حملوں میں ثابت قدم رہنا، غرضیکہ جس قسم کی آزمائش اللہ چاہے لے اور جوان آزمائشوں میں اللہ کا دامن تھامے رکھتا ہے تو اللہ اسے آزمائش ختم ہونے پر جو چاہتا ہے انعام دیتا ہے یہ اللہ کی مرضی ہے۔ چنانچہ آزمائشوں میں گھبرانا اللہ والوں کا کام نہیں۔ اللہ کے بندوں پر جب بھی کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اللہ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی کی عطا کردہ توفیق سے برداشت کر لیتے ہیں۔ جب آزمائش کا عرصہ ختم ہو جاتا ہے تو اللہ ان پر اپنی رحمت کے خزانے کھول دیتا ہے۔ آخر اللہ اپنے بندوں کو دین و دنیا میں کامیاب و کامران

کر دیتا ہے۔

ضابطہ خداوندی

پانچ چیزوں میں آزمائش

جب کوئی اللہ کی معرفت پانے کے لیے راہِ حق پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پانچ طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کر دیتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝

ہم تمھیں ضرور خوف، بھوک اور مال کے نقص اور جسم کی بیماری اور پھل چھین کر آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کے لیے خوشخبری ہے (پ ۲، بقرہ ۱۵۵)

آزمائش قدر شناسی اور استقامت پیدا کرتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں ایمان کی پختگی پیدا کرنے کے لیے انھیں آزماتا ہے تاکہ وہ دنیا کے اسباب سے توقع توڑ کر ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے توقع قائم کریں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے طالبوں اور عاشقوں پر دنیا کا خوف طاری کرتا ہے اس خوف میں اللہ کے بندے اللہ پر بھروسہ کر کے دنیا کی چیزوں سے بے خوف ہو جاتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ توکل کا وصف پیدا کرنے کے لیے انھیں بھوک کی آزمائش میں ڈال دیتا ہے اور نعمتوں کی قدر پیدا کرنے کے لیے مالوں کے نقصان سے آزماتا ہے اور بیماریوں میں مبتلا کر کے یاد الٰہی کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ ثمر یعنی اولاد چھین کر قضائے الٰہی پر راضی رہنا سکھاتا ہے اور جو ان آزمائشوں میں صبر سے کام لیتا ہے اسے اپنا بندہ بنا لیتا ہے آزمائش کا کتنا بڑا انعام ہے۔

اولاد بڑی آزمائش ہے

اولاد بھی انسان کے لیے بہت بڑی آزمائش ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاعْلَمُوْآ اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

اور جان لو کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد بہت بڑی آزمائش ہے اور بیشک اللہ کے ہاں ان آزمائشوں کا بڑا اجر ہے۔

اولاد کی محبت انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے انسان اولاد کی خاطر بڑے بڑے گناہ کر ڈالتا ہے اس لحاظ سے اولاد انسان کے لیے بہت بڑی آزمائش ہے لہذا جو شخص اولاد کے جائز حقوق پورے کر کے اللہ کی طرف راغب رہے وہ اس آزمائش میں کامیاب ہے۔

دنیا کی زینت بھی آزمائش ہے

دنیا کی زیب وزینت بھی آزمائش ہے اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو بڑا حسن عطا فرمایا ہے۔ دنیا میں آرام وآسائش کی بیشمار چیزیں ہیں جن سے انسان رات دن فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ تمام اشیاء انسان میں تکبر پیدا کرتی ہیں اور تکبر اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں ہے اس طرح دنیا کی آرائش اور سہولتوں پر تکبر کو ختم کر کے تواضع پیدا کرنا بہت بڑی آزمائش ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝

اپنی نظریں بالکل ان چیزوں پر نہ جماؤ جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آرائش کے لیے دے رکھی ہیں تاکہ ان کے ذریعے ان کی آزمائش کی جائے تیرے رب کا عطا کردہ رزق بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے (پ ۱۶، طٰہٰ ۱۳۱)

دنیا کی اسی زینت کا اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر یوں ذکر کیا ہے:

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ

روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اسے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم اہل دنیا کو آزمائیں کہ کون

اَحۡسَنُ عَمَلًاؕ نیک عمل کرنے والا ہے (پ ۱۵، کہف ۷)

زندگی اور موت

زندگی اور موت بھی انسان کے لیے ایک آزمائش ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ بِیَدِهِ الۡمُلۡكُ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُۙ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَیٰوةَ لِیَبۡلُوَكُمۡ اَیُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًاؕ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُۙ

اللہ تعالیٰ جس کے ہاتھ تمام ملک ہے بڑی برکت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، اسی نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تاکہ تمھاری آزمائش ہو کہ کون اچھا عمل کرتا ہے وہ زبردست بخشش والا ہے۔ (پ ۲۹، ملک آتا ۲)

انسانی زندگی کا مقصد اچھے اعمال ہے اس لیے دنیا کی زندگی میں آزمائش اس امر میں ہے کہ اچھے عمل کرنے والا کون ہے۔

خیر اور شر میں آزمائش

اللہ تعالیٰ نے اچھائی اور برائی میں بھی انسان کے لیے آزمائش رکھی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ؕ وَنَبۡلُوۡكُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَیۡرِ فِتۡنَةً ؕ وَاِلَیۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ

ہر شخص نے موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمھیں تنگی اور خوشحالی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کریں گے اور تم نے ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔

(پ ۱۷، انبیاء ۳۵)

اللہ کا طریقہ آزمائش

اللہ تعالیٰ انسان کو عزت عطا کرکے اور پھر رزق تنگ کرکے آزماتا ہے۔ پروردگارِ عالم نے فرمایا ہے:

فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَیَقُوۡلُ رَبِّیۡۤ اَكۡرَمَنِ ؕ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰىهُ

پس یہ انسان کیسا ہے کہ جب اس کا رب اسے عزت اور نعمت کے ذریعے آزماتا ہے تو کہتا ہے کہ اللہ نے میرا اکرام کیا ہے اور جب اسے رزق کی تنگی

فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۔

کی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے اللہ نے میری تذلیل کی ہے۔ (پ ۳۰، فجر ۱۵ تا ۱۶)

جنت آزمائش کے بغیر نہیں ملے گی

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو جنت میں داخل فرمائے گا انھیں پہلے دنیا کی آزمائشوں سے گزارے گا انھیں طرح طرح کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں گی۔ انھیں اللہ کی عبادت کے لیے سختیاں اٹھانا پڑیں گی۔ پھر جب اہل ایمان ان آزمائشوں پر پورے اتریں گے تو انھیں جنت میں داخل فرمایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۔

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تمھیں پہلے لوگوں جیسی تکالیف نہیں پہنچیں۔ ان کو بڑی بڑی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں حتیٰ کہ وہ متزلزل ہو گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور ان کے ساتھ والے ایماندار پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟۔ خبردار! اللہ کی مدد بہت قریب ہی ہے۔ (پ ۲، بقرہ ۲۱۴)

تکلیف آزمائش ہے

دکھ اور سکھ انسانی زندگی کا لازمی جزو ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو تکلیف دے کر آزماتا ہے کہ کیا وہ دکھ میں مجھے یاد رکھتے ہیں۔ مجھ پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں اور صبر کر کے مجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ ۭ

جب انسان کو تکلیف آتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے کہ مجھے یہ میرے علم کی وجہ سے ملی ہے

بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔	بلکہ وہ آزمائش ہے لیکن ان میں سے بہت سے اس بات کو نہیں جانتے۔ جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی یہی کیا کرتے تھے جو انھوں نے کسب کیا اس نے انھیں غنی نہ کیا۔ (پ ۲۴۔ زمر ۴۹ تا ۵۰)

اس آیت میں انسان کی حالت کو بیان کیا گیا ہے کہ مشکل کے وقت آہ وزاری شروع کردیتا ہے اور اللہ کی طرف راغب ہوجاتا ہے لیکن جب مشکل حل ہوجاتی ہے تو یہ سرکش بن جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ یہ تو اللہ کے ذمے میرا حق تھا۔ میں نے اپنی عقل اور علم کی بنا پر ان نعمتوں کو حاصل کیا ہے مگر درحقیقت وہ اس کی آزمائش ہوتی ہے۔ اسے نعمتیں ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے تھا اور تکالیف ملنے پر صبر کرنا چاہیئے تھا لیکن وہ اُلٹے گلے شکوے کرتا ہے اس لیے انسان کو سوچنا چاہیئے کہ وہ تکلیف اور راحت میں اللہ کی طرف رجوع رکھے۔

لوگوں کی سوچ

پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ ایمان لانے کے بعد آزمائش ضروری ہے۔ چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے:

الٓمّٓ ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۔	الٓم۔ کیا ان لوگوں کی سوچ یہ ہے کہ ان کے ایمان لانے پر چھوڑ دیے جائیں گے اور آزمائے نہیں جائیں گے۔ جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا پس اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے گا کہ کون سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں۔ (پ ۲۰۔ عنکبوت ۲ تا ۳)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ انسان ایمان لائے یعنی مسلمان ہو اور اس کی آزمائش نہ ہو۔ پس اللہ کے اس حکم سے معلوم ہوا کہ اسلام کے احکام پر عمل کرتے ہوئے آزمائش لازم ہے۔ انسان کی آزمائش اس کی استقامت پر ہوتی ہے اگر وہ دین میں مستحکم

ہو تو اس پر مصیبتیں زیادہ پڑتی ہیں اگر اس کی استقامت کم درجے کی ہو تو اس پر کم بوجھ کی آزمائش ہوتی ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر یوں بیان فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ ۭ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝	اور اللہ ہی نے تمھیں زمین میں اپنا نائب بنایا ہے اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے تاکہ جو کچھ اس نے تمھیں دیا ہے اس میں تمھاری آزمائش ہے۔ بیشک تمھارا رب جلد عذاب دینے والا ہے بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (پ ۸۔ انعام ۱۶۶)

اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی میں انسان کی معیشت کو تقسیم کر رکھا ہے۔ بعض لوگوں کو معاشی لحاظ سے دوسروں سے بلند درجہ عطا کر رکھا ہے۔ کوئی امیر ہے کوئی غریب ہے کوئی آقا ہے اور کوئی نوکر۔ یہ ایک دوسرے پر برتری بھی آزمائش ہے۔ دولت مند کی آزمائش یہ ہے کہ آخرت میں اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کثیر دولت پر شکر ادا کیا تھا۔ اور غریب سے پوچھا جائے گا کہ اپنی غربت پر صبر کیا تھا؟ پس جو لوگ دنیا کی آزمائش میں پورے اتریں گے اللہ تعالیٰ انھیں آخرت میں جنت کے انعام سے نوازیں گے۔

بنی اسرائیل کی آزمائش

اللہ تعالیٰ جس قوم یا شخص کو دوسروں کی رہنمائی کے لیے منتخب فرماتا ہے اس میں اس کی آزمائش مقصود ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب بنی اسرائیل کو سیادت کے لیے منتخب کیا تو اس میں انکی آزمائش تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰی عِلْمٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَاٰتَیْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ۝	اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دنیا والوں میں سے دانستہ منتخب فرمایا اور ان کو ایسی نشانیاں دی تھیں کہ جن میں واضح طور پر ان کی آزمائش تھی۔ (پ ۲۵۔ دخان ۳۲ تا ۳۳)

اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور انداز میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝	اور جب ہم نے تمھیں فرعونیوں سے نجات دلائی جو تمھیں بڑی اذیت دیتے تھے۔ تمھارے بیٹوں کو قتل کر دیتے اور لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بڑی سخت آزمائش تھی۔ (پ ۱، بقرہ ۴۹)

جہاد آزمائش ہے

جہاد میں چونکہ انسان اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی جان کی قربانی پیش کرتا ہے، اس لیے یہ بہت بڑی آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۝	ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے کہ مجاہد کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں اور تمھارے حالات بھی جانچ لیں گے۔ (پ ۲۶، محمد ۳۱)

اللہ تعالیٰ انسانوں کے دلوں کی بات اچھی طرح جانتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم لوگوں کو اچھی طرح آزمائیں گے کہ ان میں حقیقی طور پر کون اللہ کی راہ میں اپنی جانی قربانی پیش کرنے والے ہیں اور پھر جہاد کی مصیبتوں پر کون صبر کرنے والے ہیں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے موقعہ پر مسلمانوں کی مدد فرمائی اور یہ غزوہ درحقیقت مسلمانوں کی آزمائش تھا کہ کون ہیں جو اللہ کی راہ میں اپنی جان تک دینے کے لیے تیار ہیں۔ اس بات کا اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا ہے کہ:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ	(اے مسلمانو) تو تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں قتل کیا ہے اور آپ نے وہ کنکریاں نہیں پھینکی تھیں بلکہ وہ اللہ نے پھینکی تھیں۔ تاکہ مومنوں کو اپنے

بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ — احسانوں سے اچھی طرح آزمالے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ (پ ۹، انفال ۱۷)

حالتِ احرام میں آزمائش

اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے سلسلہ میں مختلف صورتوں میں آزمائش کے مواقع مقرر کر رکھے ہیں۔ ان میں ایک موقع عمرہ یا حج کے موقعہ پر حالتِ احرام ہے کیونکہ حالتِ احرام میں شکار منع کیا گیا ہے۔ اس لیے اس آزمائش میں اللہ تعالیٰ نے پورا اترنے کا یوں حکم صادر فرمایا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ شکار کے ذریعے تمھیں آزمائے گا جن تک تمھارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ معلوم کرلے کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے پس جو اس کے بعد حد سے نکلے گا تو اس کے لیے عذابِ الیم ہوگا۔

(پ ۷، مائدہ ۹۴)

ارشاداتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اصولِ آزمائش

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگوں میں سب سے زیادہ مصیبتوں کا شکار کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا انبیاءؑ، پھر جتنا مرتبہ کم ہو جائے گا اتنی ہی آزمائش کم ہوگی۔ بندے کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے اگر دین میں وہ سخت ہے تو مصیبت بھی سخت ہوگی، اگر دین میں نرم ہے تو مصیبت بھی نرم ہوگی۔ آخر بندے پر مصیبتیں آتی رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ زمین پر پاک صاف ہو کر چلنے لگتا ہے۔

(ابن ماجہ)

ایک نبی کی آزمائش

حضرت عبداللہ رضؓ فرماتے ہیں گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں اور آپؐ انبیاء کرامؑ میں سے ایک نبی کی حکایت بیان فرما رہے تھے جن کو ان کی قوم نے مارا تھا وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے تھے اے میرے خدا میری قوم کی مغفرت فرما یہ ابھی نہیں جانتی۔ (ابن ماجہ)

بخار آزمائش ہے

حضرت ابوسعیدرضؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو بخار آرہا تھا۔ میں نے چادر پر سے آپ کے جسم مبارک پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو آپ کے بخار کی گرمی مجھے محسوس ہوئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اتنا تیز بخار ہے! آپ نے فرمایا ہاں! ہم پر مصیبت بھی سخت آتی ہے اور ثواب بھی دُگنا ملتا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کن لوگوں پر زیادہ سخت مصیبت آتی ہے؟ آپ نے فرمایا انبیاءؑ پر میں نے عرض کیا پھر کس پر؟ فرمایا نیک لوگوں پر۔ بعض نیک لوگ ایسی تنگ دستی میں مبتلا کر دیے جاتے ہیں کہ ان کے پاس ایک کمبل کے سوا جو اوڑھے ہوتے ہیں کچھ نہیں ہوتا بعض مصیبت سے اس قدر خوش ہیں جتنا تم لوگ مال و دولت ملنے سے۔ (ابن ماجہ)

اہلِ مکہ کا ناروا سلوک

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام ایک دن حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضورؐ رنجیدہ بیٹھے تھے، چہرۂ اقدس، اہلِ مکہ کے مارنے کی وجہ سے خون آلودہ تھا۔ جبریلؑ نے دریافت کیا آپ کو کیا ہو گیا کہ آپ غمگین ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ جبریلؑ نے عرض کیا اگر آپ فرمائیں تو آپ کو کوئی معجزہ دکھلاؤں۔ آپ نے فرمایا ہاں! آپ نے اس درخت کی جانب اشارہ کر کے فرمایا اسے بلائیے آپ نے اسے بلوایا تو وہ آپ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ جبریلؑ بولے اس کو واپس جانے کو کہیے۔ آپ نے اس کو واپس جانے کو کہا تو وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

(ابن ماجہ)

دندانِ مبارک شہید ہونے کا واقعہ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اُحد کے دن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے اور آپ کے چہرہ مبارک پر زخم آیا تو آپ نے فرمایا وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جو اپنے نبی کے چہرہ کو خون میں رنگتی ہو جو انھیں اللہ کی طرف بلا رہا ہو۔ تو یہ آیت نازل ہوئی لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ (ابن ماجہ)

ابتلا کا وقت

حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام مسلمانوں کی تعداد گن کر مجھے بتاؤ۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ ہم پر کسی چیز کا خطرہ کرتے ہیں جبکہ اب ہماری تعداد چھ سو اور سات سو کے درمیان ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم پر ایک ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ جس میں تم مبتلا ہو جاؤ گے۔ حذیفہؓ کہتے ہیں پھر ہم پر ایسا وقت بھی آیا کہ اگر ہم نماز بھی پڑھتے تو چھپ کر پڑھتے۔ (ابن ماجہ)

آزمائش کیوں آتی ہے؟

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (بخاری)

تکلیف گناہوں کا کفارہ ہے

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو کوئی رنج، تکلیف، فکر اور غم نہیں پہنچتا۔ یہاں تک کہ جو کانٹا اس کے لگتا ہے تو اس چبھن کو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ (مسلم)

مومن کا آلام میں مبتلا ہونا

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی مثال کھیتی کی سی ہے جس کو ہوا جھکاتی رہتی ہے اور مومن مبتلائے آلام ہوتا رہتا ہے البتہ منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے جس کو کوئی چیز ہلاتی نہیں بلکہ اس کو اکھاڑ دیا جاتا ہے۔ (بخاری)

آزمائش کی وضاحت

حضرت علی بن زید جناب امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے جناب عائشہ صدیقہ رضی سے معلوم کیا کہ آپ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں بتائیں کہ جو کچھ تمھارے نفوس میں ہے چاہے اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا۔ اور اللہ کے اس فرمان کے بارے میں بھی بتائیں کہ جو شخص برا عمل کرے گا تو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی نے فرمایا کہ جیسے میں نے اس بارے میں سرکار سے سوال کیا تھا اس وقت سے اب تک کسی نے مجھ سے اس سلسلہ میں سوال نہیں کیا۔ حضرت صدیقہ رضی نے فرمایا کہ سرکار نے فرمایا تھا یہ بندے پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عتاب ہے جس میں کہ وہ بندے کو بخار یا کسی اور پریشانی میں مبتلا کرتا ہے یہاں تک کہ مال میں سے کچھ چیز جس کو وہ اپنی آستین میں رکھتا ہے اور وہ گم ہو جاتی ہے تو اس پر اظہارِ افسوس کرتا ہے یہاں تک کہ بندہ اپنے گناہوں سے اس طرح صاف ہو جاتا ہے جس طرح کہ سونا بھٹی سے صاف ہو کر نکلتا ہے۔ (ترمذی)

گناہوں کا وبال

حضرت ابو موسیٰ رضی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کو اس کی صلاحیت سے کم یا زیادہ جو تکلیف پہنچتی ہے وہ گناہوں کا وبال ہے لیکن وہ گناہ جو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے وہ بہت زیادہ ہیں۔ اس کے سرکار نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمھارے اعمال کا ثمر ہے وہ اللہ تو بہت سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ (ترمذی)

عدم بصارت کی آزمائش

حضرت انس رضی روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا رب کریم فرماتا ہے جب میں اپنے کسی بندے کو اس کی دو محبوب چیزوں میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں اس کے عوض اسے جنت عطا کروں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ دو محبوب چیزوں سے مراد دونوں آنکھیں ہیں۔ (بخاری)

بیمار کا نامہ اعمال

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب نیکی کے راستوں پر گامزن ہوتا ہے اور اس حال میں بیمار ہوتا ہے تو اس کے نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے سے اللہ یہ فرماتا ہے کہ اس کے اعمال اسی طرح لکھو جس طرح اس کی صحت کی حالت میں لکھتے تھے یہاں تک کہ میں اسے صحت سے ہمکنار کر دوں یا اپنی طرف بلاؤں (شرح السنۃ)

جسمانی عارضہ

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ کسی جسمانی عارضہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اس پر متعین فرشتے سے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کی صحت کی حالت کے اعمال لکھتے رہو جو وہ حالتِ صحت میں کرتا تھا اگر اس کو شفا ہو گئی تو اس کے گناہ دُھل جاتے ہیں اور وہ پاک و صاف ہو جاتا ہے اور اگر اس کی موت آ جائے تو اس کی مغفرت فرمادی جاتی ہے اور اس پر رحم کیا جاتا ہے۔ (شرح السنۃ)

بیماری کی رعایت

حضرت ابو موسیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر میں جاتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں اتنا ہی اجر لکھا جاتا ہے جتنا کہ صحت یا اقامت کی حالت میں عمل کر کے حاصل کرتا ہے۔ (بخاری)

صلاحیت کے مطابق آزمائش

حضرت سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا گیا کہ عالمِ انسانیت میں سب سے زیادہ سختی کن نفوس پر کی گئی؟ سرکارؐ نے فرمایا انبیاءؑ پر۔ پھر جو ان کے مثل ہیں پھر جو ان کے مثل ہیں اور انسان کو اس کی صلاحیت کے مطابق آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اگر وہ دین کے معاملات میں سخت اور متصلب ہے تو آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور اگر دین میں متصلب نہیں تو آزمائش بھی نرم ہوتی ہے اور وہ اپنے حال پر رہتا ہے اور زمین پر چلتا پھرتا ہے اور اس کے

نامہ اعمال میں گناہ نہیں لکھا جاتا۔ (ابن ماجہ)

اللہ کے بندے سے بھلائی کرنا

حضرت انس رضہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کو دنیا میں جلد سزا دے دیتا ہے اور جب کسی بندے کے گناہوں کے سبب بھلائی نہیں چاہتا تو اس سے باز رہتا ہے تاکہ قیامت میں اس کو اس کے اعمال کی پوری پوری سزا دے۔ (ترمذی)

بخار کی تکلیف

حضرت جابر رضہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام سائب کے یہاں تشریف لے گئے تو ام سائب سے معلوم فرمایا کیا بات ہے تم کپکپا کیوں رہی ہو؟ کہنے لگیں بخار کی وجہ سے، اللہ اس کو برکت نہ دے، اس وقت سرکار نے فرمایا کہ بخار کو برا نہ کہو کیونکہ بخار گناہوں کو اسی طرح صاف کر دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔ (مسلم شریف)

مرض کا غلبہ

حضرت عائشہ رضہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رفیقِ اعلیٰ سے ملے اس وقت آپ میرے سینے اور گردن یا ٹھوڑی سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ اب میں کسی کی موت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں گھبراتی۔ (بخاری شریف)

شدید بخار

حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرکار شدید بخار میں تھے۔ میں نے جسم اقدس کو ہاتھ لگا کر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو شدید بخار ہے۔ سرکار نے ارشاد فرمایا مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو شخصوں کو ہوتا ہے۔ راوی کہتے ہیں میں نے معلوم کیا کہ اجر بھی دوگنا ملتا ہے۔ سرکار نے فرمایا ہاں! پھر سرکار نے فرمایا کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو مرض یا اس کے علاوہ کوئی اور تکلیف پہنچی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس طرح گرا دیتا ہے جس طرح درخت

سے پتے گرتے ہیں۔ (مسلم شریف)

بخار کے وقت پڑھنے والی دعا

حضرت ابن عباس رضؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو بخار اور دوسرے درد اور تکالیف دور کرنے کے لیے یہ دعا تعلیم فرماتے تھے "بسم اللہ الکبیر اعوذ باللہ العظیم من شر کل عرق نعار و من شر حر النار"۔ (ترمذی)

بیماری کا تدارک

حضرت ابو الدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم میں سے کوئی خود بیمار ہو یا کوئی دوسرا بیماری کا تذکرہ کرے تو اس کو چاہیئے کہ یہ پڑھے ربنا اللہ الذی فی السماء تقدس اسمك امرك فی السماء والارض كما رحمتك فی السماء فاجعل رحمتك فی الارض اغفرلنا حوبنا وخطايانا انت رب الطيبين انزل رحمة من رحمتك وشفاء من شفائك على هذا الوجع ۔ اس دعا کے پڑھنے سے اس کو شفا مل جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

آفات و مصائب

وہب بن منبہؒ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ایک حواری کی کتاب میں یہ بات لکھی ہوئی دیکھی کہ جب تیرے ساتھ آفات و مصائب والا معاملہ کیا جائے تو خوشی محسوس کر کہ تیرے ساتھ انبیاء علیہم السلام اور صالحین والا برتاؤ ہو رہا ہے اور جب تیرے ساتھ خوشحالی والا معاملہ ہو، تو اپنے آپ پر رو یا کر کہ ان حضرات والے برتاؤ کے خلاف تیرے ساتھ سلوک کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے مضمون کی وحی حضرت موسیٰؑ کی طرف بھیجی تھی۔

مصائب کیوں آتے ہیں؟

حضرت عائشہ رضؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور ان کے کفارہ کی کوئی سبیل نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو مبتلائے آلام کر دیتا ہے

تاکہ اس کے گناہ ختم ہو جائیں۔ (احمد)

رزق کی تنگی آزمائش ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رب کریم کا ارشاد یہ ہے میرے عزت و جلال کی قسم! میں دنیا سے کسی کو نہیں اٹھاتا مگر جس کی بخشش کا میں نے ارادہ کیا ہوتا ہے یا تو اس کو بیماری میں مبتلا کر کے یا اس کے رزق میں تنگی کر کے اس کے تمام گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہوں۔ (رزین)

دکھ اور سکھ کا صلہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اہل زمین کے سب سے بڑے نازو نعمت والے آدمی کو لایا جائے گا اور دوزخ میں ایک غوطہ دیا جائے گا پھر نکالا جائے گا تو وہ جل کر سیاہ ہو چکا ہو گا اس سے سوال ہو گا کہ دنیا میں رہتے ہوئے تجھے کوئی راحت و نعمت بھی کبھی حاصل ہوئی تو وہ جواب دے گا بالکل نہیں میں تو جب سے پیدا ہوا اسی عذاب و بلا میں مبتلا ہوں۔ پھر اہلِ دنیا میں سے سب سے زیادہ تنگدست اور مصیبت زدہ آدمی کو بلا کر جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا یعنی گھڑی بھر کے لیے اسے جنت میں داخل کر کے نکال لیا جائے گا تو وہ یوں ہو گا جیسے چودھویں کا چاند۔ اس سے سوال ہو گا کہ تو نے کبھی کوئی مصیبت بھی دیکھی ہے؟ وہ کہے گا بالکل نہیں، میں تو ہمیشہ سے اسی لذت اور راحت میں ہوں۔

سب سے زیادہ مصیبتیں کن لوگوں پر آتی ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ مصیبتیں سب سے زیادہ کن لوگوں پر آتی ہیں۔ ارشاد فرمایا انبیاء علیہم السلام پر، پھر صالحین پر، پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں سے قرب رکھنے والوں پر، کہتے ہیں کہ تین چیزیں بھلائی کے خزانہ میں سے ہیں:-

۱۔ صدقہ کو چھپانا۔ ۲۔ تکلیف کو چھپانا۔ ۳۔ مصیبت کو چھپانا۔

حدیثِ قدسی حدیثِ قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میرا کوئی بندہ مجھ سے سوال کرتا ہے، میں اسے مانگنے سے پہلے دے دیتا ہوں اور اس کی دعا کو قبول کر لیتا ہوں۔ اور جو بندہ مصائب کے وقت میری مخلوق سے مدد مانگتا ہے میں اس پر آسمانوں کے دروازے بند کر دیتا ہوں۔

اقوالِ صحابہ رضؓ

بلاوجہ قید آزمائش ہے حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ جس شخص کو سلطان بلاوجہ قید کرے اور وہ اسی قید کی حالت میں مر جائے تو وہ شہید ہے اور ایسے ہی اگر اس کی مار پیٹ کی وجہ سے مر گیا تو بھی شہید ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ ایک بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ ہوتا ہے، جہاں تک وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا۔ حتیٰ کہ وہ کسی جسمانی آفت میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کی بدولت اس درجہ کو پا لیتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب قرآن کی آیت مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (جو کوئی برا کام کرے گا اس کے عوض میں سزا دیا جائے گا) نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضؓ کہنے لگے یا رسول اللہ! اس آیت کے بعد خوشی کی کونسی صورت ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ابوبکر رضؓ! اللہ تعالیٰ تیری مغفرت فرمائیں، کیا تو بیمار نہیں ہوتا، کیا تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی، کیا تجھے کبھی کوفت نہیں ہوتی، کیا تجھے کبھی کوئی غم نہیں ہوا؟ یہی وہ جزا اور بدلہ ہے جو برے کام پر ملتا ہے۔ حاصل یہ کہ تمام مذکورہ مصائب اور پریشانیاں تیرے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

حضرت علی رضؓ کا ارشادِ گرامی حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کیا میں تمھیں سب سے زیادہ امید افزا آیت نہ بتاؤں؟ عرض کیا گیا کہ بتا دیجیے۔ تو آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ ۝

اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے ہے اور بہت سے تو درگزر ہی کر دیتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ دنیا میں مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ کسی کو دنیا میں سزا دے دیتا ہے تو اس کی شان سے بعید ہے کہ اسے دوبارہ سزا دے اور جب دنیا میں کسی کو معاف فرما دے تو اس کی شان سے بعید ہے کہ پھر قیامت میں عذاب دینے لگے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا قول

حضرت سیدنا عمر فاروق رضؓ نے فرمایا ہے کہ جب تک آزمائش نہ کر لو، ہرگز کسی کی دینداری پر اعتماد نہ کرو۔

آزمائش کا وقت

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے فرمایا ہے کہ میری زندگی میں سب سے سخت آزمائش کا وقت غزوہ اُحد کا معرکہ ہے جبکہ لوگ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اِدھر اُدھر ہو گئے اس وقت صرف ایک میں ہی تھا جس نے آپ کی حفاظت کی۔

حضرت عثمان غنیؓ کا ارشاد

آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگوں کو جس طرح چاہو آزماؤ، تکلیف دینے والے جانوروں سے کم نہ پاؤ گے۔

آزمائشِ صوفیاء

سب سے بڑی بلا

سہل بن سعد تستری رحؒ فرماتے تھے کہ سب سے بڑی بلا جس سے آدمی کا امتحان ہوتا ہے وہ اعمالِ دنیا و آخرت سے فارغ البال ہونا ہے مگر اس بات کو کہ یہ ایک بلا ہے، بہت کم لوگ محسوس کرتے ہیں۔

صرف انبیاء علیہم السلام ہی رجال البلاء ہیں

اے انسان یاد رکھ اور اپنے آپ میں غور کر اور اس بات سے بچ جو بعض اہل اللہ مصیبت کے وقت کہتے ہیں یعنی اے اللہ! اگر اس مصیبت میں تیری رضا ہے تو اور سخت کر دے۔ کیونکہ مصیبت برداشت کرنے والے لوگ صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ کا مرض

امام شافعیؒ مرض بواسیر میں مبتلا تھے۔ رات دن خون بہتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ حدیث پڑھانے بیٹھتے تو ان کے نیچے طشت رکھا ہوتا جس میں خون ٹپکتا رہتا۔ ایک دن انھوں نے فرمایا اے اللہ اگر اس میں تیری رضا ہے تو اسے اور زیادہ کر دے۔ یہ کلمہ ان کے شیخ امام مسلم بن خالد زنجیؒ نے سن لیا انھوں نے ان کو ڈانٹا اور کہا اے محمد! یہ نہ کہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو۔ کیونکہ ہم اور تم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو مصائب کے متحمل ہوتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو اس خیال سے بیماری اور بلا سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ اللہ تعالیٰ کی قضا کو برا نہ جاننے لگیں۔ وہ مصیبت سے نہ ڈرتے تھے بلکہ اس بات سے ڈرتے تھے جو احتمالاً اس میں ہوتی تھی اور کہتے بخدا میں نہیں جانتا کہ جب میں مصیبت میں گرفتار رہوں تو میری کیا حالت ہو۔ شاید میں کفر کے کلمات بولوں اور مجھے اس کا احساس بھی نہ ہو۔

مسلم بن قتیبہؒ کا قول

حضرت مسلم بن قتیبہؒ فرماتے تھے کہ لوگوں کی تکلیف دہی پر صبر کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو حکومت کو سب سے بڑی بلاء خیال کرتے تھے۔ اور اب ایسے لوگ ہیں جو خود حکومت کے طالب ہوتے ہیں۔ وہ ایسے لوگ تھے کہ جب ان کا کوئی دوست حاکم ہو جاتا، تو

دعا کرتے کہ اے اللہ، ہم کو اس کے ذہن سے بھلا دے کہ نہ ہم اسے پہچانیں اور نہ وہ ہمیں پہچانے۔

مصیبت عافیت سے پیدا ہوتی ہے

حضرت یحییٰ بن حسینؒ فرماتے تھے جو شخص سلامتی تلاش کرتا ہے وہ ملامت کو برداشت کرتا ہے۔ اور فرماتے تھے کہ ہر ایک مصیبت عافیت سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر فرعون کو کوئی مرض لاحق ہوتا تو وہ اس امر کا مدعی نہ ہوتا جس کا اس نے دعویٰ کیا تھا یعنی اَنَا رَبُّکُمُ الاَعلیٰ۔

مال اور اولاد کی آزمائش

ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے تھے، آدمی پر واجب نہیں کہ وہ اپنے اہل وعیال کو زہد پر مجبور کرے بلکہ انھیں اس کی ترغیب دے، اگر مان جائیں تو خیر ورنہ خود زاہد ہو جائے اور ان کے لیے ضروریات مہیا کر دے۔ نیز فرماتے تھے کہ ہر وہ چیز جو تجھے تیرے پروردگار کی یاد سے روکے، خواہ اہل وعیال ہوں یا مال وغیرہ وہ تیرے لیے منحوس ہے۔ (میں کہتا ہوں) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کل موجودات، بندے کو پروردگار کی یاد دلانے کے لیے پیدا کی ہے۔ اس وقت وہ اس کے لیے مبارک ہوگی برخلاف اس کے کہ جب وہ اللہ سے حجاب میں ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مال اور اولاد آدمی کے لیے سخت فتنہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کی طرف میلان ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں ہوتا۔ پس اس میں غور کر۔

لقمہ باعث مصیبت ہے

عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے تھے کہ جس نے اپنے شکم کو قابو میں رکھا اس نے اپنے دین کو قابو میں رکھا اور تمہارے دادا آدم علیہ السلام کی مصیبت ایک لقمہ ہی تھی اور قیامت تک یہی تمہاری مصیبت ہے پس اس کو یاد رکھو۔ (میں کہتا ہوں) مصیبت سے اس جگہ آزمائش مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ بنی آدم کی آزمائش کرتا ہے کہ وہ ترکِ شہوات پر صبر کرتے ہیں یا نہیں اور آدم علیہ السلام کی

آزمائش منظور تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے ظاہر کیا تھا تاکہ ان کو اپنی اولاد کی کرتوت معلوم ہو جائے جب وہ اپنے رسولوں سے غیب پر مطلع ہونگے۔ نیز ان کو یہ بھی معلوم کرایا جائے کہ جب ان کی اولاد گناہ میں گرفتار ہوگی تو کیسے توبہ کریں گے پس خطاب تو آدم کی طرف ہے لیکن حکم ان کے غیر کی طرف ہے۔

بھوک اور حاجت

فتح موصلیؒ کا ذکر ہے کہ انھیں اپنے گھر والوں میں بھوک پیش آئی تو کہنے لگے میرے اللہ! کاش مجھے یہ پتہ چل جائے کہ یہ عنایت کس عمل کی بدولت ہے تو میں اس میں اور کوشش کروں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ بلند ہمت لوگوں کی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے سفر میں دنیاوی ہوس یا لگن کا گزر بھی نہیں ہو سکتا۔ مصائب کی آزمائش ان کے پائے ثبات میں ذرہ برابر بھی لغزش نہیں لا سکتے۔ ان کے عزم و حوصلہ اور بلند ہمتی کے سامنے مصائب کا کوئی وجود ہی نہیں بنتا۔ مصائب، مصائب نہیں رہتے۔ بلکہ وہ مصائب ان کی لگن کو کئی چند کر دیتے ہیں۔ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے سفر کے تمام معاملات کو وہ عالی ہمت لوگ اپنے پروردگار پر چھوڑ دیتے ہیں اور وہ ان مصائب کو بھی امر الٰہی سمجھتے ہیں اسی لیے وہ مصائب کو مصائب نہیں سمجھتے۔ ایسے عالی ہمت لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے نظام اور قانون کے تحت ان کی استعداد کے مطابق اپنی بقا سے مشرف فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پُر عزم اور عالی ہمت لوگوں کو امید ول کو ہمیشہ بَر لاتا ہے پھر وہ لوگ بقدر ظرف اللہ تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کی دعا

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب میری شادی کا زمانہ قریب آیا تو میرے جدِّ بزرگوار نے مجھ کو حضرت بابا سماسی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجا۔ تاکہ آپ کی قدم بوسی کی برکت سے یہ کام انجام کو پہنچ جائے۔ جب میں آپ کی خدمت میں گیا

اور آپ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور سر سجدہ میں رکھا۔ اس وقت میری زبان سے یہ نکلا کہ اے خدا اپنی بلاؤں کو اٹھانے کی طاقت مجھ کو عطا فرما اور اپنی محبت کی محنت کی برداشت مجھ کو دے۔ جب میں صبح کو حضرت بابا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اے فرزند! یہ دعا کرنی چاہیئے کہ اے خدا جو کچھ تیری مرضی ہو اس پر قائم رہنے کی اس بندہ ضعیف کو اپنے فضل و کرم سے توفیق عطا کر۔ اور خدائے بزرگ و برتر کی مرضی بھی یہی ہے کہ بندہ بلاؤں میں مبتلا نہ ہو اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے اپنے کسی دوست پر بلا نازل کرتا ہے تو اس کو برداشت کی طاقت بھی عطا فرماتا ہے اور اس کی مصلحت کو بھی ظاہر کر دیتا ہے، اپنی خواہش سے بلا کو طلب کرنا مشکل ہے اس لیے گستاخی نہیں کرنی چاہیئے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مروی ہے کہ جب خلافت عمر بن عبد العزیزؒ کے سپرد ہوئی تو وہ رو پڑے اور اپنی عورتوں اور لونڈیوں کو اختیار دے دیا اور کہا کہ مجھے ایسا کام پیش آگیا ہے جو مجھے تمھاری خبر گیری سے روکتا ہے۔ میں تمھاری خبر گیری کے لیے اس وقت تک فارغ نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگ قیامت کے حساب سے فارغ نہ ہو جائیں۔ یہ سن کر ان کے اہل خانہ رونے لگے، یہاں تک کہ ہمسایوں کو خیال ہوا کہ ان کے یہاں کوئی موت ہو گئی ہے۔

عمّال کا ظلم محمد بن یوسفؒ کے بھائی نے ان کی طرف عمال کے ظلم کی شکایت لکھی تو انھوں نے جواب دیا اے بھائی! تیرا خط ملا، تیرے علم سے مخفی نہ رہے کہ جس شخص نے گناہ کیا ہے اسے یہ حق نہیں کہ وہ عذاب کے آنے پر اعتراض کرے۔ جس مصیبت میں تم مبتلا ہو میں اس کو صرف گناہ کی شامت سمجھتا ہوں۔ والسلام۔

ظاہر و باطن یکساں نہ ہونے پر نزول بلا صالح المرّیؒ فرماتے تھے کہ جب لوگوں کا ظاہر و باطن یکساں نہ ہو تو وہ جس قسم کی بھی مصیبت و آفت میں مبتلا ہوں ان کو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔

ناحق قید ہارون رشید نے ایک شخص کو ناحق قید کر دیا تو اس شخص نے ہارون رشید کی طرف لکھا کہ اے ہارون! یقیناً میرا کوئی دن قید اور تکلیف میں ایسا نہیں گزرتا کہ اتنا وقت تیری عمر اور اکرام سے کم نہ ہوتا ہو اور فیصلہ کا وقت قریب ہے اور میرے تیرے درمیان اللہ تعالیٰ منصف ہوگا۔ راوی کہتا ہے کہ جب ہارون رشید نے خط پڑھا تو اسے چھوڑ دیا اور اس پر احسان کیا۔

بھلائی کا معیار جناب ضحاک رحؒ کہتے ہیں جو شخص چالیس راتوں میں ایک رات میں بھی گرفتارِ رنج والم نہ ہوا ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے لیے کوئی خیر و بھلائی نہیں ہے۔

مصائب کی کٹھن گھاٹیاں حضرت جنید بغدادی رحؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو واضح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کر لیا تو پھر اس مخلوق کے سامنے اس دنیا کو اس کی تمام تر خوبصورتیوں اور رعنائیوں کے ساتھ پیش کیا۔ اس پر اس دلفریب اور دلکش دنیا کو ہر ایک ہزار انسانوں میں سے صرف ایک انسان نے پسند نہ کیا۔ لیکن نو سو ننانوے انسانوں نے دنیا ہی پسند کی۔ پھر جب ان ایک فی ہزار دنیا نہ چاہنے والوں کے سامنے اللہ تعالیٰ نے جنت اور جنت کی نعمتیں اور رعنائیاں رکھ دیں تو ان پسندیدہ فی ہزار انسانوں میں سے صرف ایک انسان نے اس جنت سے بھی منہ موڑ لیا۔ اس مقام و موقع پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ارشاد ہوا کہ اے میرے بندوں کی جماعت! تو نے دنیا اور جنت دونوں کی پروا نہیں کی۔ انھیں بھی ٹھکرا دیا ہے آخر تم کیا چاہتے ہو؟ اس جماعت کے انسانوں نے عرض کی کہ اے ہمارے مالک و مولیٰ! تو ہمارے حال اور طلب سے خوب واقف ہے اور یہ بھی تجھے معلوم ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ اس مقام و منصب پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ مجھے خبر ہے کہ تم صرف اور صرف مجھے چاہتے ہو لیکن تمھاری اس چاہت کا بھی ہمارے یہاں امتحان لیا جائے گا کہ تم اپنی اس طلب و آرزو میں

کس قدر صادق اور ثابت قدم ہو۔ تمھیں مصائب اور مشکلات کی کٹھن گھاٹیوں پر سے گزرنا ہو گا سماوی بلائیں بھی تمھیں تمھاری استطاعت کے مطابق آن گھیریں گی۔ یہ بلائیں اس قدر بڑی اور بوجھل ہوں گی کہ ان کا بوجھ زمین اور آسمان بھی اٹھانے سے عاری ہوں گے لیکن اگر تم اے میرے بندو! ان مصائب و آلام اور بلیات کے اژدہام میں بھی ثابت قدم رہو گے اور صبر سے کام لو گے تو پھر میں (اللہ تعالیٰ) تمھیں اپنے قرب سے نوازوں گا۔ وہ تمھارے لیے کافی ہو جائے گا۔ تم پر اپنی تجلیات کی فراوانی فرمادے گا۔ تمھیں تمھارے صبر اور ثابت قدمی کے باعث روحانی لذتوں سے متمتع کر دے گا، تمھارے حجابات بھی دور فرمادے گا۔ پھر ایسی صورت میں تمھاری نگاہیں ایک خاص قسم کی بصیرت سے فیض یاب ہوں گی۔ اس بصیرت سے تم اپنے خدا کی بڑائی اور عظمت اور جاہ و جلال کو مکمل طور پر دیکھنے کے لائق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سن کر ایسے چنیدہ عارفوں کی جماعت نے کہا کہ اے ہمارے عالی مالک و خالق پروردگار تو جس طرح اور جو چاہتا ہے وہی ہمارے لیے کر دے۔ ہمیں جس طرح بھی چاہے آزمالے کیونکہ تو ہم پر ہر طرح سے فائق اور غالب ہے۔

حضرت توکل شاہ نقشبندی کی وصیّت

آپ نے ایک روز وصیت فرمائی کہ فقیر پر دینی مصیبت ہو خواہ دنیاوی، خلافِ شرع شریف فعل کرنے سے نازل ہوتی ہے۔ جب فقیر سے غفلت اور نادانستگی میں کوئی ایسا فعل ہو جاتا ہے تو مصیبت آجاتی ہے اگر اس کا لحاظ رکھے تو کبھی بھی مصیبت نہ آوے اور اخیر میں جب فقیر پر حفاظتِ الٰہی نازل ہو جاتی ہے تو اس وقت جو تکلیف پہنچتی ہے اس سے مقام میں ترقی ہوتی ہے۔ وہ تکلیف قرب و ترقی کا باعث ہوتی ہے۔ اور آپ کا یہ حال تھا کہ جو حضور سے کبھی مکروہ تنزیہی کوئی فعل ہو گیا تو اس کا صدقہ خود ہی اپنے دل سے مقرر فرما کر مسکینوں، محتاجوں، یتیموں، بیواؤں کو تقسیم کراتے۔ کبھی چھ روپیہ کبھی بارہ روپیہ، محبوب عالم نے حضور کا ایسا صدقہ دیا ہوا تقسیم کیا ہے ہمارے نزدیک تو کوئی فعل آپ کا مکروہ

تمیز بھی نہ معلوم ہوتا تھا مگر آپ خود ہی فرمادیا کرتے تھے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ نیز فرمانے کہ کامل مومن وہ ہے جو خود منصف ہو کر اپنے اعمال کی چھان بین کرتا ہے اور جو گندی چیزیں ہیں ان کو خود ہی نکالتا ہے۔

حکایت ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سفر کر رہے تھے اور راستے میں ایک سپاہی مل گیا اور اس نے جب آپ کا نام پوچھا تو آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر سپاہی کو بہت غصہ آیا اور کہنے لگا کہ مجھ سے دل لگی کرتے ہو اور آپ کی گردن میں رسی ڈال کر زد وکوب کرتا ہوا آبادی میں لے آیا اور جب اہل قریہ نے سپاہی سے کہا کہ تم نے یہ کیا ستم کیا یہ تو حضرت ابراہیم بن ادھمؒ ہیں۔ یہ سن کر جب اس نے معافی طلب کی تو فرمایا کہ تو نے ظلم کر کے مجھے جنت کا مستحق بنا دیا اس لیے میں تجھے دعا دیتا ہوں کہ تو بھی جنت میں جائے۔ اس کے بعد کسی بزرگ نے اہل بہشت کو خواب میں دیکھا کہ ان کے دامن موتیوں سے لبریز ہیں اور جب اُس بزرگ نے سوال کیا تو بتایا گیا کہ ایک نا واقف نے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کا سر پھوڑ دیا تھا اور ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ جب وہ داخلِ بہشت ہوں تو ان پر موتی نچھاور کیے جائیں۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری جب بلند مراتب پر فائز ہو گئے تو لوگوں نے مراتب کی ناواقفیت کی بنا پر آپ کو زندیق کا خطاب دے کر خلیفۂ وقت سے آپ کی شکایت کر دی۔ چنانچہ جب آپ کو بیڑیاں پہنا کر لے جایا جا رہا تھا تو ایک ضعیفہ نے کہا کہ خوفزدہ نہ ہونا کیونکہ وہ بھی تمھاری ہی طرح خدا کا ایک بندہ ہے۔ اسی وقت راہ میں ایک بہشتی نے آپ کو خنک پانی سے سیراب کیا اور اس کے صلہ میں جب آپ نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ اس کو ایک دینار دے دو تو بہشتی نے عرض کیا کہ اسیروں سے کچھ لینا بزدلی کی علامت ہے۔ اس کے بعد آپ کو دربارِ خلافت سے چالیس یوم کی قید ہو گئی اور اسی عرصہ میں آپ کی ہمشیرہ روٹی کی ایک ٹکیہ روزانہ آپ کے پاس لے کر جاتیں لیکن رہائی کے بعد

ہر یوم کے حساب سے چالیس روٹیاں آپ کے پاس محفوظ تھیں اور جب آپ کی ہمشیرہ نے کہا کہ یہ تو جائز کمائی کی تھیں۔ پھر آپ نے کیوں نہیں کھائیں تو فرمایا کہ چونکہ داروغہ جیل بد باطن قسم کا انسان ہے اس لیے اس کے ہاتھ سے بھجوائی ہوئی روٹی سے مجھے کراہت محسوس ہوئی۔ پھر جب آپ روانہ ہونے لگے تو گر پڑے اور سر میں شدید ضرب آئی لیکن یہ عجیب بات ہے کہ خون کی ایک بوند بھی آپ کے لباس پر نہیں پڑی اور جو خون زمین پر گرا تھا وہ بھی غائب ہو گیا اور جب آپ خلیفہ کے روبرو پیش ہوئے تو اس کے سوالات کا دنداں شکن جواب دے کر اہل دربار کو حیرت میں ڈال دیا۔ چنانچہ خلیفہ نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو مصر رخصت کیا۔

حضرت بایزیدؒ کا قول

جب آپ کے مراتب میں اضافہ ہونے لگا تو آپ کا کلام عوام کے اذہان سے بالاتر ہو گیا تو آپ کو سات مرتبہ بسطام سے نکالا گیا اور جب آپ نے نکالنے کی وجہ پوچھی تو کہا گیا کہ تم نہایت برے انسان ہو آپ نے فرمایا کہ جس شہر کا سب سے برا انسان بایزید ہو وہ شہر سب سے اچھا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت

آزمائش کے متعلق حضرت امیر علی ہمدانیؒ حضرت انس بن مالکؓ کی ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمانا چاہتا ہے تو پہلے اس کو اوصافِ بشری کی آلائشوں سے پاک کرتا ہے اور جب تک وہ مکمل طور پر پاک و صاف نہیں ہو جاتا وہ زہد و تقویٰ کے اعلیٰ درجوں پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ جب اس کو روحانیت اور ولایت میں رفعت عطا کرتا ہے تو پھر اس کو پے در پے آزمائشوں میں مبتلا کر دیتا ہے اس کو کبھی مادی طور پر تکالیف میں اور کبھی جسمانی طور پر مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے اور کبھی اس پر بلائیں نازل کر دیتا ہے اور جب وہ بیقراری اور بے چینی کا پُر درد سوز و نالا زبان پر لاتا ہے تو آسمانی فرشتے اس کے عروج کی سرعت اور تیزی کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں اور فرشتے اس

وقت خدا کی اس حکمت کے ادراک کو سمجھتے ہیں کہ اللہ نے مخلوق زمینی کو کس مقصد کے لیے پیدا کیا تھا اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرماتا ہے اے میرے پیارے بندے تو نے ہماری بندگی کی۔ ہم نے تجھے پے درپے تکالیف میں مبتلا کیے رکھا مگر تو نے صبر کا مظاہرہ کیا اب تیرے انعامات حاصل کرنے کا وقت آگیا ہے تو ہم سے انعامات حاصل کرے گا جس کا تصور بھی دنیا والے نہیں کر سکتے۔ میں تجھے مقام ارفع عطا کروں گا۔

بظاہر کسی اللہ والے کو تکالیف اور مصائب کا شکار دیکھ کر لوگ انگشت نمائی کرتے ہیں کہ یوں تو یہ شخص بڑا پارسا اور عبادت گزار تھا مگر اس پر خدا کا عذاب نازل ہو رہا ہے تو اندر سے یہ شخص ضرور گنہگار ہوگا مگر وہ حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے ولیوں کو موت سے قبل جسمانی اور دیگر تکالیف وعوارض کا شکار کر کے ان کا حساب دنیا میں ہی بیباق کر دیتا ہے تاکہ آگے چل کر ان سے کسی قسم کی پرسش نہ ہو اور ان کو اگلی دنیا میں جو مقام ملنے ہیں دنیا والے ان سے نہ صرف ناآشنا ہوتے ہیں بلکہ وہ اس مقام بلند کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔ تبھی وہ صرف نیک لوگوں کا مذاق اور ٹھٹھا اڑاتے ہیں کیونکہ ان میں شعور نہیں ہے۔

حکایت

حضرت جنید بغدادی کے مریدوں میں کلیب واصحاب کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ان کو جذام کی بیماری تھی اس وجہ سے وہ شہر چھوڑ کر جنگل میں زندگی گزارنے لگے ایک روز لوگوں نے سوچا، جنگل میں جا کر دیکھا جائے کہ کلیب کس طرح کی زندگی بسر کر رہے ہیں جب دیکھنے والے جنگل میں پہنچے تو انھوں نے سنا: "یا اللہ! میرا نام کتا ہے میرا جسم جذام سے گل گیا ہے اور کئی کئی دن کے فاقوں کے بعد مجھے کچھ کھانے کو مل جاتا ہے" اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اے میرے بندے! میں نے تیری باتوں کو سن لیا ہے۔ تکالیف اور مصیبت میں اپنوں کو مبتلا کر کے ان کی محبت کی آزمائش کی جاتی ہے۔ غیروں کو ہمیشہ سکھ اور سکون دیا جاتا ہے۔ خواجہ گیسو دراز فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو مقرب جانتا ہے ان کو کسی نہ کسی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور تکالیف میں گرفتار ہونے کے بعد جب بندہ حقِ بندگی ادا کرتا ہے تو پھر حق تعالیٰ فرشتوں کو مخاطب

کرتا ہے کہ دیکھو میرے بندے کو جس نے اتنی تکلیف و ابتلا میں بھی مجھ سے منہ نہیں موڑا۔ یوں اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کے درجات کو بلند تر فرما دیتا ہے۔

حکایت حضرت ابو سلیمان دارانیؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سال قصد کیا کہ تجرید کے ساتھ بیت الحرام کا حج اور حضور رسول اللہ ﷺ کے روضۂ مطہرہ کی زیارت کروں۔ دورانِ سفر مجھے راستے میں ایک عراقی ملا۔ وہ بھی اسی جذبے کے تحت سفر کر رہا تھا۔ جب سب رفیقِ سفر چلتے تھے تو وہ قرآن شریف کی تلاوت کرتا تھا۔ اور جب منزل پر اترتے تھے تو وہ نماز پڑھتا تھا اور باوجود اس کے دن کو روزہ رکھتا تھا اور رات کو تہجد پڑھا کرتا تھا اسی حالت میں وہ مکہ معظمہ تک پہنچا۔ اس کے بعد اس جوان نے مجھ سے جدا ہونا چاہا اور مجھے خدا حافظ کہا۔ میں نے کہا اے بیٹے! کس چیز نے تجھے ایسی آزمائش میں مبتلا کیا ہے؛ نوجوان عراقی نے کہا اے ابو سلیمان! مجھے ملامت نہ کرو۔ میں نے خواب میں جنت کا ایک محل دیکھا ہے۔ وہ ایک ایک چاندی کی اور ایک ایک سونے کی اینٹ سے بنا ہے۔ اسی طرح اس کے بالا خانہ اور درمیان بالا خانوں کے ایک ایسی حور تھی کہ کسی دیکھنے والے نے ایسے حُسن وجمال اور رونق والی صورتیں کبھی نہ دیکھی ہونگی۔ وہ زلفیں لٹکائے ہوئے تھیں ان میں سے ایک مجھے دیکھ کر مسکرائی تو اس کے دانتوں کی روشنی سے جنت روشن ہوگئی اور کہا اے جوان! اللہ کی راہ میں مجاہدہ اور کوشش کر تاکہ میں تیری ہو جاؤں اور تو میرا ہو جائے پھر میں بیدار ہوا۔ یہ میرا قصہ ہے اور یہ حال ہے۔ مجھے اے سلیمان! اس لیے ضرورت ہے کہ میں کوشش کروں اور زیادہ کوشش کروں۔ کوشش کرنے والا ہی کچھ حاصل کرتا ہے۔ یہ جو کچھ مجاہدہ میں نے دیکھا وہ ایک کی منگنی کی غرض سے تھا میں نے اس سے دعا کی درخواست کی۔ اس نے میرے واسطے دعا کی اور مجھ سے دوستی کی اور رخصت ہو کر چلا گیا۔ حضرت ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں میں نے اپنے نفس پر عتاب کیا اور کہا اے نفس بیدار ہو جا اور یہ اشارہ سن لے جو ایک بشارت ہے۔ جب ایک عورت کی طلب میں اتنی کوشش اور مجاہدہ ہے تو اس شخص کو جو حُور کے رب کا

طالب ہے، کس قدر مجاہدہ اور کوشش کرنی چاہیئے۔

حکایت حضرت ذوالنون مصریؒ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بعض اصحاب کو موت کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا کیا کہا؟ ان لوگوں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے بخش دیا اور آپ کی محبت کی وجہ سے ہمیں جنت میں داخل کر کے جنت میں مقامات دکھائے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں لیکن ان کہنے والوں کا چہرہ غمگین تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ میں تمھیں غمگین پاتا ہوں حالانکہ تم جنت میں داخل ہو چکے ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے ہو۔ انھوں نے ایک زور کی سانس لی اور کہا اے ذوالنون! قیامت تک ہم اسی طرح غمگین رہیں گے۔ میں نے پوچھا یہ کیوں؟ انھوں نے کہا، جب ہم جنت میں داخل ہوئے تو ہمیں مقامات علیین دکھائے گئے۔ ویسے ہم نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ جب ہم نے انھیں دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، اتنے میں ایک منادی نے آواز دی کہ اسے یہاں سے لوٹا کر لے جاؤ۔ یہ جگہ اس کے لیے نہیں ہے یہ ان لوگوں کے واسطے ہے جو سبیل کو اللہ کے راستے میں جاری کرتے ہیں۔ یعنی جب ان پر دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہے۔ پھر اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اگر تم بھی اس راستے پہ چلتے تو تمھیں بھی یہ رتبہ حاصل ہوتا۔

حضرت ابن عطاء کا قول حضرت ابن عطاءؒ کہتے ہیں کہ انسان کا صدق و کذب اس کی مصیبت اور شادمانی کے وقت ظاہر ہوتا ہے جو شخص شادمانی و خوشحالی میں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے مگر مصائب میں فریاد و فغاں کرتا ہے وہ جھوٹا ہے اگر کسی کو دو عالم کا علم عطا کر دیا جائے پھر اس پر مصائب کی یلغار ہو اور وہ شکوہ و شکایات کرنے لگے تو اسے اس کا یہ علم و عمل کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

نفسانی آزمائش کا قصہ حضرت غوث علی شاہ کا اوائل عمر میں معمول تھا کہ عموماً سیاحت میں رہتے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ سیاحت کرتے

ہوئے شہر بنارس میں پہنچ گئے، یہاں ان دنوں آپ کے ایک بھائی فیض الحسن رہا کرتے تھے جو کہ تھانیدار کے منصب پر فائز تھے۔ آپ کی ملاقات اپنے بھائی سے ہوئی تو ان سے مل کر آپ کو بہت خوشی ہوئی اور روح کو قرار ہوا۔ آپ کے بھائی نے کہا، غوث علی! تم قیام کہاں کر رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ بھائی! فقیر کا ٹھکانہ اللہ کے گھر کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس پر فیض الحسن نے کہا، لیکن میرے گھر کے ہوتے ہوئے ایسا نہیں ہو سکتا، آپ کو میرے گھر میں قیام کرنا پڑے گا۔

غوث علی نے فرمایا کہ بھائی! اس بات کا اتنا اصرار نہ کرو کیونکہ میں تمھارے گھر میں قیام نہیں کر سکتا۔ فیض الحسن نے آپ کی ضد کے آگے سر جھکا دیا اس کے بعد غوث علی ایک مسجد میں مقیم ہو گئے۔ جس کے ایک طرف گنگا (دریا) تھی اور دوسری طرف شارع عام تھی۔ آپ کے بھائی نے مسجد میں حاضری دی اور کہا، بھائی! آپ نے میری ایک بات نہیں مانی مگر دوسری بات ضرور ماننا پڑے گی۔

غوث علی نے کہا، کیا بات ماننا پڑے گی؟ تب آپ کے بھائی نے کہا کہ کھانا آپ کو میرے گھر کا کھانا پڑے گا بھلے آپ میرے گھر نہ رہیں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے تم روزانہ کھانا گھر سے بھجوا دیا کرو۔ میں کھا لیا کروں گا۔

فیض الحسن نے اس پر ہی بات ختم نہ کی بلکہ پھر کہا کہ ایک بات اور بھی آپ کو ماننا پڑے گی کہ میں روزانہ آپ سے ملاقات کے لیے آیا کروں گا۔ کہیں آپ مجھے دھتکار نہ دینا۔ آپ نے فرمایا کہ بصد شوق آیا کرو میں تمھیں ضرور ملوں گا۔

اس کے بعد فیض الحسن نے اپنا یہ دستور بنا لیا کہ روزانہ آپ کو کھانا بھجوا دیا کرتے تھے اور خود بھی ملاقات کے لیے آجایا کرتے تھے۔ غوث علی اس مسجد کے حجرے میں سارا سارا دن اور ساری رات زہد و تقویٰ کے لیے عبادت و ریاضت کرتے رہتے اور جب کبھی دل میں اداسی پیدا ہوتی تو مسجد کی دیوار کے ساتھ بیٹھ کر آنے جانے والوں کا تماشا دیکھتے رہتے۔ ایک دفعہ

اسی طرح آپ مسجد کی دیوار کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے ایک حسین مہ جبیں لڑکی کو ایک طرف جاتے دیکھا اس لڑکی کے اردگرد اور بھی لڑکیاں تھیں مگر وہ لڑکی سب سے زیادہ خوبصورت اور ان لڑکیوں میں ممتاز تھی اس لڑکی کو دیکھ کر آپ کے ہوش و حواس جاتے رہے آپ اس لڑکی کو دور تک دیکھتے رہے پھر تھکے تھکے مسجد میں اپنے حجرے کی طرف آ گئے پھر آپ نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ کیا تو اسی لیے بنارس آیا تھا کہ ساری عمر کی کمائی اس حسین، چنچل، شوخ و شریر نوخیز لڑکی پر نثار کر دے۔ آپ کی اس حالت کو دیکھ کر مسجد کے ملا نے کہا، حضرت! خیریت تو ہے آپ کی طبیعت اچھی معلوم نہیں ہوتی؟

آپ نے فرمایا طبیعت تو ٹھیک ہے۔ میں چلے میں بیٹھنے جا رہا ہوں اگر میرا بھائی مجھ سے ملنے آئے تو کہہ دیجئے گا کہ میں چلہ کاٹ رہا ہوں اب میرے لیے کھانا بھی نہ بھیجا کرے۔ میں مسجد کے کھانے پر ہی گزارا کروں گا۔ یہ کہہ کر آپ نفس کشی کے لیے حجرے میں بند ہو گئے اور اس برہمن زادی کا تصور کر کے بیٹھ گئے اور خدا تعالیٰ سے گریہ وزاری شروع کر دی۔ اس دوران آپ نے کھانے پینے کو، روزہ رکھنے کو، اس کے علاوہ نماز سب کو بالائے طاق رکھ دیا اور صرف اور صرف خدا کے آگے جھکے رہے۔ آپ بار بار یہی کہتے، میرے اللہ! میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیا مجھ سے سب کچھ چھن جائے گا صرف ایک نازک اندام کی وجہ سے۔ یا خدا! میں کیا کروں؟ مسلسل آٹھ دن کی گریہ زاری کے بعد آپ نے اس برہمن لڑکی کو دیکھا وہ مجسم نہیں تھی بلکہ وہ اس لڑکی کا مکمل ہیولا تھا وہ غوث علی کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا مگر وہ ہیولا دوسری جانب آ کر کھڑا ہو گیا۔

غوث علی نے طیش میں آ کر کہا تو کیا چاہتی ہے؟ مگر لڑکی پر کوئی اثر نہ ہوا اور مسلسل مسکراتی رہی، پھر آپ نے اس کو ڈانٹ دیا۔ چل دفع ہو جا یہاں سے، میں تجھ سے نفرت کرتا ہوں۔ اتنا کہنا تھا کہ وہ ہیولا فوراً غائب ہو گیا آپ نے سکون کا سانس لیا اور خدا کا شکر ادا کیا پھر اچانک دروازے پر کسی نے دستک دی۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ جواب میں کسی مرد نوجوان کی آواز آئی

آپ نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا اور آپ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس نوجوان کے ساتھ وہی لڑکی نازک اندام، پری چہرہ کھڑی ہے۔ نوجوان کے ہاتھ میں شیرینی کی تھالی تھی۔ ان دونوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے انھیں اجازت دے دی۔ آپ نے نوجوان کو بغور دیکھا۔ وہ بھی بہت حسین تھا۔ آپ نے ان دونوں سے فرمایا کہ تم کون لوگ ہو اور یہاں کس غرض سے آئے ہو؟ لڑکی نے جواب دیا کہ میں کوشلیا ہوں ایک برہمن کی بیٹی اور یہ میرا پتی ہے۔ ہمیں اولاد درکار ہے اس لیے آپ سے دعا منگوانے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ امید ہے کہ آپ ہمیں مایوس نہیں لوٹائیں گے۔

آپ نے لڑکی سے پوچھا کہ تیری شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ صرف ایک سال۔ آپ نے فرمایا، تو پھر فکر کیوں کرتی ہے؟

لڑکی غوث علی کی طرف بغور اور مسلسل دیکھے جا رہی تھی۔ لگتا تھا وہ غوث علی سے کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہے۔ غوث علی نے نوجوان سے کہا کہ تم ذرا باہر جاؤ میں اس لڑکی سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ نوجوان فوراً باہر چلا گیا۔ نوجوان کے جانے کے بعد آپ نے فرمایا، ہاں! اب بتا تو میرے پاس کیونکر آئی تھی اور کیا چاہتی ہے؟

لڑکی نے کہا کہ مجھے اولاد چاہیئے میاں جی! آپ نے فرمایا کہ میں نے کہا جو ہے کہ اولاد مل جائے گی تو اس میں پریشان کیوں ہوتی ہے؟ لڑکی نے شرما کر جواب دیا کہ میں اولاد ضرور چاہتی ہوں مگر اپنے شوہر سے نہیں۔

آپ شش و پنج میں پڑ گئے۔ آپ نے محسوس کیا کہ آپ کے اندر ہیجان کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ کسی نے دل سے کہا، غوث علی! اب بتا تو کیا چاہتا ہے۔ لڑکی نے تو اپنے دل کی بات بتا دی ہے؟ اس پر آپ کے دل نے جواب دیا کہ میں اس کو بیوی تو نہیں بنا سکتا کیونکہ میری عمر اس وقت پینتالیس سال ہے اور یہ ابھی سولہ سترہ برس کی ہے۔

نفس نے ورغلایا کہ اس کے علاوہ بھی تو کوئی صورت ہو گی لیکن دل نے کہا کہ مجھے کوئی صورت

منظور نہیں۔ نفس نے دوبارہ کوشش کی کہ اگر اور کچھ نہیں تو بہن ہی بنا لے، مگر دل نے کہا نہیں ایسا تو ممکن ہی نہیں کیونکہ میں نے خدا کو پانے کے لیے اپنے حقیقی بہن بھائیوں کو چھوڑ دیا ہے، تو اس لڑکی کو میں کیسے بہن بنا سکتا ہوں۔ نفس نے کہا کہ ایسے اچھے مواقع بار بار نہیں آتے ابھی فائدہ اٹھا لے۔ دل نے جواب دیا بے شک بربادی کے ایسے اچھے مواقع بار بار نہیں آتے۔

اب میں ایک بڑی آزمائش سے گزر کر کامران ہوا۔

لڑکی نے پوچھا کہ میاں جی! کیا سوچنے لگے، کچھ بولیے بات کیجیے۔ آپ فوراً اپنی ہیجانی حالت سے آزاد ہوئے اور جا کر اس لڑکی کے شوہر کو اندر بلا لیا اس کے بعد ایک تعویذ انھیں لکھ کر دیا اور فرمایا، جا اللہ نے چاہا تو ضرور کامیابی ہو گی۔

لڑکی نے حسرت سے آپ کی طرف دیکھا اور کہا بس یا اور کچھ؟ آپ نے فرمایا بس اتنا ہی تم لوگوں کے لیے کافی ہے۔ لڑکی کو قرار نہیں آ رہا تھا، بولی، اب کب آؤں؟ آپ نے فرمایا اب تمھیں یہاں آنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ لڑکی اس جواب سے مطمئن نہ ہوئی اور اپنے شوہر کی طرف دیکھا، شوہر نے کہا میاں جی! کیا دوبارہ آنے کی اجازت نہیں دیں گے؟ آپ نے فرمایا ویسے آنا چاہو تو آ جایا کرو میں ملاقات کر لوں گا۔

نوجوان نے کہا ویسے آپ کا مستقل قیام کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا میرا مستقل قیام کہیں بھی نہیں بس جہاں مل گئے مل گئے۔ لڑکی نے کہا میاں جی! میں آپ سے ایک بار اور ملنا چاہتی ہوں آپ نے فرمایا تیری مرضی ہے جب چاہے آ جانا اگر موجود ہوا تو مل لوں گا۔

آپ نے ان دونوں کو رخصت کر دیا مگر نفس نے آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ کہنے لگا غوث علی! تو نے جس سے پیچھا چھڑایا ہے وہ اتنی جلدی تیرا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں ہی اس کو منہ نہیں لگاؤں گا تو وہ میرا کیا بگاڑے گی۔ اس کے بعد آپ نے فوراً بنارس کو خیرباد کہہ دیا اور چالیس میل دور جا کر قیام کیا۔

کچھ دنوں بعد مسجد کے آگے ایک یکہ آ کر رکا۔ اس میں سے دونوں میاں بیوی، جو بنارس

میں غوث علی کے پاس آئے تھے، اترے، لڑکی کا چہرہ بجھا ہوا تھا، اداسی، مایوسی، کرب و اضطراب سے وہ مجسمۂ حرمان ویاس بنی ہوئی تھی۔ آتے ہی کہنے لگی، میاں جی! آپ بغیر بتائے کیوں یہاں چلے آئے؟ آپ نے فرمایا، بھئی! میں نے تم لوگوں سے وعدہ تو نہیں کیا تھا کہ میں ہمیشہ بنارس میں ہی رہوں گا۔

اس لڑکی نے آپ کو واپس بنارس چلنے کے لیے اصرار کیا آپ نے فرمایا یہ میرے سفر کی ایک اہم کڑی ہے اس کے علاوہ میں نے کچھ اہم کام یہاں پر نمٹانے ہیں اس لیے میں بغیر کام ختم کیے بنارس نہیں جا سکتا۔ اس پر لڑکی نے کہا کہ پھر آپ بنارس کب تشریف لائیں گے؟ آپ نے فرمایا جب اللہ کو منظور ہوگا۔ اوران دونوں کو بھیجنے کے بعد آپ نے فوراً اس علاقے کو چھوڑ دیا اور لکھنؤ کی طرف روانہ ہو گئے۔

حکایت حضرت جنید بغدادیؒ کو تصوف میں بلند مقام حاصل تھا، خلیفۂ وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے درباری ہمیشہ حضرت کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے اور خلیفہ کے روبرو حضرت کی کرامات کو کرشمہ سازی اور عوام کی گرویدگی کو حکومت کے خلاف بتلاتے تھے۔ خلیفہ کو بھی تشویش ہوئی اور اس نے حضرت کی آزمائش کے لیے ایک ترکیب سوچی، اپنی ایک منتخب حسین وجمیل کنیز سے کہا، جو حسن وجمال اور علم وفضل میں یگانۂ روزگار تھی، کہ وہ بہترین لباس اور زیورات سے آراستہ ہو کر حضرت کے پاس جائے اور بے نقاب ہو کر ان کے قدموں پر سر رکھ دے اور پھر ان سے کہے کہ میرے پاس مال ودولت کی کمی نہیں ہے مگر میرا دل دنیا سے بیزار ہو گیا ہے اب میں آپ کی کنیز بن کر رہنا چاہتی ہوں، مجھے اپنے قدموں میں جگہ دیجئے۔ اس طرح وہ حضرت جنید کو اپنی جانب مائل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ کنیز نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی۔ اور ایک خدمتگار کے ہمراہ حضرت کے حجرے پر پہنچی تو حضرت کو یاد الٰہی میں مستغرق پایا، خدمتگار نگاہوں سے اوجھل کھڑا رہا۔ حضرت نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کون شخص حجرے میں داخل ہوا ہے نگاہ اوپر اٹھائی لیکن فوراً ہی ایک نوخیز مہ جبین کو دیکھ کر سر جھکا لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ کنیز نے

انتہائی شائستگی اور تہذیب کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا اور جب حضرت سے اپنے عشق کا حال کہنا شروع کیا تو حضرت نے سر اٹھایا، دو مرتبہ آہ آہ زبان سے فرمایا اور اس کنیز پہ ایک نظر ڈالی۔ وہ زمین پہ گر پڑی اور فوراً اس کا دم نکل گیا۔

ایمان کی حلاوت

حضرت جنید بغدادی رح کا قول ہے کہ مصائب عارفین کا چراغ، مریدین کی بیداری، مومن کی اصلاح اور غافلوں کے لیے ہلاکت ہیں۔ مومن مصائب پر صبر کیے بغیر ایمان کی حلاوت کو نہیں پا سکتا۔

حکایت

ایک دفعہ خراسان کے رہنے والے دو درویش اکٹھے سفر کر رہے تھے۔ ایک دُبلا پتلا کم خور تھا اور دوسرا موٹا تازہ بسیار خور تھا۔ اتفاق سے دونوں ایک شہر میں جاسوسی کے الزام میں پکڑے گئے اور ایک ہی جگہ مقید کر دیے گئے۔ چند دن کے بعد معلوم ہوا کہ بے گناہ ہیں، انھیں رہا کرنے کے لیے قید خانہ کا دروازہ کھولا گیا تو لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ موٹا درویش مر چکا تھا اور دُبلا درویش زندہ و سلامت موجود تھا۔ ایک دانا نے کہا کہ یہ تو عین قانونِ فطرت کے مطابق ہوا۔ ہاں اگر اس کے برعکس ہوتا تو حیرت کی بات تھی۔ موٹا بہت کھانے والا تھا۔ فاقہ کی مصیبت برداشت نہ کر سکا اور ہلاک ہو گیا، دوسرا کم خور تھا اپنی عادت کے مطابق صبر کیا اور زندہ بچ نکلا۔

چوں کم خوردن طبیعت شد کسے را ۔۔۔ چوں سختی پیشش آید سہل گیرد

وگر تن پرورست اندر فراخی ۔۔۔ چوں تنگی بیند از سختی بمیرد

(اگر کسی شخص کو کم کھانے کی عادت ہو تو جب سختی پیش آتی ہے اسے سہہ لیتا ہے اور اگر آسودہ حالی میں تن پرور اور آرام طلب ہو تو تنگ دستی کی مصیبت نہیں سہہ سکتا اور ہلاک ہو جاتا ہے)

حکایت

روایت ہے کہ پہلے زمانے میں ایک مومن اور کافر مل کر مچھلیوں کا شکار کرنے چلے۔ کافر نے اپنے خداؤں کا نام لے کر جال ڈالا اور نکالا تو بہت سی مچھلیاں ہاتھ

لگیں۔ اور مومن نے اپنے اللہ کا نام لے کر جال ڈالا مگر اسے کوئی مچھلی ہاتھ نہ لگی۔ حتیٰ کہ غروب کے قریب ایک مچھلی پکڑی مگر وہ بھی ہاتھ سے نکل کر پانی میں چلی گئی اور مومن خالی ہاتھ واپس لوٹا جبکہ کافر اپنا زنبیل بھر کر لا رہا تھا۔ اس واقعہ سے اس فرشتہ کو بھی افسوس ہوا جو مومن کے ساتھ مقرر تھا مگر جب وہ آسمان کی طرف گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بہشت میں مومن کا ٹھکانہ دکھایا اس پر وہ فرشتہ کہنے لگا خدا کی قسم! یہ ٹھکانا مل جانے کے بعد اس مومن کو جو بھی آفت اور پریشانی آئے اس کا کوئی حرج نہیں پھر اسے کافر کا ٹھکانہ دوزخ میں دکھایا گیا تو کہنے لگا خدا کی قسم! اس ٹھکانے کے بعد دنیا میں اسے جو کچھ بھی مل جائے اس کا کچھ فائدہ نہیں۔

حکایت ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مصر میں ایک دیوانہ تھا جس کی گردن میں طوق اور زنجیر تھی اور پاؤں میں بیڑیاں۔ اسی حالت میں وہ قبرستان میں بیٹھا تھا کہ شیخ الاسلام ابو علی فارمدیؒ پاس سے گزرے تو فرمایا کہ مردِ خدا! ذرا ادھر آنا۔ جب آگے بڑھا تو پاس آکر کہا کہ جب آج رات یادِ الٰہی میں مشغول ہو تو دوست کو میرا یہ پیغام دینا کہ میرا گناہ صرف یہی تھا کہ میں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ میں تجھے دوست رکھتا ہوں۔ سو اس کے عوض تو نے مجھے طوق اور زنجیر اور بیڑیاں پہنائیں مجھے تیرے عزّ و جلال کی قسم کہ اگر تو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کی مصیبتوں کو طوق بنا کر میرے گلے میں ڈال دے تو اور تمام جہان کو بیڑیاں بنا کر میرے پاؤں میں پہنا دے تو بھی تیری محبت میرے دل سے ذرہ بھر کم نہ ہوگی۔ خواجہ صاحب اس بات پر زار زار روئے۔

حکایت حضرت عروہ بن زبیر، عبدالملک کے پاس گئے ہوئے تھے۔ ایک روز وہ اپنے لڑکے کو ہمراہ لے کر شاہی اصطبل دیکھنے گئے یہ لڑکا ایک گھوڑے پر سوار ہوا جس نے اسے پٹخ دیا اور اس کے صدمے سے وہ جاں بحق ہوگیا۔ اس کے بعد ہی عروہ کے پاؤں میں ایک نہایت زہریلا پھوڑا ہوگیا۔ اطباء نے کہا پاؤں کاٹ دینا چاہیئے ورنہ زہر سارے جسم میں پھیل کر ہلاکت کا باعث ہوگا۔

حضرت عروہ نے اپنا پاؤں کٹوانے کے لیے بڑھا دیا۔ طبیب نے کہا تھوڑی سی شراب پی لیجئے تاکہ تکلیف کا احساس کم ہو۔ حضرت عروہ نے جواب دیا کہ جس مرض میں مجھے صحت کی امید بھی ہو، میں اس میں بھی حرام شئے سے مدد نہیں لوں گا۔ طبیب نے اوزاروں سے پاؤں کاٹ دیا۔ حضرت عروہ نہایت استقلال سے بیٹھے رہے اور زبان تسبیح و تہلیل میں مشغول رہی جب خون بند کرنے کے لیے زخم کو داغا گیا تو درد کی شدت سے بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو کٹا ہوا پاؤں منگا کر دیکھا اور الٹ پلٹ کر اس سے فرمایا:۔

اس ذات کی قسم! جس نے تجھ سے میرا بوجھ اٹھوا لیا۔ اس کو خوب معلوم ہے کہ میں تیرے ساتھ کسی حرام راستے پر گامزن نہیں ہوا۔

بیٹے کے انتقال اور پاؤں کٹنے کی مصیبت پر بھی اللہ کا شکر کرتے اور کہتے اللہ تیرا شکر ہے کہ میرے چار ہاتھ پاؤں میں سے تو نے ایک ہی لیا اور تین باقی رکھے، اگر تو نے کچھ لیا ہے تو بہت کچھ باقی رکھا ہے اگر کچھ مصیبت میں مبتلا کیا ہے تو بہت دنوں عافیت میں بھی رکھ چکا ہے۔ (یاد ماضی ص ۲۷)

ایک صوفی کا قول

ایک صوفی کا قول ہے کہ میں معرضِ آزمائش میں ہوں، مصیبت میں ہوں لیکن اس آزمائش اور مصیبت میں بھی میں شکایت کا مرتکب نہیں ہوں۔ میرا مدعا اور منشا آپ پر واضح ہے تو ہی میری منزل اور مراد ہے۔ من و سلویٰ میری مراد نہیں ہیں اے اللہ! اگر تو مجھے دنیا و عقبیٰ دونوں بھی دے دے تو میں ان کا طلبگار نہیں ہوں میں ان دونوں جہانوں کے بجائے اپنے مولیٰ پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں۔ وہی میری منزل اور مراد ہے۔

عارف کی ثابت قدمی

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ عارف ہر آزمائش میں ثابت قدم رہتے ہیں وہ ہر بلا اور آزمائش کو بھی اپنے اللہ کی طرف ہی سے ایک نعمت اور ایک تحفہ سمجھتے ہیں۔ فتنہ اور شر سے بچتے ہیں اور اپنے پروردگار

سے اپنا رشتہ برقرار اور قائم رکھتے ہیں۔

حضرت سیّد عبدالقادر جیلانیؒ کا ارشاد

آپ کا ارشاد ہے کہ جب بندہ مصیبتوں اور بلاؤں میں گرفتار ہوتا ہے تو شروع میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے خود کوشش کرتا ہے لیکن جب اس طرح مقصد براری نہیں ہوتی تو بادشاہ سے، عہدیداروں سے اور دوسرے دنیاداروں اور مالداروں سے مدد مانگتا ہے۔ بیماری وغیرہ کے سلسلے میں طبیبوں سے رجوع کرتا ہے۔ جب تک اپنی کوشش پر اعتماد ہوتا ہے مخلوق سے رابطہ قائم نہیں کرتا۔ پھر جب تک مخلوق سے اعانت و مدد کی امید ہوتی ہے حصولِ امداد کے لیے اپنے خالق کی طرف توجہ نہیں کرتا مگر جب خالق کی طرف سے اس کی مدد نہیں ہوتی تو سوال، دعا، آہ و زاری اور حمد میں مصروف ہو جاتا ہے اور بیم و رجا کی اسی کیفیت میں دعا کناں ہوتا ہے۔ پھر جب خداوند تعالیٰ اسے اتنا عاجز کر دیتا ہے کہ اس کی دعا کو شرفِ قبول نہیں بخشتا اور تمام ظاہری اسباب اس سے چھن جاتے ہیں تو قضا و قدر کے احکام الٰہی اس پر نافذ ہوتے ہیں اور وہ تمام اسبابِ ظاہری سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ فنا ہو کر صرف روح کی صورت میں باقی رہتا ہے تو وہ خدا کے احکام کے سوا کچھ نہیں دیکھتا اور یقین اور توحید کی اس منزل میں داخل ہوتا ہے کہ اسے صرف اور صرف خدا تعالیٰ کے فاعلِ حقیقی، حرکت و سکون کا خالق، برائی اور نفع نقصان کا مالک ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ وہی عطا کرنے والا یا نہ کرنے والا، عزت و ذلت دینے والا اور موت و حیات کا مالک ہے۔ اس طرح وہ قضا و قدر کی اس منزل میں آ جاتا ہے جیسے دائی کے ہاتھ میں بچہ، غسال کے ہاتھ میں مردہ یا چوگان کھیلنے والے کے سامنے گیند ہوتا ہے۔ اس کیفیت میں اس کی حرکت و سکون، ایک حال سے دوسرے حال پر جانا یا ایک فعل سے دوسرے پر تبدیل ہونا اس کی قدرت میں نہیں رہتا۔ اس طرح بندہ اپنے مالک حقیقی کے احکام و افعال میں اس طرح فنا ہو جاتا ہے کہ اس کی نگاہِ قدرت سے دیکھتا ہے اس کے کلام، علم اور نعمت سے سنتا اور جانتا ہے۔ خدا کی بات اور علم کے سوا کچھ سننے کو آمادہ نہیں ہوتا۔ اس کی نعمتوں سے بہرہ مند

ہو کر اس کے قریب ہونے کی سعادت پاتا ہے اس کے وعدوں سے تسکین و اطمینان کی دولت اسے نصیب ہوتی ہے۔ خدا کے ذکر سے محبت اور کسی دوسرے کے تذکرہ سے وحشت محسوس کرتا ہے اس طرح جب وہ قبائے معرفت سے ڈھانپ دیا جاتا ہے وہ اسرار خداوندی کے علوم پالیتا ہے اور ان نعمتوں کے حصول پر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کی تحمید و تعریف میں لگ جاتا ہے

(فتوح الغیب)

حضرت رابعہ بصریؒ کا طریقہ کار حضرت رابعہ بصریؒ کا یہ طریقہ تھا کہ جب آپ پر کوئی بلا نازل ہوتی تو آپ خوشی مناتیں اور کہتیں کہ آج اس بڑھیا کو دوست نے یاد کیا ہے اور جس روز مصیبت نازل نہ ہوتی تو آپ رو کر کہتیں کہ آج کیا ہو گیا اور مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی کہ دوست نے اس بڑھیا کو یاد نہیں کیا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ارشاد آپ نے فرمایا ہے کہ جس روز ہم پر دوست کی طرف سے مصیبت نازل نہیں ہوتی ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ آج نعمت ہم سے چھن گئی اس واسطے کہ راہ سلوک میں دوست کی رحمت دوست کی مصیبت ہوتی ہے۔

باب ۶

رضائے الٰہی

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اس نے ہر انسان کے لیے زندگی بھر کا ایک اندازہ لگا رکھا ہے جسے قضائے الٰہی کہا جاتا ہے۔ اللہ کے اس اندازہ شدہ پروگرام کو مانتے ہوئے اللہ کی ہر بات پر راضی رہنا رضائے الٰہی کہلاتا ہے۔ اللہ کے ہر کام پر راضی رہنا اور اسے دل سے تسلیم کر لینا تصوف میں بڑا بلند مقام ہے بلکہ ولایت کی منزلوں میں سے بڑی اہم منزل ہے اس سے بڑھ کر انسان کی سعادت مندی اور کیا ہوگی کہ اللہ نے انسان کے لیے جو پروگرام بنا رکھا ہے بندہ اسے دل و جان سے قبول کر لے۔ راہِ سلوک میں اللہ کے بندوں کو جو قرب اور محبت کا مقام حاصل ہوتا ہے اسی سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ اہلِ محبت ہی کا یہ وصف ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے ہر کام سے راضی رہتے ہیں۔

اللہ کی رضا اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر ذرہ بھر اعتراض نہ کیا جائے نہ دل میں کوئی شک و شبہ پیدا کیا جائے اور نہ زبان پر شکوے والی کوئی بات لائی جائے مصائب اور تکلیفوں کو انتہا درجے تک برداشت کیا جائے بلکہ اللہ کی محبت میں اپنے آپ کو اللہ کا اس حد تک مطیع و فرمانبردار بندہ بنا لے کہ اسے مصائب کا احساس ہی نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس میں بہتر گمان رکھے کہ جو وہ کر رہا ہے بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں اپنی مخلوق کی بہتری ہی چاہتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جو بھی اپنے بندوں کے لیے پروگرام بنا رکھا ہے وہ ہر حال میں انسان کے لیے کامل اور بہتر ہے۔ انسان بظاہر تکلیفوں کو بہت برا سمجھتا ہے مگر وہ کسی نہ کسی صورت میں انسان ہی کے لیے اچھا ہوتا ہے جیسا کہ کڑوی دوائی بظاہر بری لگتی ہے مگر اس سے شفا پائی

جو ملتی ہے وہ تو بہتر ہوتی ہے اس لیے اللہ کے بندے سچے دل سے اس پر یقین کر لیتے ہیں کہ جو اللہ سے مل جائے اس پر راضی رہا جائے اگر کوئی تکلیف یا صدمہ آجائے تو اس کا اجر بہت بہتر انداز میں اللہ سے مل کے رہتا ہے اس لیے عارضی تکالیف رضائے الٰہی کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔

طالبانِ معرفت کے لیے رضائے الٰہی بہت ضروری ہے جو اس کو نہیں اپنائے گا وہ اللہ کی معرفت نہیں پا سکے گا اس لیے عارف اپنے مریدوں کو پہلا سبق یہی دیتا ہے کہ اللہ کی رضا پر ہر حال میں راضی رہو کیونکہ راضی برضا رہنے ہی سے اللہ کا خاص بندہ بنتا ہے۔ رضا میں سکون ہی سکون ہے لہٰذا تقدیر کے ہر فیصلے پر خوشی محسوس کرنی چاہیئے کیونکہ جب بندہ ہر لحاظ سے اللہ پر راضی رہنے کا اظہار کرتا ہے تو اللہ اپنے اس بندے سے راضی ہو جاتا ہے اس لیے اس سے بہت جلد قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے مگر رضائے الٰہی پر عملی طور پر ثابت قدم رہنا بڑا مشکل ہے یہ مقام بہت کم عارفوں کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ بندہ تکالیف پر کسی نہ کسی بات پر اللہ سے کسی چیز کا اظہار کر دیتا ہے جس سے رضائے الٰہی کے مقام سے گر جاتا ہے لہٰذا بڑا سنبھل کر چلنا چاہیئے کہ کہیں ذرا سی کوتاہی سے ساری عمر کا زہد و تقویٰ برباد نہ ہو جائے۔

رضائے الٰہی حاصل کرنے اور اس پر قائم رہنے کا آسان ترین ذریعہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بندے کے لیے جو کچھ اختیار کیا ہے اس پر دل سے مطمئن رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کے لیے پسند کیا ہے اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے لہٰذا اس پر ہر حال میں راضی رہتے اور کبھی ناگواری نہ کرنے سے رضا حاصل ہو جائے گی۔

اس لیے اے میرے دوست! سب سے اچھی بات تو یہی ہے کہ دل سے دنیا کی ہوس کو نکال دو، جو اللہ دے اسی پر راضی ہو جاؤ تو اللہ بہت جلد راضی ہو جائے گا اور اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا پھر دین و دنیا میں کسی چیز کی کمی نہ رہے گی۔

احکامِ الٰہی

رضائے الٰہی کی انتہا تک پہنچنے کے لیے بہت سے خطرات سے گزرنا ہوتا ہے اور جب یہ مقام آجاتا ہے کہ بندہ ہر حال میں اپنے اللہ سے راضی ہوجاتا ہے تو اللہ بھی اس سے راضی ہوجاتا ہے کیونکہ پروردگارِ عالم نے خود فرمایا ہے کہ

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ط اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ہ یہ عظیم کامیابی ہے۔ (پ ۷، مائدہ ۱۱۹)

حضرت علی ہجویریؒ کا قول ہے کہ خدا کا راضی ہونا یہ ہے کہ وہ بندے کی خوش اعمالی پر ازراہِ اجر اسے کرامت اور عزت عطا کرے۔ بندے کا راضی ہونا یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے احکام پر سرِ تسلیم خم کرے اور اوامر کو بجالائے۔ خدا کا راضی ہونا مقدم ہے کیونکہ جب تک اس کی رضا نہ ہو کوئی انسان اس کے احکام بجالانے کی توفیق نہیں رکھ سکتا۔ انسانی رضا کا تعلق رضائے خداوندی سے ہے بلکہ وہ صورت پذیر ہی نہیں ہوسکتی جب تک اس کی رضا شاملِ حال نہ ہو۔ القصہ رضائے بندہ فیصلۂ حق کو بطیبِ خاطر قبول کرنے کا نام ہے عطا ہو یا ضبط۔ اور حالات پر سرِ تسلیم خم کرنے کو کہتے ہیں جلال ہو یا جمال۔ اہل رضا کے لیے غضب کی آگ میں جل بجھنا یا رحم و کرم کے نور میں چمک اٹھنا یکساں ہے غضب ہو یا رحم، ہر چیز اسی کی مظہر ہے۔ اور دل نشیں ہے۔

مہاجرین اور انصار نے دل و جان سے اللہ تعالیٰ کے احکام تسلیم کرنے میں جانفشانی کا ثبوت دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں ان سے راضی ہوا۔ کیونکہ انھوں نے جو کچھ کیا میری رضا کے لیے کیا

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ مہاجرین اور انصار میں پہلے ایمان لانے والوں میں

الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ جنھوں نے سبقت کی اور جن لوگوں نے بطورِ احسان

اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔

ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ ان کے لیے جنت بنائی گئی ہے کہ جس میں نہریں بہتی ہیں، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

(پ ۱۱، توبہ ۱۰۰)

اللہ تعالیٰ نے ابتدائی مسلمانوں کے لیے یہ راستہ اختیار کیا کہ وہ اس مقام کو پسند کریں، جسے اللہ نے پسند کیا ہے لہٰذا مہاجرین اللہ کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ کر چلے گئے۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے آ گئے اور بالکل پر سکون رہے یعنی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند فرمایا انھوں نے اسے تسلیم کر لیا، یہی تسلیم دراصل رضا ہے اور اس کا اجر جنت ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے رضا کو یوں بیان کیا ہے،

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔

اللہ تعالیٰ نے مومن مرد اور عورتوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے جس میں نہریں ہیں وہ اس میں رہیں گے جو جنت عدن ہے جس میں پاکیزہ رہائش ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی ہے یہ ان کے لیے بہت بڑی کامیابی ہے۔

(پ ۱۰، توبہ ۷۲)

رضائے الٰہی کا حاصل ہو جانا بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ حصولِ رضا کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے ہر وہ کام کر دیتا ہے جو بندے کی بہتری میں ہوتا ہے۔

شیخ یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ رضا کے سلسلہ میں تمام باتیں ان دو بنیادوں کی طرف آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ خدا تمھارے ساتھ کیا کرتا ہے اور دوسری یہ کہ تمھاری روش خدا کے ساتھ کیا ہے۔ پس تمھارا عمل یہ ہونا چاہیے کہ تم خداوند تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہو اور اپنے کاموں میں خلوص

اختیار کرو۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

مہاجر فقرار جو اپنے گھر اور مال سے جدا کر دیئے گئے، کیونکہ انھوں نے اللہ کی رضا تلاش کی، انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کی، وہی صدیق ہیں۔

(پ ۲۸۔ حشر ۸)

رضائے الٰہی کا ایک انعام مقام صدیقیت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے ہوئے ایک مقام ایسا آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی زبان پر خود بولنے لگ جاتا ہے یعنی جو بات وہ منہ سے نکالتا ہے اسے سچ کر دیتا ہے ایسے شخص کے ہر قول میں سچائی آجاتی ہے۔

رضائے الٰہی کا ایک اور انعام جنت عدن ہے جس کے متعلق ارشاد باری ہے۔

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۝

اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اجر جنت عدن ہے جس میں نہریں بہتی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ صلہ اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

(پ ۳۰۔ البیّنہ)

رضائے الٰہی حاصل ہونے سے ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی مل جاتی ہے اور یہ زندگی جنت عدن کی زندگی ہے۔ رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان اس کی راہ میں دینی پڑتی ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اپنی جان کو بیچ دیتا ہے اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے (پ ۲، البقرہ ۲۰۷)

جہاد میں بھی رضائے الٰہی ہے لہٰذا جو شخص اللہ کے دین کو پھیلانے کے لیے صرف اس غرض سے جہاد کرتا ہے کہ اللہ راضی ہو جائے تو اللہ راضی ہو جاتا ہے لہٰذا جو کچھ کیا جائے وہ صرف اللہ کے لیے کیا جائے ایک بزرگ کا قول ہے کہ رضا بالحق بھی ہے اور رضا للحق اور رضا عن الحق بھی۔ رضا بالحق یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اس کے اختیار پر راضی رہے۔ رضا للحق یہ ہے کہ اس کے معبود اور پروردگار ہونے پر راضی رہے۔ رضا عن الحق یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معطی (عطا کرنے والا) اور قاسم جانے۔

مزید ارشاد الٰہی ہے کہ:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝

ان کے آگے اور پیچھے والی ہر بات کو جانتا ہے اور وہ ہرگز سفارش نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ وہ جن سے راضی ہوا اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے ہیں۔ (پ ۱۷، انبیاء ۲۸)

کسی کے حق میں دعا کرتے وقت بھی رضائے الٰہی کو مدنظر رکھنا چاہیئے کیونکہ اچھی سفارش وہی ہے جس میں رضائے الٰہی کو مدنظر رکھا جائے کیونکہ جب انسان اللہ کی مرضی کو سمجھ لیتا ہے تو اپنی مرضی سے دستبردار ہو جاتا ہے اور ہر بات کو اللہ پر چھوڑ دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ کے حضور میں التجا کی کہ یا باری تعالیٰ! وہ کام بتا جسے میں سرانجام دوں اور تیری رضا حاصل کر سکوں۔ حکم ہوا اے موسیٰ! یہ تیرے دائرہ امکان سے باہر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر گئے، تضرع کیا، وحی کا نزول ہوا کہ اے ابن عمران! میری رضا اس میں ہے کہ تو میرے حکم پر سر تسلیم خم کرے۔ یعنی آدمی جب راضی برضائے حق ہو جاتا ہے تو اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔

فضیلت رضائے الٰہی

آزمائش اور رضا

حضرت انس رضؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑا مرتبہ بڑی آزمائش سے ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت فرماتا ہے تو اس کو ابتلا میں ڈال دیتا ہے تاکہ جو اس پر صابر و شاکر ہو اس کے لیے رضائے الٰہی ہے اور جو ناشکری اور غصہ کرے اس کے لیے غضب الٰہی ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

صرف اللہ کے لیے عمل

حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا نبی اللہ میں کوئی عمل صرف خدا کے لیے کرتا ہوں لیکن لوگ اس سے واقف ہو کر میری تعریف کرتے ہیں جو مجھے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا تیرے لیے دگنا اجر ہے ایک پوشیدگی کا اور ایک اعلان کا۔

آدمی کی سعادت رضا میں ہے

حضرت سعد رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی سعادت اس میں ہے کہ اس پر راضی رہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر فرمایا اور آدمی کی بدبختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھلائی مانگنا چھوڑ دے اور اس میں آدمی کی بدبختی ہے کہ اس پر ناراض ہو، جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے فیصلہ فرمایا ہے۔ (احمد، ترمذی)

صرف اللہ کے لیے محبت

حضرت ابوہریرہ رضؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کسی دوسری بستی میں اپنے بھائی کی زیارت کے لیے چلا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے پر ایک فرشتہ مقرر کیا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے کہا، کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا اس بستی میں اپنے ایک بھائی کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا کیا اس کا تجھ پر کچھ احسان ہے جس کا بدلہ دینا چاہتا ہے؟ اس نے

کہا نہیں بلکہ اس سے محض اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا میں تیرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لے کر آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرتا ہے جس طرح تو اس شخص سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت کرتا ہے۔ (بخاری)

اللہ کا ضابطہ

حضرت انس رض کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جتنی بڑی مصیبت ہوتی ہے اتنا ہی بڑا ثواب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔ جو خدا سے خوش رہے تو وہ بھی اس سے خوش رہتا ہے اور جو اس سے خفا ہو تو خدا بھی اس سے خفا ہو جاتا ہے (ابن ماجہ)

اللہ کی رضامندی

حضرت ابوذر رض فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے کوئی کام کرتے ہیں لیکن اس عمل کی وجہ سے لوگ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں تو آپ نے فرمایا یہ مومن کے لیے دنیا ہی میں خوشخبری ہے۔ (ابن ماجہ)

اظہارِ تعجب

حضرت عبداللہ بن مسعود رض روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب کریم نے دو افراد کے بارے میں تعجب کا اظہار فرمایا ہے ایک تو وہ جو سردی کے موسم میں نرم بستر اور لحاف اور اپنے اہل کے پاس سے اٹھا تو اس کے بارے میں رب تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے۔ فرشتو! دیکھو یہ شخص نرم بستر، لحاف اور اہل کے پاس سے اس چیز کے لیے جو میرے پاس ہے اٹھا ہے اس کو اس چیز سے خوف آیا ہے جو میرے قریب ہے۔ دوسرا وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور ساتھیوں کے ساتھ شکست کھا کر بھاگ گیا اور جب اس کو جنگ سے بھاگنے کے گناہ کا علم ہوا تو وہ پلٹا اور جنگ میں شریک ہو کر جان دیدی تو اللہ اس کے بارے میں فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو وہ میرے انعام کی رغبت یا میری طرف سے سزا کے خوف سے واپس ہوا ہے اور اس نے میری رضا کی خاطر جان دیدی۔ (شرح السنہ)

رضائے الٰہی کے لیے ذکر کا اجر

حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ جو بنی سلم کے ایک فرد تھے، نے فرمایا کہ ایک روز صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ قیامت کے روز جو بندہ اس حالت میں آئے گا کہ وہ رضائے الٰہی کے لیے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کر دے گا۔ (بخاری)

اللہ کی رضا کے لیے ہجرت

ابو وائل کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت خبابؓ کی عیادت کی تو انھوں نے فرمایا ہم نے رضائے الٰہی کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی تو ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس جمع ہو گیا۔ پس ہم میں سے وہ بھی ہیں جو دنیا کو خیرباد کہہ گئے اور انھوں نے اس اجر میں سے کچھ بھی نہیں لیا۔ جن میں سے حضرت مصعب بن عمیرؓ ہیں جو غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے اور انھوں نے صرف ایک چادر چھوڑی تھی جس کے ساتھ ان کے سر کو چھپاتے تو پیر کھل جاتے اور پیروں کو چھپاتے تو سر کھل جاتا تھا پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ ان کا سر چادر سے چھپا دیا جائے اور پیروں پر اذخر ڈال دی جائے اور ہم میں سے وہ بھی ہیں جن کے لگائے ہوئے پودے کے پھل پک گئے اور وہ انھیں چن رہے ہیں۔ (بخاری)

بلندی درجات

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک آدمی جب کوئی ایسی بات کہتا ہے جو رضائے الٰہی کے لیے کہی ہو تو وہ اسے خاص اہمیت نہیں دیتا لیکن اس کے باعث اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کر دیتا ہے اور جب آدمی کوئی ایسی بات کہتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور وہ اس کی پروا بھی نہیں کرتا لیکن اس کے باعث دوزخ میں گر جاتا ہے۔ (بخاری)

خالصتہً رضائے الٰہی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے

میرے کلام کو سن کر نہ صرف اچھی طرح یاد رکھا بلکہ اس کو دوسروں تک پہنچایا۔ کیونکہ بعض فقہ سیکھنے والے غیر فقیہہ ہوتے ہیں اور بعض بہت زیادہ فقیہہ ہوتے ہیں اور تین (کامل) مسلمان ایسے ہیں کہ ان کا دل خیانت نہیں کرتا وہ خالصتاً رضائے رب کے حصول کے لیے عمل کرتے ہیں مسلمانوں سے خیر خواہی کرتے ہیں اور ان کی جماعت میں شامل رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی دعا عقب سے بھی ان کی معاونت پر ہوتی ہے۔ (بیہقی، ترمذی)

رضائے الٰہی کا بدلہ

حضرت ابن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی جا رہے تھے انھیں بارش نے آلیا تو وہ پہاڑ کی ایک غار میں چلے گئے۔ پہاڑ سے لڑھک کر ایک بڑا سا پتھر اس غار کے منہ پر آگیا اور ان کا داستہ بند کر دیا۔ ان میں سے ایک نے دوسروں سے کہا کہ اپنے ایسے اعمال کو یاد کرو جو نیک نیتی سے خدا کے لیے کیے ہوں۔ اور ان کے ذریعے خدا سے دعا کرو شاید وہ اسے ہٹا دے۔

ان میں سے ایک نے کہا اے اللہ! میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ میں بکریاں چراتا تھا ان کا دودھ نکالتا اور بچوں سے پہلے اپنے والدین کو پلاتا تھا۔ ایک درخت نے ایک روز مجھے دیر کر دی اور میں شام کو لوٹا تو وہ دونوں سو چکے تھے میں نے حسب معمول دودھ دوہا۔ میں دودھ لے کر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا انھیں جگانا پسند نہ کیا اور ان سے پہلے بچوں کو پلانا بھی مجھے پسند نہ آیا جبکہ بچے میرے قدموں میں چلّاتے رہے میری اور ان کی صبح تک یہی حالت رہی۔ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میں نے محض تیری رضا کے لیے کیا تو ہمیں اتنا راستہ عطا فرما کہ ہم آسمان کو دیکھ لیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اتنا راستہ کھول دیا کہ انھوں نے آسمان دیکھ لیا۔

دوسرے نے کہا اے اللہ! میرے چچا کی بیٹی تھی جس سے میں محبت کرتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ جتنی مرد عورتوں سے کرتے ہیں۔ میں نے اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے

انکار کر دیا، یہاں تک کہ میں اسے سو دینار دوں۔ میں نے کوشش کر کے سو دینار جمع کیے اور اس سے ملا۔ جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھا تو اس نے کہا اے اللہ کے بندے اللہ سے ڈر اور مہر کو نہ کھول۔ میں اسے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے ایسا تیری رضا کے لیے کیا تو ہمارا راستہ کھول دے۔ پس کچھ راستہ اور کھل گیا۔

تیسرے نے کہا کہ اے اللہ! میں نے ایک فرق چاولوں کے بدلے ایک آدمی کو مزدوری پر رکھا۔ کام پورا کرنے پر اس نے کہا کہ میرا حق دو۔ میں نے اس کا حق سامنے رکھا تو وہ چھوڑ کر چلا گیا۔ میں برابر اس سے زراعت کرتا رہا یہاں تک کہ اس سے گائیں اور چرواہے جمع ہو گئے۔ وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ اللہ سے ڈرو، مجھ پر ظلم نہ کرو اور میرا حق دو۔ میں نے کہا کہ ان گایوں اور چرواہوں کی طرف جاؤ۔ اس نے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور مجھ سے مذاق نہ کرو۔ میں نے کہا میں تمہارے ساتھ مذاق نہیں کرتا۔ یہ گائیں اور چرواہے لے لو۔ چنانچہ وہ انھیں لے کر چلا گیا۔ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے ایسا صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا تو باقی راستہ بھی کھول دے پس اللہ تعالیٰ نے ان کا راستہ کھول دیا۔ (بخاری)

رضا باعثِ بخشش ہے

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ خزاں کے موسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے اور ایک درخت کی شاخیں پکڑ کر ہلایا تو اس سے پتے جھڑنے لگے اس موقع پر رسول اللہ نے مجھے (جناب ابوذرؓ) مخاطب فرمایا اے ابوذرؓ! میں نے عرض کیا جی یا رسول اللہؐ! تو آپ نے فرمایا کہ بندہ مسلم اگر رضائے خداوندی کے لیے نماز ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ اسی طرح جھڑتے ہیں جس طرح اس درخت سے پتے گر رہے ہیں۔ (احمد)

رضا باعثِ رحمت ہے

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ جناب جبریلؑ سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ میری رضامندی کا طالب ہے خبردار ہو

جاؤ اس پر میری رحمت سایہ فگن ہے۔ پھر جناب جبریل اعلان کرتے ہیں کہ فلاں شخص پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سایہ فگن ہے تو حاملان عرش اور ان کے گرد اگرد جو فرشتے ہیں اس جملہ کا اعادہ کرتے ہیں اسی طرح ساتوں آسمانوں کے فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اعلان کرتے ہیں پھر وہ رحمت زمین میں اس بندے پر نازل ہوتی ہے۔ (احمد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

حضرت عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے منہ سے شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی سی آواز آتی تھی۔ ایک مرتبہ نزول وحی کے وقت ہم آپ کے پاس ٹھہرے رہے۔ جب نزول وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو نبی علیہ السلام نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اس طرح دعا فرمائی خداوندا ہم میں افزائش فرما کمی نہ فرما۔ ہم کو عزت عطا فرما ذلیل نہ کر۔ ہمیں بھلائی عطا فرما اس میں کمی نہ کر۔ ہم کو بزرگی عطا فرما ہم پر کسی کو بزرگ نہ کر۔ ہم کو راضی کر اور راضی رہ ہم سے۔ دعا کے بعد نبی علیہ السلام نے فرمایا مجھ پر دس آیتیں نازل ہوئی ہیں جو ان پر عامل ہو گیا وہ داخل جنت ہو گیا اس کے بعد قد افلح المومنون سے لے کر دس آیات کی تلاوت فرمائی۔ (احمد، ترمذی)

رضائے الٰہی کے لیے کام

حضرت ابن ساعدی رضؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھے جناب عمر رضؓ نے صدقہ کی فراہمی کے لیے مقرر فرمایا میں نے اپنے فرائض کی بجا آوری کے بعد وہ مال لا کر جناب عمر رضؓ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے مجھے اس میں سے حصہ مرحمت فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ یہ کام میں نے رضائے الٰہی کے لیے کیا تھا اور اس کا اجر اسی سے چاہتا ہوں تو جناب عمر رضؓ نے فرمایا کہ جو تم کو دیا جا رہا ہے اس کو لے لو۔ میں نے بھی ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ کام کیا تھا۔ جب سرکارؐ نے مجھے اجرت عطا فرمائی تو میں نے بھی یہی کہا تھا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ جب سوال کے بغیر تم کو دیا جائے تو اس کو لے لو۔ خود استعمال کرو اور صدقہ دو۔ (ابوداؤد)

دو قسم کا جہاد

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد دو قسم کا ہے۔ ایک جو رضائے الٰہی کو تلاش کرے، امام کی اطاعت کرے، پیاری چیز خرچ کرے، ساتھی سے نرمی برتے اور فساد سے اجتناب کرے تو اس کو سونے اور جاگنے کا ثواب ملے گا اور جو جہاد کرے فخریہ، دکھانے کو، شہرت کے لیے، امام کی نافرمانی کرے اور زمین میں فساد پھیلائے تو وہ برابر نہیں لوٹے گا۔ (ابوداؤد)

رضا جنت میں لے جائے گی

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بار جب اہل جنت اپنی ایک مجلس میں بیٹھے تھے۔ یکایک جنت کے دروازے پر نور ظاہر ہوا۔ اہل جنت نے سر اٹھا کر دیکھا تو اللہ تعالیٰ تشریف فرما تھے اور فرمان جاری تھا اے اہل جنت! مجھ سے کچھ مانگ لو، اہل جنت نے جواب دیا کہ ہم صرف یہی چاہتے ہیں کہ تو ہم سے راضی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ میری رضا ہی کی بدولت تو تم میرے گھر میں آ کر اترے ہو اور تمھیں میری طرف سے عزت حاصل ہوئی ہے یہی وقت ہے مانگ لو۔ اہل جنت نے عرض کیا ہم اور رضا چاہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر ان کے پاس سرخ یاقوت کی اونٹنیاں لائی جاتی ہیں۔ جن کی باگیں سبز رنگ کے زمرد اور سرخ رنگ کے یاقوت کی ہیں۔ چنانچہ وہ ان پر بیٹھ گئے ان کے پاؤں اس قدر دور پڑتے تھے جس قدر کہ نگاہ پہنچ سکتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پھل دار درختوں کو حکم دیا۔ پھر موٹی آنکھوں والی لڑکیاں آئیں اور کہنے لگیں کہ ہم نازک اندام ہیں، ہمیں کوئی تکلیف نہ ہو گی ہم ہمیشہ جنت میں رہنے والیاں ہیں۔ ہمیں موت نہ آئے گی۔ ہم مومنوں کی باعزت بیویاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ حکم دیں گے اور سفید خوشبودار کستوری کے ٹیلے ان پر ایک ہوا اڑائیں گے۔ جس کا نام میثرہ ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ انھیں لے کر جنت عدن میں آ جائیں گی۔ یہ جنت عدن جنت کا بہترین حصہ ہے۔ یہ دیکھ کر فرشتے کہیں گے اے اللہ! یہ لوگ آئے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا مرحبا اے سچ بولنے والو! مرحبا اے عبادت گزارو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

پھر ان کے لیے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھتے ہیں اور نورِ رحمٰن کو دیکھ کر اس قدر حظ حاصل کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ انھیں ان تحفوں کے ساتھ محلوں کی طرف لوٹا دو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب واپس آئیں گے تو ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ (اللہ غفور رحیم کی طرف سے یہ ضیافت ہوگی)۔ (رسالہ قیشریہ)

ایمان کا مزا

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کو اپنا رب سمجھ کر اس سے راضی رہا اس نے ایمان کا مزا چکھ لیا۔ (رسالہ قیشریہ)

دنیا اور آخرت کی بھلائی

حضرت عبداللہ بن مسعودرضؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کو تین چیزیں عطا ہوگئیں اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل گئی (۱) تقدیر الٰہی پر راضی ہونا (۲) مصیبت پر صبر کرنا (۳) خوشحالی میں دعائیں مانگنا۔ (تنبیہ الغافلین)

حدیث قدسی

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو میری قضا پر راضی نہیں رہتا اور میری عطا پر شکر نہیں کرتا وہ میرے سوا کوئی اور رب تلاش کرے۔

اللہ سے مانگنا رضائے الٰہی ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ کون ہے جو میری بات مانے ایسے شخص کے لیے میں رضوان اکبر یعنی اللہ کی بڑی رضا کی نوید اور خوشخبری دیتا ہوں۔ اس وقت حضرت ثوبانؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب تھے لہٰذا انھوں نے حضورؐ کے ارشاد کو مانتے ہوئے کہا کہ بندہ اس امر کو ماننے کے لیے دل و جان سے تیار ہے۔ پھر نبی عالی مرتبت صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی کوئی شے کسی شخص سے طلب نہ کرو۔

روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد حضرت ثوبانؓ نے کسی انسان سے کبھی کوئی سوال نہیں کیا اور کسی سے کبھی کوئی غرض یا مطلب وابستہ نہیں رکھا۔ گھوڑے کی سواری کے دوران میں اگر بر سر ہجوم بھی ان کا چابک یا چھڑی گر جاتی تو وہ کسی سے سوال کر کے چابک نہ لیتے تھے۔

اعمال میں رضائے الٰہی

حضرت ابو حبیب رض روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی بندہ کے عمل کو لے کر چڑھتے ہیں اس کو بہت بڑھاتے چڑھاتے ہیں اور اس کی تحسین و توصیف کرتے ہیں۔ بارگاہِ خداوندی میں جہاں تک اسے منظور ہے لے کر پہنچتے ہیں تو باری تعالیٰ فرشتوں سے بذریعہ وحی ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میرے بندہ کے عمل کے محافظ ہو اور میری نگاہ اس کے باطن قلب پر ہے میرے اس بندے نے اپنا عمل میرے لیے خالص نہیں کیا لہٰذا اس کو سجّین میں لکھ دو۔ اور ایک بندے کے عمل کو لے کر جاتے ہیں جیسے وہ ہیچ اور حقیر جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی فرماتے ہیں کہ تم میرے بندے کے عمل کے نگران ہو اور میں اس کی دلی نیت سے واقف ہوں، میرے اس بندے نے اپنا عمل خالص میرے لیے کیا ہے اس لیے اسے علّیین میں لکھو۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ چھوٹا سا عمل جو اللہ کی رضا کے لیے ہو اس بڑے عمل سے بہتر ہے جو غیر اللہ کے لیے کیا گیا ہو کیونکہ تھوڑا سا عمل جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو گا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے بڑھاتے رہیں گے جیسا کہ ارشاد پاک ہے کہ "اگر ایک نیکی ہو گی تو اس کو کئی گنا کر دیں گے اور اپنے پاس سے اور اجر عظیم دیں گے"۔ اور بڑا عمل جو رضائے الٰہی کے لیے نہیں تو اس کا کوئی ثواب نہیں بلکہ اس کا انجام جہنم ہو گا۔

اللہ کی رضا

حضرت عائشہ صدیقہ رض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتی ہیں کہ

جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں لوگوں کو ناراض کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود بھی اس سے راضی ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس پر راضی کر دیتے ہیں اور جو کوئی لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود بھی اس سے ناراض ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس سے ناراض کر دیتے ہیں۔

راضی بقضاء رہو

کہتے ہیں کہ عمر بن الخطابؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا سلام و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ بھلائی ہمہ تن رضا میں ہے اگر تم راضی بقضاء الٰہی رہ سکتے ہو تو بہتر ورنہ صبر کرو۔

اللہ کی پسند پر بھروسہ کرو

کسی نے حضرت حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب سے کہا، کہ ابو ذرؓ فرماتے تھے کہ مجھے محتاجی بہ نسبت مالداری کے اور بیماری بہ نسبت صحت کے زیادہ پسند ہے۔ تو حسین بن علیؓ نے فرمایا اللہ ابو ذرؓ پر رحم فرمائے مگر میں تو یوں کہتا ہوں کہ جس شخص نے اللہ کی پسند پر بھروسہ کیا پھر وہ انہی چیزوں کی تمنا کرے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے پسند کر رکھا ہے۔

حضرت عمرؓ کا طرز عمل

حضرت عمر بن خطابؓ جب بیمار ہوتے تو طبیب کے مشورہ کے مطابق عمل نہ کرتے۔ لوگوں نے ایک دفعہ ان سے کہا آپ طبیب کیوں نہیں بلاتے؟ انھوں نے فرمایا بخدا اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تندرستی میرے کان کو ہاتھ لگانے میں ہے تو میں کان کو کبھی ہاتھ نہ لگاؤں۔ اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے اچھا کرتا ہے۔

اقوال و احوال

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اختیار کا اُٹھ جانا رضا ہے۔

حضرت عبد الواحد بن زیدؒ کا قول ہے کہ رضا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا دروازہ ہے۔ اور دنیا کی جنت ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانیؒ کا ارشاد ہے کہ جب بندہ اپنی خواہشات کو ترک کر دے تو وہ اللہ سے راضی ہو جاتا ہے۔

حضرت نصر آبادیؒ نے کہا ہے کہ جو شخص مقام رضا تک پہنچنا چاہے اسے ان باتوں پر لگا رہنا چاہیئے جن میں اللہ کی رضا ہے۔

ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ رضا تو یہ ہے کہ تو اللہ سے نہ جنت مانگے اور نہ دوزخ سے پناہ طلب کرے۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ رضا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا دروازہ ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ نے اپنی رضا سے نوازا ہو اس پر اللہ کی بہت بڑی عنایت ہے۔

ابن خفیفؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے احکام میں دل لگانا اور جن چیزوں سے اللہ راضی ہوتا ہے اور جنھیں وہ پسند کرتا ہے دل کا ان کی موافقت کرنا رضا کہلاتا ہے۔

رابعہؒ سے پوچھا گیا کہ بندہ کب راضی برضا کہلانے کا حقدار ہوتا ہے؟ فرمایا جب وہ مصیبت میں بھی اسی طرح خوش رہے جس طرح آرام میں خوش تھا۔

رویمؒ فرماتے ہیں رضا یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ جہنم کو کسی شخص کے دائیں ہاتھ پر رکھ دے تو وہ یہ دعا نہ کرے کہ اے خدا اسے بائیں ہاتھ پر کر دے۔

رویمؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے احکام کے جاری ہونے پر دل کو سکون حاصل رہنا رضا ہے۔

نیز حضرت محاسبیؒ کا بھی یہی فرمان ہے۔

نوریؒ فرماتے ہیں کہ قضا الٰہی کے گزرنے پر دل کا خوش ہونا رضا ہے۔

ابو عمر دمشقیؒ فرماتے ہیں کہ حکم خداوندی خواہ کسی قسم کا ہو اس میں اگر بے چینی نہ ہو تو رضا ہے۔

ابو بکر بن طاہرؒ فرماتے ہیں کہ دل سے کراہیت کو نکال دینے کا نام رضا ہے یہاں تک کہ دل میں فرح و سرور کے سوا کچھ نہ رہے۔

خواص کا طریقہ حضرت ابو علی دقاقؒ نے فرمایا ہے کہ سالکین کا راستہ بہت لمبا ہے۔ اور وہ ریاضت کا طریقہ ہے اور خواص کا طریقہ بہت قریب ہے مگر زیادہ دشوار ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہارا عمل ان باتوں پر ہو جن سے اللہ راضی رہے اور تو اللہ کی قضا سے راضی رہے۔

رضا کی تعریف حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے لیے جو کچھ ازل سے اختیار کر رکھا ہے اس پر دل کی نگاہ کا رہنا رضا ہے۔ بالفاظ دیگر اختیار خداوندی پر ناراض نہ ہونا رضا ہے۔

کم پر راضی رہنا حضرت جریریؒ کا قول ہے کہ جو شخص اپنے مرتبے سے کم چیز پر راضی ہو، اللہ تعالیٰ اسے اس کے مرتبہ سے زیادہ بلند مرتبہ دے گا۔

تسلیم و رضا حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی تسلیم و رضا کے فرش پر فروکش ہوا وہ پھر کبھی کوئی تکلیف اللہ کی طرف سے نہیں دیکھتا (اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی) اور جو سوالی بن کر بیٹھتا ہے (سوال کرنے کی عادت ڈال لیتا ہے) کسی حالت میں بھی اللہ سے راضی نہیں رہتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں آگ کھانے کو اس بات کی بہ نسبت زیادہ پسند کرتا ہوں کہ جو چیز میسر نہ ہو اس کے بارے میں کہتا رہوں کہ اے کاش یہ نہ ہوتی تو اچھا تھا۔

تقدیر پر راضی رہنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ میں اس پر راضی ہوں کہ جو میری تقدیر میں ہے۔ خواہ وہ کچھ نہ کیوں نہ ہو، لوگوں نے پوچھا کہ آخر آپ خود بھی تو کچھ چاہتے ہوں گے وہ کیا ہے؟ فرمایا ہاں! میں چاہتا ہوں مگر وہی جو مقدر ہو چکا ہے۔

رضا کا لطیف مفہوم

حضرت سفیان ثوری رحؒ نے ایک بار حضرت رابعہ بصریؒ کی موجودگی میں کہا یا رالٰہی ہم سے راضی ہوجا۔ یہ سن کر حضرت رابعہؒ نے ان سے کہا کہ تم کو اس بات سے شرم نہیں آتی کہ تم اس کی رضا کے طالب ہو جس سے تم خود راضی نہیں ہو (اس پر یہ کہتے ہوئے) حاضرین مجلس میں سے کسی نے ان سے دریافت کیا کہ بندہ اللہ سے کب خوش اور راضی ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا اس وقت جب وہ مصیبت پر بھی اسی طرح خوش ہو جس طرح نعمت وراحت پر خوش ہوتا ہے۔

حضرت جنیدؒ کا قول

شیخ جنیدؒ فرماتے ہیں، رضا دلوں تک پہنچنے والا صحیح علم ہے جب دل اس علم کی حقیقت کو معلوم کرلیتا ہے تو وہ رضا تک پہنچ جاتا ہے، رضا اور محبت، خوف ورجا کی طرح نہیں ہیں بلکہ وہ ایسے دو حال ہیں جو بندے سے نہ دنیا میں جدا ہوتے ہیں اور نہ آخرت میں۔ جنت میں بھی جب بندہ مومن پہنچ جائے گا تو وہاں بھی رضا اور محبت سے بے نیاز نہیں رہے گا۔

اللہ کے بندوں کا وصف

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سری سقطیؒ سے پوچھا کہ کیا حق تعالیٰ سے محبت کرنے والا مصیبت پہ غمزدہ ہوتا ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ میں نے کہا اگر اسے تلوار سے ماریں تو؟ فرمایا تب بھی نہیں چاہے ستر جگہ زخم لگا کر اسے چھلنی کردو، وہ رنجیدہ وغمناک نہیں ہوگا۔

زہد اور رضا

بشر حافی نے فضیل بن عیاض سے پوچھا کہ زہد اور رضا میں سے فضیلت کس چیز کو حاصل ہے؟ فضیل نے کہا زہد پر رضا کو فضیلت ہے کیونکہ صاحب رضا کے دل میں کوئی تمنا نہیں رہتی۔ زاہد آرزومند ہوتا ہے یعنی درجہ زہد سے اوپر اور درجہ ہے اور زاہد کو اس کی تمنا ہوتی ہے۔ رضا کے اوپر کوئی اور درجہ نہیں جس کی صاحب رضا کو تمنا ہو بارگاہ بہرصورت آستانۂ بارگاہ سے فاضل تر ہوتی ہے۔

رضا پر راضی رہنے کا واقعہ

حضرت بشر حافی روایت کرتے ہیں کہ بغداد میں ایک شخص کو ہزار لاٹھیاں ماری گئیں اس نے اُف تک نہ کی۔ میں نے پوچھا اے شخص! اس قدر جور و ستم کے باوجود تیرے منہ سے اُف تک نہ نکلی، آخر کیسے؟ اس نے کہا کہ محبوب میرے سامنے تھا اور دیکھ رہا تھا (پھر اُف کیسی؟) میں نے کہا اور اگر وہ سب سے بڑا محبوب سامنے ہوتا تو کیسی رہتی؟ یہ سنتے ہی اس نے ایک چیخ ماری اور گر پڑا، دیکھا تو جان نکل چکی تھی۔

حضرت بشر حافیؒ کا واقعہ

حضرت بشر حافیؒ سے روایت ہے کہ میں ابتدائے حال میں شہر آبادان کی طرف جا رہا تھا کہ ایک کوڑھی مجذوب کو دیکھا کہ چیونٹیاں اور کیڑے مکوڑے اس کا گوشت کھا رہے تھے۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا اور میں نے اس کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا، اسے گویا ہوش سا آ گیا اور کہنے لگا کہ یہ کون واہیات شخص ہے کہ میرے اور میرے خالق کے درمیان خواہ مخواہ مداخلت کر رہا ہے۔

حضرت سہل تستریؒ کا واقعہ

حضرت سہل تستریؒ سخت بیمار تھے اور درد کی شدید شکایت تھی لیکن اس کا علاج نہ کرتے تھے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ اس کا علاج کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا تمھیں کیا معلوم کہ جو درد دوست نے مرحمت فرمایا ہو اس میں تکلیف نہیں ہوتی بلکہ راحت ملتی ہے۔

رضا کیا ہے؟

حضرت امام قیشریؒ نے کہا ہے کہ میں نے استاد ابو علی دقاق سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رضا یہ نہیں ہے کہ تم مصیبت کا احساس نہ کرو بلکہ رضا یہ ہے کہ تم اللہ کے حکم اور اس کی تقدیر پر اعتراض نہ کرو۔ یاد رکھو کہ بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس قضا پر راضی رہے جس پر راضی رہنے کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ بندے کے لیے ہر اس بات پر جو اس کی تقدیر میں ہے راضی رہنا جائز یا واجب نہیں مثلاً معصیت پر اور یا مسلمانوں کی ایذا رسانی وغیرہ پر۔

حضرت ابوسلیمان کا ارشاد

حضرت ابوسلیمان کا ارشاد ہے کہ اگر خدا مجھے دوزخ میں بھی ڈال دے اور اس پر میں راضی رہوں تو سمجھوں گا کہ رضا کو تھوڑا سا سمجھ سکا ہوں۔

رضا حاصل نہ ہونے کی وجہ

ابوتراب نخشبیؒ نے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں دنیا کی قدر و منزلت ہو وہ رضا کا رتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔

حضرت جنیدؒ کا فرمان

کہتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ کی موجودگی میں شبلیؒ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا۔ جنیدؒ نے فرمایا تمہارے یہ الفاظ دل کی تنگی کی وجہ سے ہیں اور دل کی تنگی اس لیے ہے کہ تو نے قضاء الٰہی پر راضی رہنا چھوڑ دیا ہے۔ یہ سن کر شبلی خاموش رہے۔

رضا کی دو قسمیں

محمد بن خفیفؒ فرماتے ہیں کہ رضا کی دو قسمیں ہیں ایک رضا باللہ اور دوسرے رضا عن اللہ۔ رضا باللہ یہ ہے کہ ہم اللہ سے بحیثیت مدبر کے راضی رہیں اور رضا عن اللہ یہ ہے کہ ہم اس کی قضا پر راضی رہیں۔

قضا پر راضی رہو

کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے اللہ! مجھے ایسا عمل بتا جس کے کرنے سے تو مجھ سے راضی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا، تو وہ کام نہیں کر سکے گا۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام عاجزی سے سجدہ میں گر پڑے اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے عمران کے بیٹے! میری رضا تو اسی میں ہے کہ تو میری قضا پر راضی رہے۔

دل کو اللہ پر راضی رکھو

حضرت امام قیشریؒ نے کہا ہے کہ میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سنا جبکہ ان سے ایک شاگرد نے پوچھا، کیا بندے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ اس پر راضی ہے؟ تو استاد نے کہا نہیں! اسے اس کا علم کیسے

ہو سکتا ہے جبکہ اللہ کی رضا ہم سے پوشیدہ ہے۔ اس پر شاگرد نے کہا کہ دل کو اس کا علم ہوتا ہے۔ استاد نے پوچھا کیسے؟ شاگرد نے جواب دیا کہ جب میں اپنے دل کو اللہ پہ راضی پاتا ہوں تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ اللہ بھی مجھ سے راضی ہے، استاد نے کہا کہ تو نے بہت اچھا جواب دیا۔

علامتِ رضا حضرت ذوالنون مصری کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں رضا کی علامت ہیں۔ (۱) قضا سے پہلے اختیار کو چھوڑ دینا اور (۲) قضا کے نزول کے بعد اس کی تلخی کو محسوس نہ کرنا اور (۳) عین مصیبت میں محبت کا بھڑکنا۔

دوامِ رضا ابو عثمان حیریؒ فرماتے ہیں کہ چالیس برس گزر گئے۔ باری تعالیٰ نے مجھے جس میں رکھا میں نے اسے مکروہ نہیں سمجھا، مجھے کوئی تغیر حال صرف اس بنا پر پیش نہیں آیا کہ میں کسی حال سے دل برداشتہ ہو چکا تھا۔ یہ دوامِ رضا اور کمالِ محبت کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت شیخ ابوسعیدؒ کا فرمان شیخ ابوسعیدؒ سے دریافت کیا گیا، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ بندہ، حق سے راضی بھی ہو اور ناراض بھی؟ انھوں نے فرمایا ہاں! اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے راضی ہو اور اپنے نفس سے اور ہر اس شخص سے ناراض ہو جو اس کو اللہ تعالیٰ سے منقطع کرنا چاہے (اس طرح رضامندی اور نارضامندی دونوں ایک شخص میں موجود ہو سکتی ہیں۔

چار اصول شیخ یحییٰ بن معاذؒ سے کسی نے پوچھا کہ بندۂ حق مقامِ رضا پر کب پہنچتا ہے انھوں نے جواب دیا کہ اس وقت جب اس کا نفس ان چار اصول پر اپنے معاملات میں کاربند ہو۔

(۱) اس کا قول ہو کہ الٰہی جو کچھ تو مجھے عطا فرمائے مجھے قبول ہے۔

(۲) اگر تو مجھے عطا نہ فرمائے تو میں اس پر بھی راضی ہوں۔

(۳) اگر تو مجھے چھوڑ دے تو جب بھی میں تیرا بندہ ہوں۔

(۴) اگر تو مجھے قبول فرمائے تو میں ہمہ وقت حاضر ہوں۔

ایک محبِ الٰہی کا قول ہے کہ جس چیز کو حق تعالیٰ دوست رکھے میں بھی اسی کو دوست رکھتا ہوں۔ یہاں تک کہ اگر وہ کہے کہ دوزخ میں جاؤ تو میں دوزخ کو بھی دوست ہی جانوں۔

حضرت شفیق بلخیؒ کا قول رضائے الٰہی کے متعلق حضرت شفیق بلخیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک ہزار سات سو اساتذہ سے شریعت و طریقت کے علوم سے استفادہ کیا لیکن نتیجہ میں پتہ چلا کہ خدا کی رضا صرف چار چیزوں پر منحصر ہے اول روزی کی جانب سے سکون حاصل رہنا، دوم خلوص سے پیش آنا، سوم ابلیس کو دشمن تصور کرنا، چہارم توشۂ آخرت جمع کرنا اور انھی چار چیزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بھی بار بار تلقین فرمائی ہے۔

حکایت بلاشبہ یہی عاجزی اور انکساری ہی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی پہچان ہوتی ہے حضرت مالک بن دینارؒ کی تمام زندگی بھی ایسی ہی صفات سے عبارت ہے۔ زندگی کے آخری لمحات میں جب کسی نے آپ سے عرض کیا کہ پیر و مرشد کوئی وصیت فرمائیں، تو آپ نے فرمایا کہ تقدیرِ الٰہی پر راضی رہ تاکہ روزِ محشر تمھیں عذاب سے نجات مل سکے۔ حضرت مالک بن دینارؒ اللہ کی ان برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک تھے جنھوں نے اپنی ساری زندگی یادِ الٰہی اور مخلوقِ خدا کی بہتری میں صرف کر دی۔

اللہ کا راضی ہونا حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ جب بندے کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا دینا اور نہ دینا دونوں یکساں ہو جائیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو چکا۔

حکایت بنی اسرائیل میں ایک عابد مدّت دراز تک مجاہدہ و ریاضت اور عبادات میں مشغول رہے آخر ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ انھیں اشارہ کیا جا رہا ہے

کہ بہشت میں فلاں عورت تیری رفیق و ہم نشین ہوگی۔ عابد نے بڑی جستجو کے بعد اسے ڈھونڈ لیا تاکہ یہ تو معلوم ہو کہ اس کی عبادت و ریاضت کس درجے کی ہے لیکن اسے یہ دیکھ کر تعجب سا ہوا کہ وہ نہ تو نمازِ شب (تہجد) ادا کرتی ہے اور نہ کوئی نفلی روزہ رکھتی ہے البتہ فرائض کی پابند ضرور ہے۔ عابد نے پوچھا مجھے اتنا تو بتا دو کہ تمہارا خاص عمل کونسا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بس یہی کچھ ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ عابد نے بہت اصرار کیا بلکہ گڑگڑا کر منت سماجت کی تو اس نے کہا کہ عمل کا تو مجھے علم ہے نہیں، لیکن ایک خصلت البتہ یہ میری ہے کہ جب بیماری میں مبتلا ہوتی ہوں تو شفا و صحت کی خواہش نہیں کرتی۔ دھوپ میں ہوں تو سایہ کی آرزو نہیں ہوتی۔ اور اگر سایہ تکلیف دہ ہو تو دھوپ کی خواہش نہیں کرتی۔ عابد نے اپنا ہاتھ سر پہ رکھتے ہوئے کہا کہ تم اسے محض ایک خصلت بتا رہی ہو، یوں نہیں کہتی کہ ایک عظیم الشان خصلت تمہیں حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ بلا شبہ یہ بہت بڑی چیز ہے۔

کونسا عمل کام آئے گا؟

عبداللہ بن حنیف انطاکیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے جبکہ وہ اپنے اعمال کا ثواب چاہے گا فرمائیں گے کہ کیا ہم نے دنیا میں تجھے تیرا ثواب نہیں دے دیا؟ کیا ہم نے تجھے وسیع مجلسیں نہیں دی تھیں؟ کیا تو اپنی دنیا میں سرداری نہیں کرتا رہا؟ کیا ہم نے تیری خرید و فروخت آسان نہیں کر دی تھی؟ کیا اس جیسی سہولتیں اور فوائد تجھے حاصل نہ تھے۔ الغرض اللہ کے ہاں وہی عمل کام آئے گا جو محض رضائے الٰہی کے لیے کیا جاتا ہے۔

حکایت

وہیب بن وردؒ بیمار ہوئے تو ان کے پاس امیر مکہ ایک نصرانی طبیب لے کر گئے۔ طبیب نے دریافت کیا، کیا تکلیف ہے؟ انھوں نے فرمایا معاذ اللہ میں تجھے اپنی تکلیف ہرگز نہیں بتاؤں گا۔ لوگوں نے عرض کی آپ ہمیں بتائیں ہم اسے بتا دیں گے انھوں نے فرمایا سبحان اللہ! یہ لوگ کیسی عقلوں کے مالک ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی شکایت اس کے دشمن کے پاس کرنے کو کہتے ہیں۔ تم سب یہاں سے چلے جاؤ۔

رضا کا مطلب

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ رضا اپنے اختیار سے دستبردار ہونے کا نام ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر سکون و اطمینان اختیار کرنے کو رضا کہتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کا فرمان ہے کہ اللہ کی قضا پر قلب کا مسرور ہو جانا رضا ہے۔

ابن عطاءؒ کا قول ہے کہ رضا یہ ہے کہ بندہ قلب کو اللہ تعالیٰ کے دائمی اختیار کی طرف متوجہ رکھے کیونکہ وہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے جو کچھ تاج اپنے بندے کے لیے منتخب فرمائے ہیں، وہ اس کے لیے مفید ہیں اس لیے بندے کو ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہنا چاہیئے۔

ابو بکر واسطیؒ نے فرمایا کہ اپنی جد وجہد میں رضا کو حاکم بناؤ۔ ایسا نہ ہو کہ رضا کو خود پر مسلط کر کے اس کی لذتوں اور حقیقتوں سے محروم رہ جاؤ۔

طبقاتِ اہلِ رضا

اہلِ رضا کے تین طبقے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے کہ وہ اپنے دکھ درد کے اظہار کو یکسر ختم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے دل اللہ کی طرف سے ہر دکھ، غم، آزمائش، آسائش اور منع وعطا کو خوشی سے قبول کرتے ہیں۔

اہلِ رضا کا دوسرا طبقہ اللہ سے راضی رہنے کے احساس کو چھوڑ کر اللہ کے اس سے راضی رہنے کو ترجیح دیتا ہے اور وہ ایسی خواہش اللہ کے اس قول کے مطابق کرتے ہیں کہ "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" اور چاہے تنگدستی، خوشحالی اور منع وعطا کے حالات اس پر آجائیں تو بھی وہ اللہ کے اس سے راضی رہنے پر اپنی رضا کو ترجیح نہیں دیتا۔

تیسرا طبقہ اہلِ رضا کا مذکورہ حدود سے بھی کہیں آگے بڑھا ہوا ہے اس طبقے کے صوفیاء نے اللہ کی دائمی عنایت کو رضائے عبد اور رضائے الٰہی کو بنیاد ٹھہرایا۔

ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ خلق کے اعمال ہی اللہ کو راضی یا ناراض نہیں کرتے بلکہ وہ جس سے راضی ہو جائے پھر اس سے ایسے کام لے لیتا ہے کہ وہ اس کی رضا کا باعث بن

جاتے ہیں۔

سب سے افضل عمل

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا، اور اللہ کے لیے دشمنی کرنا ایمان کی مضبوط دستاویزوں میں سے ہے۔ پس اگر کوئی شخص ثواب کے قصد سے جن و انس جتنی عبادت کرے لیکن وہ حُب فی اللہ اور بُغض فی اللہ کے بموجب رضائے الٰہی سے غافل ہو تو وہ طریق صوفیہ سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ کیا تو نے میرے لیے کوئی عمل کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی ہاں یارب! نماز پڑھی ہے اور روزے رکھے ہیں اور صدقہ دیا ہے۔ ان کے علاوہ اور باتوں کا نام بھی لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ چیزیں تو تیرے ہی لیے ہیں لیکن کیا تو نے کبھی میری وجہ سے کسی سے دوستی کی ہے یا میری وجہ سے کسی سے عداوت کی ہے؟ اس پر موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ اللہ کے لیے محبت اور دشمنی کرنا سب اعمال سے افضل ہے۔

خدا کے فضل پر بھروسہ

امام شافعیؒ سے لوگوں نے حال دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں دنیا سے رخصت ہونے کو ہوں اور میرے بداعمال میرے سامنے آنے والے ہیں اور میں خدا کے فضل پر بھروسا کیے ہوئے ہوں۔

حکایت

ابوبکر عیاشؒ بیمار ہوئے تو ان کے پاس ایک نصرانی طبیب آیا انھوں نے اسے ہاتھ لگانے سے روک دیا۔ جب وہ اٹھ کر چلا تو انھوں نے اس کو جلتے ہوئے دیکھا اور فرمایا اے اللہ! جیسے تو نے مجھے کفر کی تکلیف سے نجات دی ہے ایسے ہی جو تیری مرضی ہو میرے ساتھ کر۔

نفس کے مکروہات سے بچو

بشر حافیؒ فرماتے تھے کہ ساٹھ شیطان اتنا ستم برپا نہیں کرتے جتنا کہ برا دوست ایک لحظہ میں کرتا ہے اور ساٹھ برے دوست اتنا فساد برپا نہیں کرتے جتنا کہ نفس ایک لحظہ میں کرتا ہے

جب تمام امورِ انسان کی خواہش کے موافق ہوں تو اس کے نفس کی طرف سے مزور خلل آجاتا ہے۔ تمام مذاہب کا اس میں اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا نفس کے مکروہات میں ہے۔

رضا کے مطابق عمل

واسطی فرماتے ہیں کہ جہاں تک تجھ سے بن سکے اللہ کی رضا کے مطابق عمل کرو۔ یہ نہ ہو کہ رضا تمہیں استعمال کرے۔ اگر ایسا کرو گے تو اس کی لذت اور اذیت کی وجہ سے حقیقتِ الٰہیہ سے محجوب ہو جاؤ گے یاد رکھو کہ واسطی کا یہ کلام بڑی عظمت رکھتا ہے اور اس میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ صوفیا، رضا کے اس معنی پر عمل کرتے ہوئے احساس کیے بغیر اللہ سے غافل نہ ہو جائیں اور ان کا تعلق خدا سے منقطع نہ ہو جائے کیونکہ ایک حالت میں سکون واطمینان سے رہنا حالات کے بدلنے والے خدا سے حجاب کا سبب ہے، لہٰذا جب بندہ اللہ کی رضا سے لذت پاتا ہے اور اپنے دل میں رضا کی راحت محسوس کرتا ہے تو اسی وقت مشاہدۂ حق سے محجوب ہو جاتا ہے۔ نیز واسطیؒ فرماتے ہیں کہ عبادتِ خداوندی سے لطف اندوز ہونا زہر قاتل ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا ارشاد

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا ارشاد ہے کہ صبر یہ ہے کہ جب بندہ کسی ناگوار صورتِ حال سے دوچار ہو۔ صبر کرے اور شکایت نہ کرے۔ رضا یہ ہے کہ جب کوئی بندہ کسی ناگوار صورتِ حال سے دوچار ہو تو اسے بالکل ناگواری کا احساس نہ ہو گا۔ گویا وہ بلا اس تک پہنچی ہی نہیں۔

حضرت مالک بن دینارؒ کا قول

حضرت مالک بن دینارؒ سے کسی نے دمِ مرگ آپ سے وصیت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو فرمایا کہ تقدیرِ الٰہی پر راضی رہ تاکہ تجھ کو عذابِ حشر سے نجات مل سکے۔ پھر کسی شخص نے اس کے بعد انتقال کے بعد خواب میں جب اس کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ گو میں بہت ہی

بڑا گنہگار تھا لیکن صرف اس حسنِ خیال کی وجہ سے میری نجات ہو گئی، جو مجھے اللہ تعالےٰ کی بندہ نوازی پر تھا۔

حضرت علی ہجویریؒ کا فرمان

حضرت علی ہجویریؒ نے فرمایا ہے کہ انسان جو بھی اچھا کام کرے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے سوائے عذابِ نفس کی رہائی کے کچھ نہیں مانگنا چاہیئے اور ہر کام خالص رضائے الٰہی پر مبنی ہونا چاہیئے۔

رضا کی وضاحت

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کا قول ہے کہ تمام ظاہری و مادی اسباب سے ناامید ہو کر اپنے ایمان میں اس درجہ تک استقامت پیدا کرلے کہ جو اللہ کرے میں اس پر راضی ہوں، تسلیم و رضا کہلاتا ہے اور جب انسان اپنے تمام حوائج و معاملاتِ زندگی کا مختارِ کُل صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھتا ہے۔ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ایک وضع سے دوسری وضع کی طرف، ایک فعل سے دوسرے فعل کی طرف پلٹا اور پھرایا جاتا ہے اور اس کو اپنے یا غیر کے حق میں کسی حکم یا حرکت کی توفیق و قدرت باقی نہیں رہتی۔ اب وہ اپنے پروردگار کے ارادہ و فعل میں اپنے آپ سے غائب و نابود ہے وہ دیکھتا ہے تو مشیتِ الٰہی کے ساتھ، سنتا ہے تو مشیت الٰہی کے ساتھ، بولتا ہے تو مشیتِ الٰہی کے ساتھ۔ اور کوئی بات سمجھتا ہے تو مشیت الٰہی کے ساتھ۔ اب اس کا علم خدا کے علم سے ہوتا ہے اور اس کا کلام خدا کے کلام سے۔ وہ اسی کی نعمت سے نعمت یافتہ، اسی کے قرب سے نیک بخت، اسی کے جمالِ معنوی سے بزرگ و آراستہ اور اسی کے ذکر سے صاحب سکون و اطمینان، اسی کی فکر سے صاحبِ فہم و ذکا اور دنیا و عقبیٰ میں اسی کے دعلدوں سے خوش و خرم ہوتا ہے۔ مقام تسلیم و رضا میں وہ فقط حق تعالیٰ سے مانوس و مربوط ہوتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادرؒ کا قول

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ نے تسلیم و رضا اختیار کرنے کے بارے میں فرمایا ہے کہ اے بندے! یہ اعتقاد رکھ کہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال اچھے اور حکمت و مصلحت سے معمور ہیں۔ مگر اللہ نے

اپنی حکمت و مصلحت کو بندوں سے ہمیشہ مخفی رکھا ہے۔ بندہ کے لیے لازم ہے کہ وہ تسلیم و رضا اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے مصالح و حکم سے اتفاق کرے اور اپنی گفتار یا حرکات و سکنات میں اللہ کے خلاف شکوہ و شکایت یا تہمت سے باز رہے۔

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کا قول

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ نے فرمایا ہے کہ بندہ کا اختیار باقی رہنے میں بڑی سعادت ہے تاکہ اگر کوئی کام رضائے حق کے خلاف اس سے سرزد ہو جائے تو وہ شرمندگی اور پریشانی اور عذر و توبہ میں مشغول ہو سکے۔ اور اگر رضائے حق کے موافق ہو اور اس کے اختیار سے ہو تو اس کی توفیق کے شکریہ میں مصروف ہو جائے۔

حضرت باقی باللہؒ کا قول

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا قول ہے کہ اپنے نفس کی رضا سے باز آجاتے، رضائے الٰہی میں داخل ہو کر احکامِ ازلیہ کو تسلیم کرنے اور سرِ ذاتِ ابدیہ کے تفویض کرنے کو کہتے ہیں۔

حکایت

ایک شخص جنگل میں رہا کرتا تھا۔ وہ ہر واقعہ کو حکمِ الٰہی پر محمول کرتے ہوئے راضی برضا رہتا تھا۔ اور ہر بات پر یہی کہتا کہ بس بہتری اسی میں ہے۔ اس کے پاس ایک کُتا تھا جو گھر کی رکھوالی کرتا تھا، ایک گدھا بوجھ لانے لے جانے کے لیے رکھا ہوا تھا اور ایک مرغ تھا جو صبح کے وقت بیدار کیا کرتا تھا۔ ایک دن بھیڑیا جو آیا تو اس کے گدھے کو پھاڑ ڈالا۔ اس مردِ خدا نے کہا کہ خیر اسی میں ہے۔ دوسرے دن اچانک ہی کُتے نے مرغ کو مار ڈالا۔ اس نے پھر کہا کہ خیر اسی میں ہے اور جلدی ہی بعد کُتا بھی کسی وجہ سے مر گیا۔ اس نے اس پر بھی وہی الفاظ دہرائے کہ خیر اسی میں ہے۔ یہ بات اس کے بیوی بچوں کو بہت ناگوار گذری اور انھوں نے کہا کہ جو نقصان بھی ہوتا ہے تم یہ کہہ کر ٹال دیتے ہو کہ خیر اسی میں ہے اور بہتری اسی میں ہے۔ یہ کیا بات ہوئی؟ اب یہ جانور جو ہلاک ہوئے ہیں تو گویا ہمارے ہاتھ پاؤں تھے کہ جن سے ہم محروم ہو گئے ہیں اور تم وہی رٹ لگائے جاتے ہو کہ خیر اسی میں ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو اب بھی

یہی سمجھتا ہوں کہ خیر اسی میں ہوگی۔ اگلے ہی روز صبح کو جو بیدار ہوئے تو اردگرد سناٹا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اِدھر اُدھر جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان کے گرد و نواح میں جتنے لوگ آباد تھے سب قتل ہوئے پڑے ہیں اور سامان ڈاکو اٹھا لے گئے ہیں اور ان کا گھر اس لیے بچ گیا کہ چونکہ نہ کتے کے بھونکنے کی آواز آئی اور نہ مرغے کی بانگ سنائی دی۔ اس مردِ خدا نے کہا دیکھا تم نے اے گھر والو! ہر کام میں جو بہتری اور مصلحت ہوتی ہے اس کا علم صرف اللہ کو ہوتا ہے (انسان تو خواہ مخواہ بلا سوچے سمجھے بیقرار ہونے لگتا ہے۔)

حکایت

حضرت عیسٰی علیہ السلام کہیں چلے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص کو دیکھا کہ دبس بیماریوں کا ایک پلندہ تھا کہ زمین پر پڑا ہے یعنی) برص کے مرض میں مبتلا ہونے کے علاوہ کوڑھی بھی تھا اور اندھا بھی اور دونوں طرف فالج بھی گرا ہوا تھا۔ اس شکستگی خستگی اور بے دست و پائی کے باوجود اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ شکر ہے اس ذاتِ پاک کا جس نے مجھے عافیت عطا فرمائی اور اس بلا سے محفوظ رکھا جس میں بہت سے لوگ گرفتار ہیں۔ حضرت عیسٰیؑ نے یہ سن کر اس سے پوچھا کہ وہ کونسی بلا باقی رہ گئی ہے جس سے تم محفوظ رہ گئے ہو؟ (یعنی ابھی بیماریوں میں کوئی کسر باقی ہے؟) اس نے کہا ہاں! میں اس شخص کی نسبت یقیناً عافیت میں ہوں جس کے دل میں وہ معرفت پیدا نہیں کی گئی جس کے نور سے میرا سینہ منور ہے۔ حضرت عیسٰیؑ نے کہا کہ تو بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنا ہاتھ اس پر پھیرا اور وہ شخص اسی وقت بھلا چنگا ہو گیا اور اٹھ بیٹھا اور پیاری سی شکل نکل آئی۔

حکایت

شیخ فریدالدین عطارؒ پہلے عطاری کی دکان کیا کرتے تھے ایک دن اپنی دکان پر بیٹھے نسخے باندھ رہے تھے، ایک درویش صاحبِ رضا کمبل پوش آکر کھڑے ہو کر تکنے لگے، دیر تک اسی حالت میں دیکھتے رہے۔ حضرت عطارؒ نے فرمایا کہ بھائی! کچھ لینا ہو تو لو کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ درویش نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں تمہاری دکان میں خمیرے، معجونیں، شربت، بہت سی چمکتی ہوئی چیزیں بھری پڑی ہیں، سوچ رہا ہوں کہ مرتے وقت تمہاری روح

کیسے نکلے گی جو اتنی چپکتی ہوئی چیزوں میں پھنسی ہوئی ہے اس وقت حضرت فریدالدین عطارؒ کو باطن کا تو چسکا تھا ہی نہیں، بے دھڑک کہہ بیٹھے، جیسے تمہاری نکلے گی ویسے ہی ہماری بھی نکل جاوے گی۔ درویش نے کہا میاں ہمارا کیا ہے، اور کمبل اوڑھ کر وہیں دکان کے سامنے لیٹ گیا اول تو حضرت عطارؒ یہ سمجھے کہ مذاق کر رہا ہے لیکن جب بہت دیر ہو گئی تو شبہ ہوا۔ پاس جاکر کمبل ہٹایا تو درویش واقعی مردہ تھا۔ پس ایک چوٹ دل پر لگی اور وہیں چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔ افاقہ ہوا تو دیکھا کہ دل دنیا سے بالکل سرد ہو چکا تھا۔ اسی وقت دکان لٹا کر کسی پیر کی تلاش میں چلے۔ آپ بڑے عارف ہوئے ہیں۔ آدمی زبان سے کہتا ہے کہ مجھے مرنے کی کچھ پروا نہیں لیکن امتحان کے وقت جس کا دعویٰ غلط نہ ہو وہ صاحب رضا ہے، خواہ غم ہو یا خوشی، اور راحت ہو یا تکلیف، ہر حالت میں وہ راضی اور خوش رہتے ہیں۔

حکایت

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت مالک بن دینارؒ کا ہمسایہ ایک نوجوان تھا جو بدمعاش تھا اور لوگ اس سے بہت پریشان رہتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے اس کے مظالم کی شکایت کی تو آپ نے اس کے پاس جاکر نصیحت فرمائی، چنانچہ اس نے گستاخی سے پیش آتے ہوئے کہا کہ میں حکومت کا آدمی ہوں اور کسی کو میرے کاموں میں دخیل ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب آپ نے اس سے فرمایا کہ میں بادشاہ سے تیری شکایت کرونگا تو اس نے جواب دیا کہ وہ بہت ہی کریم ہے اور میرے خلاف کسی کی بات نہیں سنے گا۔ آپ نے فرمایا اگر وہ نہیں سنے گا تو میں اللہ تعالیٰ سے عرض کروں گا۔ اس نے کہا کہ وہ بادشاہ سے بھی بہت زیادہ کریم ہے۔ یہ سن کر آپ واپس آگئے لیکن کچھ دنوں کے بعد جب اس کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو لوگوں نے پھر آپ سے شکایت کی اور آپ پھر نصیحت کرنے جا پہنچے لیکن غیب سے ندا آئی کہ میرے دوست کو مت پریشان کرو۔ آپ کو یہ ندا سن کر بہت حیرت ہوئی اور اس نوجوان سے کہا کہ میں اس غیبی آواز کے متعلق تجھ سے پوچھنے آیا ہوں جو میں نے راستہ میں سنی ہے۔ اس نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو میں اپنی تمام دولت راہِ خدا میں خیرات کرتا ہوں۔ اور پورا اثاثہ

خیرات کر کے نامعلوم سمت کی طرف چلا گیا جس کے بعد سوائے مالک بن دینارؒ کے کسی نے اس کو نہیں دیکھا اور آپ نے بھی مکہ معظمہ میں اس حالت میں دیکھا کہ وہ بہت ہی کمزور اور قریب المرگ تھا اور کہہ رہا تھا کہ خدا نے مجھ کو اپنا دوست فرمایا ہے۔ میں اس پر اور اس کے احکام پہ جان و دل سے نثار ہوں اور مجھے علم ہے کہ اس کی رضا صرف عبادت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ آج سے میں اس کی رضا کے خلاف کام کرنے سے تائب ہوں ۔ یہ کہہ کر دنیا سے رخصت ہو گیا (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۲)

حضرت ذوالنون مصریؒ کا واقعہ

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں دورانِ سفر ایک برف پوش صحرا میں سے گزرا تو دیکھا کہ ایک آتش پرست ہر سمت دانہ بکھیر رہا ہے اور جب آپ نے وجہ دریافت کی تو اس نے عرض کیا کہ ایسی حالت میں چونکہ پرندوں کو کہیں سے بھی دانہ حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے میں ثواب کی نیت سے دانہ بکھیر رہا ہوں ۔ میں نے کہا کہ اس کے یہاں غیر کی روزی ناپسندیدہ ہے لیکن اس نے عرض کیا کہ میرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ میری نیت کو دیکھ رہا ہے اس کے بعد میں نے اس آتش پرست کو ایامِ حج میں نہایت ذوق و شوق کے ساتھ طوافِ کعبہ میں مصروف پایا اور طواف کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ آپ نے دیکھا کہ میں نے جو دانہ بکھیرا تھا اس کا ثمرہ کتنی بہتر شکل میں ملا ہے ۔ یہ سنتے ہی میں نے پُرجوش لہجہ میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ تو نے چالیس برس آتش پرستی کرنے والے کو چند دانوں کے عوض ارزاں فروشی کرتے ہوئے اتنی عظیم نعمت کیوں عطا کر دی ۔ ندا آئی کہ ہم اپنی مرضی کے مختار ہیں، ہمارے امور میں کسی کو مداخلت کرنے کی اجازت نہیں ہے ۔

راضی برضائے الٰہی

حضرت عتبہ بن غلام ایک مرتبہ حسن بصریؒ کے ہمراہ دریا کے کنارے چل رہے تھے کہ اچانک پانی کے اوپر چلنا شروع کر دیا ۔ یہ دیکھ کر حضرت حسن حیرت زدہ رہ گئے اور ان سے سوال کیا کہ آپ کو یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا ؟ فرمایا کہ

آپ تو صرف وہ کرتے ہیں جس کا حکم دیا جاتا ہے لیکن میں وہ امور انجام دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کا منشا ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ بحرِ تسلیم و رضا میں غرق رہتے تھے۔

رضائے الٰہی کی طلب

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے اپنے مرشد شیخ جنیدؒ کے سامنے کہا کہ اگر حق تعالیٰ قیامت کے دن مجھے دوزخ اور بہشت میں ایک چیز قبول کرنے کا اختیار دے گا تو میں دوزخ قبول کروں گا کیونکہ بہشت میں داخل ہونا تو میرے نفس کی خواہش ہے اور دوزخ میں بھیجنا حق تعالیٰ کا اختیار ہے اس لیے میں اسی کے اختیار کو اپنے نفس کی خواہش پر ترجیح دوں گا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا اگر حق تعالیٰ نے مجھے ایسا اختیار دیا تو میں نہ دوزخ قبول کروں گا نہ بہشت، بلکہ بارگاہ الٰہی میں عرض کروں گا کہ بندہ کو اختیار اور ردّ و قبول سے کیا غرض، تو جس جگہ بھیجے گا اسی جگہ چلا جاؤں گا اور جس جگہ رکھے گا وہیں رہوں گا، میرا اختیار وہی ہے جو تیری رضا ہے۔

حکایت

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنی سیاحت کے دوران ایک پہاڑ کے دامن میں بہت سے لوگ دیکھے جو سب مختلف جسمانی عوارض میں مبتلا تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ یہاں کیوں جمع ہوئے ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس پہاڑ کے ایک غار میں ایک باخدا بزرگ رہتے ہیں۔ وہ سارا سال عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور صرف ایک دن غار سے باہر نکلتے ہیں، اس دن جو مریض یہاں جمع ہوتے ہیں وہ ان پر دم کرتے ہیں اور ان کے حق میں شفا کی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب مریضوں کو شفا عطا کر دیتا ہے۔ میں یہ سن کر وہاں ہی ٹھہر گیا۔ ایک دن وہ بزرگ غار سے باہر تشریف لائے، نہایت زرد رُو اور دبلے پتلے تھے، ان کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے لیکن چہرے پر جلال برس رہا تھا۔ انھوں نے سب مریضوں پر دم کیا اور ان کی شفایابی کے لیے دعا مانگی۔ اس کے بعد وہ غار میں جانے کے لیے مڑے۔ اس وقت میں نے ان کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ آپ نے ظاہری بیماریوں کا علاج تو کیا ہے، خدا کے لیے میری باطنی

بیماری کا بھی علاج کیجئے۔ انھوں نے میری طرف نگاہ کی اور فرمایا اے ذوالنونؒ! میرا دامن چھوڑ دے۔ کیونکہ حق تعالیٰ اپنی عظمت و جلال سے دیکھے گا کہ تو اس کے سوا کسی دوسرے کا دامن پکڑتا ہے تو وہ تجھے غیروں ہی کے حوالے کر دے گا۔ میں یہ سن کر تھرا اٹھا اور ان کا دامن چھوڑ دیا اس کے بعد وہ جلدی سے غار کے اندر چلے گئے۔

حکایت حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ سے منقول ہے کہ جب میری عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو میرے جد امجد کو میرے نکاح کی فکر ہوئی۔ انھوں نے مجھے حضرت خواجہ محمد بابا کو بلانے کے لیے قصر عارفاں میں بھیجا تا کہ حضرت کے قدموں کی برکت سے یہ کام انجام پا جائے۔ جب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا تو پہلی کرامت جو دیکھنے میں آئی یہ تھی کہ اس رات آپ کی صحبت کی برکت سے مجھ میں بڑا تضرع اور نیاز پیدا ہوا۔ رات کے آخری حصے میں اٹھ کر میں نے وضو کیا اور آپ کی مسجد مبارک میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی اور سجدے میں سر رکھ کر دعا و تضرع بہت کی۔ اس اثنا میں میری زبان سے نکلا، خدایا! مجھے بلا کا بوجھ اٹھانے اور اپنی محبت کی محنت برداشت کرنے کی قوت عطا فرما۔ صبح کو جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے ازراہ فراست و بصیرت میری رات کی سرگزشت سے آگاہ ہو کر فرمایا اے فرزند دعا میں یوں کہنا چاہیئے۔ خدایا اس بندۂ ضعیف کو اپنے فضل و کرم سے اسی پر قائم رکھ جس میں تیری رضا ہے۔ پھر فرمایا کہ بیشک خدائے عزوجل کی رضا تو اس میں ہے کہ بندہ بلا میں مبتلا نہ ہو۔ اگر وہ بنا بر حکمت اپنے کسی دوست پر بلا بھیجتا ہے تو اپنی عنایت سے اس دوست کو اس بلا کے برداشت کرنے کی قوت عطا فرماتا ہے اور اس کی حکمت اس پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اپنے اختیار سے زیادہ طلب کرنا دشوار ہے۔ گستاخی نہ کرنی چاہیئے۔ بعد ازاں کھانا لایا گیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے دستر خوان پر سے ایک روٹی مجھے دی۔ میں لینا نہ چاہتا تھا آپ نے فرمایا لے لو کام آئے گی۔ میں نے وہ روٹی لے لی اور آپ کے ہمراہ قصر عارفاں کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک جگہ پہنچے جہاں حضرت کا ایک محب و مخلص تھا وہ بڑی بشاشت اور عاجزی

سے پیش آیا۔ جب آپ اس کے مکان میں اترے تو آپ نے اس کے اضطراب و بیقراری کو دیکھ کر فرمایا کہ سچ بتاؤ اس اضطراب کا سبب کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ گھر میں دودھ کا پتیر موجود ہے مگر روٹی نہیں۔ حضرت نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، وہ روٹی لاؤ، تم نے دیکھا کہ آخر کام آ گئی۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ارشاد

آپ کا ارشاد ہے کہ اہل معرفت کے نزدیک مصیبت کا آجانا عین رضائے الٰہی کے مطابق ہے کیونکہ اللہ کی راہ میں جو شخص اللہ سے محبت کرے گا وہ کسی مصیبت کو برداشت کرنے میں کوتاہی نہیں کرے گا۔

حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ

حضرت خواجہ سلیمان تونسوی فرمایا کرتے تھے کہ درویش جو شب و روز مجاہدہ میں رہے، اپنا وقت زیادہ تر ذکر و فکر میں بسر کرے اس کی طلب فقط رضائے الٰہی ہونی چاہیئے اور اس حالت میں اس کو کچھ انوار یا اسرار یا کشف قبور وغیرہ ہویدا ہوں تو ان کو مخفی رکھے اور کسی کو نہ بتائے۔ وصال، اور مقصود حقیقی کی امید پہ ہر روز اسی طرح محنت و مجاہدہ کرتا ہے کیونکہ جو شخص غیر شرع افعال سے پرہیز نہیں کرتا وہ ترقی کی پہلی سیڑھی پر ہوتا ہے اور منزل مطلوب پر وہ نہیں پہنچ سکتا اور جو شخص بقا باللہ کے درجے پر ہے وہ منزل کے آخری درجہ پر ہوتا ہے کیونکہ وہ حلقہ شریعت سے ایک قدم بھی باہر نہیں نکالتا۔ بلکہ شب و روز حسب معمول مبتدیوں کی طرح مجاہدہ اور ریاضت میں لگا رہتا ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے ع

نہایت قدم سالکاں بدایت اوست

خواجہ صاحب نے راضی برضا رہنے کا حکم متعدد جگہ دیا ہے۔ ۱۲۶۱ھ میں بارش برسنا موقوف ہو گئی۔ مخلوقِ خدا نے حضرت کی خدمت میں بڑی عاجزی کے ساتھ دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا بندے کو اپنے خدا کی رضا پر راضی رہنا چاہیئے کیونکہ تمام کاموں میں کوئی کام بھی بغیر حکمتِ کاملہ کے نہیں ہوتا۔

رضائے الٰہی اور ابراہیم بن ادھمؒ

بادشاہت ترک کرنے کے بعد جب حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے بلخ کو الوداع کہا تو اس وقت آپ ایک بچے کے باپ تھے۔ یہ بچہ جب جوان ہوا تو اس نے اپنی والدہ ماجدہ سے اپنے باپ کی بابت دریافت کیا جس پر والدہ نے اپنے بیٹے کو ساری تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ اس وقت تمہارے والد مکہ معظمہ میں قیام پذیر ہیں۔ اس پر حضرت ابراہیم کے صاحبزادے نے ساری بستی میں یہ اعلان عام کروا دیا کہ جو لوگ ان کے ہمراہ حج کے سفر پہ روانہ ہوں گے ان کے تمام اخراجات وہ خود برداشت کرے گا۔ چنانچہ یہ خوش آئند اعلان سنتے ہی تقریباً تین ہزار کے لگ بھگ افراد اس لڑکے کے ساتھ خانہ کعبہ کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں والدہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ خانہ کعبہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس کے والد حضرت ابراہیم بن ادھمؒ مشائخین حرم کے مرشد ہیں اور اس وقت جنگل سے لکڑیاں چننے گئے ہوئے ہیں تاکہ انھیں بیچ کر اپنے لیے کھانے پینے کا بندوبست کر سکیں۔ یہ سنتے ہی آپ کا بیٹا بھی جنگل میں پہنچ گیا اور جب اس نے جنگل میں ایک کمزور و ناتواں شخص لکڑیوں کا بھاری گٹھا سر پر اٹھائے دیکھا تو وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا مگر اپنا تعارف کروانا مناسب تصور نہ کیا تاہم وہ خاموشی سے آپ کے پیچھے پیچھے بازار تک پہنچ گیا اور جب وہاں جا کر حضرت ابراہیم نے لکڑیاں بیچنے کے لیے صدا لگائی تو ایک شخص نے چند روٹیوں کے عوض ان سے وہ لکڑیاں خرید لیں۔ آپ نے وہ روٹیاں اپنے مریدین کے سامنے لے جا کر رکھ دیں اور خود نماز میں مشغول ہو گئے۔ آپ اپنے ارادتمندوں کو ہمیشہ یہ ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ کبھی کسی نامحرم عورت اور بے ریش لڑکے کو نگاہ بھر کر نہ دیکھو۔ خصوصاً اس وقت زیادہ احتیاط کرو جبکہ حج کے موقع پہ کثیر تعداد میں عورتیں اور بے ریش لڑکے جمع ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؒ کے تمام ارادتمند آپ کی ہدایات پہ سختی سے عمل کرتے لیکن ایک مرتبہ طواف کی حالت میں جب آپ کا لڑکا ہی آپ کے سامنے آ گیا تو بے ساختہ آپ کی نگاہیں اس پہ مرکوز ہو گئیں اور فراغتِ طواف کے بعد آپ کے ارادتمندوں نے آپ سے عرض کیا کہ باری تعالیٰ آپ پر اپنا کرم

فرمائے۔ آپ نے ہمیں جس کام سے باز رہنے کی تلقین فرمائی تھی آپ خود ہی اس میں ملوث ہو گئے ہیں اس پر حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا، بھائیو! یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ جب میں بلخ سے رخصت ہوا تھا تو اس وقت میرا ایک شیر خوار بچہ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ جس لڑکے کو میں نے دیکھا ہے وہ میرا ہی بچہ ہے۔ پھر اگلے روز آپ کا ایک مرید جب بلخ کے قافلہ کی تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچا۔ تو اسے خیمے کے نزدیک ایک لڑکا بیٹھا دکھائی دیا۔ جو خوش الحانی سے قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھا اور جب اس نے آپ کے مرید سے آمد کا مقصد دریافت کیا تو مرید نے سوال کیا کہ آپ کس کے صاحبزادے ہیں، یہ سنتے ہی اس لڑکے نے روتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنے والد کو نہیں دیکھا لیکن کل ایک بوڑھے لکڑہارے کو دیکھ کر یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ میرے والد محترم ہیں اور اگر میں اس سے کچھ پوچھ گچھ کرتا تو ڈر تھا مبادا وہ فرار ہو جاتے کیونکہ وہ گھر سے فرار ہیں۔ اور ان کا نام نامی ابراہیم بن ادھمؒ ہے۔ مرید نے جب یہ باتیں سنیں تو اس نے لڑکے سے کہا چلئے میں ان سے آپ کی ملاقات کرادوں۔ چنانچہ وہ مرید لڑکے اور اس کی ماں کو آپ کے پاس لے آیا ادھر جب حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے اپنے سامنے اپنی بیوی اور لخت جگر کو دیکھا تو وہ بیتابانہ انداز میں ان سے لپٹ گئے اور رونے روتے بیہوش ہو گئے۔ پھر ہوش آنے کے بعد حضرت ابراہیمؒ نے اپنے بیٹے سے دریافت کیا کہ تمھارا دین کیا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ میرا دین اسلام ہے، اور میں نے قرآن پڑھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے علوم بھی حاصل کر رکھے ہیں، اپنے بیٹے کی باتیں سن حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا الحمد للہ، اس کے بعد جب آپ جانے کے لیے اٹھے تو بیوی اور بچے نے اصرار کرکے آپ کو روک لیا۔ جس کے بعد آپ نے فلک کی جانب رخ کرکے کہا یا الٰہی اغثنی! یہ سن کر آپ کا بیٹا زمین پر گر پڑا اور فوراً جان دے دی۔ وہاں پر موجود سارے ارادت مند یہ دیکھ کر سخت حیران و پریشان ہوئے۔ پھر ان کے دریافت کرنے پر حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا کہ جب میں بچے سے ہم آغوش ہوا تو وفور جذبات اور پدرانہ عقیدت کے باعث میں بیتاب ہو گیا تھا مگر اسی وقت غیب سے یہ ندا آئی۔" ابراہیم! ہم سے دوستی کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور دوسروں

کو دوست بھی رکھتا ہے" یہ مذاسن کر میں نے عرض کیا کہ اے اللہ! یا تو میری جان لے لے یا میرے لڑکے کی جان لے لے۔ چنانچہ لڑکے کے حق میں دعا قبول ہو گئی اور اگر اس پر کوئی اعتراض کرے تو میرا جواب یہ ہے کہ ایسا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے زیادہ تحیّر خیز نہیں ہے۔ کیونکہ انھوں نے بھی تعمیل حکم میں اپنے بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

حکایت

ایک رات حضرت جنیدؒ کے پاؤں میں سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ جب درد آپ کی برداشت سے باہر ہو گیا اور کسی صورت ضبط نہ رہا تو سورہ فاتحہ پڑھ کر جو پاؤں پر پھونکا تو درد تو غائب ہو گیا مگر ساتھ ہی آواز آئی کہ اے جنیدؒ! حیرت ہے تو نے اپنے نفس کی خاطر ہمارے کلام کو استعمال کیا۔ یہ سن کر آپ اس قدر نادم ہوئے کہ تمام عمر ایسا فعل نہ کیا اور خدا سے کچھ نہ مانگا، یہی کہا کرتے رب العزت! جیسا تو چاہتا ہے وہ کرنے میں ہی میری عاقبت سنورتی ہے اور مجھے مسرت حاصل ہوتی ہے۔

پانچ مصدقہ حقائق

شقیق بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں نے سات سو علماء سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا تمام نے ایک ہی جواب دیا۔

(۱) میں نے پوچھا عاقل کون ہے؟ سب نے یہی جواب دیا کہ عاقل وہ شخص ہے جو دنیا سے محبت نہیں رکھتا

(۲) میں نے پوچھا کہ دانا اور ہوشیار کون شخص ہے؟ جواب ملا جسے دنیا دھوکہ نہ دے سکے۔

(۳) میں نے پوچھا غنی کون ہے؟ جواب آیا جو اپنے لیے اللہ کی تقسیم پر راضی ہو جائے

(۴) میں نے پوچھا فقیہہ کون ہے؟ جواب ملا جو زیادہ کی طلب نہیں رکھتا۔

(۵) میں نے پوچھا بخیل کون ہے؟ جواب ملا جو شخص اپنے مال سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتا۔

رضائے الٰہی

حضرت ابراہیم ادھمؒ نے ایک بار اپنی التجا اور دعا میں فرمایا تھا کہ اے میرے معبود حقیقی! تو میرے حال کو خوب جانتا ہے کہ میرے نزدیک اب جنت اور اس کی فضیلتیں اور نعمتیں مچھر کے پر کی اہمیت اور وقعت نہیں رکھتیں کیونکہ بار الٰہا! تو نے مجھے اپنی معرفت سے سرفراز رکھا ہے اب تمہاری محبت میرے دل میں اس قدر شدت سے موجزن ہے

اور جلوہ گر ہے کہ میرا ہر عمل اور غور و فکر سب تمہارے ہی لیے اور تیری ہی طلب میں ہے۔ میں جنت کے مقابلے میں تیری عبادت اور خوشنودی کو قبول کرتا ہوں، اگر میں عبادتِ الٰہی کے بجائے جنت قبول کر لوں تو یہ بشری اور بدنی ضرورت ہو گی لیکن میں تو عبادتِ حق میں معرفت الٰہی کی جانب سفر کرتا رہوں گا کیونکہ اے میرے پروردگار! معرفت الٰہی کی راہ میں کوئی لالچ نہیں ہوتا اس میں صرف رضائے الٰہی ہوتی ہے اور بندہ اس رضائے الٰہی کے سامنے سرنگوں ہوتا ہے۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا واقعہ

ایک دن حضرت گنج شکرؒ کی خدمت میں درویشوں نے عرض کیا کہ آپ کے صاحبزادہ صاحب فاقے کی وجہ سے قریب المرگ ہیں، اگر کوئی چیز عنایت فرمائیں تو ہم انھیں کھلا دیں۔ فرمایا اس وقت کوئی چیز نہیں ہے کسی سے قرض لے لو۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہمیں کوئی آدمی قرض نہیں دیتا۔ فرمایا تو پھر کوئی حرج نہیں، جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ تھوڑے وقت کے بعد خبر آئی کہ صاحبزادہ صاحب فوت ہو گئے ہیں۔ فرمایا اس کی تجہیز و تکفین کر دو۔ درویشوں نے عرض کیا، نہ تو کپڑا ہے اور نہ نقدی ہے جس سے ہم کفن تیار کریں۔ فرمایا میت کے اوپر نیچے گھاس لپیٹ کر دفن کر دو، چنانچہ اسی طرح کیا گیا۔ سبحان اللہ! کاملانِ حق امکان اور اختیار کے باوجود دنیائے دنی کو چھوڑ کر یادِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

باب ۷

حُسنِ ادب

اچھا ادب انسانی اخلاق کا ایک روشن پہلو ہے خصوصًا اللہ کے بندوں کا اخلاقی وصف ہے جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں کیونکہ ادب کے بغیر مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ جس نے اللہ کو پایا بزرگوں کے ادب ہی سے پایا، اچھے ادب سے مراد یہ ہے کہ دوسروں سے ملنے جلنے، بیٹھنے اٹھنے، لینے دینے میں اچھے طریقے سے پیش آیا جائے۔ ہر ایک کی اس کے مقام کے لحاظ سے عزت کی جائے۔ روزمرہ کے کاموں میں اسلامی اصولوں کو مدنظر رکھا جائے تا کہ کام عمدہ طریقے سے سرانجام پائیں اور دوسروں کے لیے تکلیف اور ناگواری کا باعث نہ بنیں یہی اصول اور عمدہ طریقے آداب کہلاتے ہیں۔ ان آداب میں اچھائی اور لطافت کو مدنظر رکھنا حسنِ ادب کہلاتا ہے۔ حسنِ ادب سے انسانی تہذیب و تمدن میں اچھا ماحول اور وقار پیدا ہوتا ہے جو اہلِ معاشرہ کے لیے سکون کا ذریعہ بنتا ہے۔ اگر زندگی میں حسنِ ادب کو قائم نہ رکھا جائے گا تو دوسروں کی حق تلفی ہوگی۔ آپس میں دکھ دینے والی باتیں پیدا ہوں گی انسان کی عزت مجروح ہوگی اس لیے اللہ والوں نے حسنِ ادب کو اختیار فرمایا اور دوسروں کو حسنِ ادب اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ سلف صالحین کے اخلاق میں سے یہ خوبی بڑی نمایاں ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی ۝
آپ کی نگاہ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی، انھوں نے اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھی ہیں۔ (پ ۲۷، نجم ۱۷ تا ۱۸)

صوفیاء نے اس آیت سے بارگاہ رب العزت کے حضور میں ادب کو ملحوظ خاطر رکھنا مراد لیا ہے۔

معراج النبی کے واقعہ میں سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر پہنچنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی یہ خوبی بیان کی گئی ہے کہ آپ بڑے ادب شناس کی طرح مؤدب رہے۔

حُسنِ ادب کا مثالی نمونہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس حسنِ ادب کا مثالی نمونہ ہے، تعلیم ادب آپ ہی نے امتِ مسلمہ کو دی ہے اور فرمایا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں ادب کو اپناؤ تاکہ سیرت و کردار کے لحاظ سے اچھے انسان ثابت ہو سکو۔

بہترین تحفہ حضرت جابر بن سمرہ رض کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے فرزند کو ادب سکھانا، ایک صاع مقدار میں صدقہ دینے سے بہتر ہے۔ مزید ارشاد ہے کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو ادب سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں دے سکتا (بیٹے کو ادب سکھانا بہترین تحفہ ہے)

بیٹے کا باپ پر حق حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹے کا باپ پر حق ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے اس کو اچھی طرح رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے۔

فرمانِ نبوی ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا حُسنِ ادب

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ نماز ادا کریں۔ آپؐ کے پاس عبداللہ بن عباسؓ کے سوا کوئی اور نہ تھا آپ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور نماز میں اپنے برابر کھڑا کر لیا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی نیت کر کے پہلی تکبیر کہی تو عبداللہ ابن عباسؓ (آپ کے احترام کے خیال سے) اپنی جگہ سے ذرا پیچھے ہٹ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز توڑ دی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ہاتھ پکڑا اور انھیں اپنے برابر کھڑا کیا۔ اور نماز شروع کر دی، عبداللہ بن عباسؓ پھر اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ ایک دو بار اسی طرح کیا۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم پیچھے کیوں ہٹ جاتے ہو عبداللہ بن عباسؓ نے جواب دیا کہ میری کیا مجال کہ رسولِ رب العالمین کے برابر کھڑا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ حسنِ ادب پسند آیا اور ان کے حق میں دعا کی اور فرمایا اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ۔ (اے اللہ! اسے دین میں تفقہ اور سمجھ دے)

صحابہؓ میں امیر المومنین حضرت علی رضؓ کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ دین کے سب سے بڑے فقیہہ تھے۔

بڑوں کا ادب کرو

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص ہمارے گروہ سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بزرگوں کا ادب نہ کرے (ترمذی شریف)

بے ادب کون ہے؟

حضرت ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کی توہین سوائے منافق کے کوئی نہیں کرتا، بوڑھے مسلمان کی، عالم کی اور امام عادل کی۔ (ترغیب وترہیب)

بوڑھوں کی عزت کرو

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی جوان کسی بوڑھے شخص کی اس کی کبرسنی کی

وجہ سے عزت کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس جوان کے بڑھاپے میں ایسا شخص پیدا کر دیتا ہے جو اس کی عزت کرے۔ (ترمذی شریف)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا فرمان آپ کا قول ہے کہ فقیر کے سامنے عاجزی اور ادب کے ساتھ صدقہ پیش کرنا چاہیئے کیونکہ خوشدلی سے صدقہ دینا قبولیت کی نشانی ہے۔

حضرت علیؓ کا قول حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑھ کر عارف الٰہی وہ ہے جو اہل کلمہ کی زیادہ تعظیم کرے۔

اقوالِ ادب

روزمرہ زندگی میں ادب کو ملحوظ خاطر رکھنے کے لیے صوفیاء نے بہت زور دیا ہے ان کی تعلیمات حسب ذیل ہیں:۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ عمل میں ادب کا لحاظ رکھنا قبول عمل کی دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ لوگ ادب کے متعلق بہت کچھ کہتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ ادب نفس کی معرفت کا نام ہے۔

حضرت ذوالنون فرماتے ہیں کہ عارف باللہ کا ادب ہر قسم کے ادب سے بلند ہے۔ کیونکہ جس سے اس کی جان پہچان ہے یعنی حق تعالیٰ، وہی اس کے دل کو ادب سکھانے والا ہے۔

حضرت سید الطائفہ شیخ جنیدؒ فرماتے ہیں جو نفس کو اس کی خواہش پوری کرنے میں مدد کرتا ہے وہ اس کے قتل میں شریک ہے کیونکہ بندگی کے لیے ادب ضروری ہے اور سرکشی بے ادبی میں داخل ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ جب عارف باللہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کا لحاظ نہ رکھے تو سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہو گیا۔

حضرت ابوعلی دقاق رح کا قول ہے کہ جو شخص ادب کا لحاظ رکھے بغیر بادشاہ کی صحبت میں بیٹھے گا تو اس کی جہالت اسے قتل کروا دے گی۔

حضرت ابوبکر شبلیؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بات کرتے ہوئے شرم و حیا کو ترک کر دینا بے ادبی ہے۔

حضرت شیخ حریریؒ فرماتے ہیں کہ بیس سال ہو گئے تنہائی میں بھی میں نے اپنے پاؤں نہیں پھیلائے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب اختیار کرنا افضل و اولیٰ ہے۔

حضرت ابوعلی دقاقؒ نے فرمایا ہے کہ ادب کے ترک کر دینے سے انسان دھتکارا جاتا ہے لہٰذا جس نے بساطِ ادب پر سوءِ ادبی کی اسے دروازے کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے اور جس نے دروازے پہ بے ادبی کی اسے دھکیل کر جانوروں کی دیکھ بھال پر مقرر کر دیا جاتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رح فرماتے ہیں کہ جس نے آدابِ خداوندی کا لحاظ رکھا وہ ان لوگوں میں سے ہو گیا جن سے اللہ کو محبت ہے۔

شریعت کے لیے ادب ضروری ہے

حضرت شیخ جلال بصریؒ فرماتے ہیں، کہ توحید ایمان کے لیے ضروری ہے جس میں توحید نہیں اس میں ایمان نہیں، ایمان شریعت کے لیے ضروری ہے لہٰذا جہاں شریعت نہیں ہے وہاں نہ ایمان ہے اور نہ توحید ہے اور شریعت کے لیے ادب ضروری ہے پس جہاں ادب نہیں وہاں نہ شریعت ہے نہ ایمان ہے نہ توحید۔

کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ ادب کو ظاہر و باطن میں اختیار کرو اگر کسی نے ظاہراً بے ادبی کی تو اس کو ظاہراً سزا ملے گی اور جس نے باطن میں بے ادبی کی اس کو باطن میں سزا بھگتنا ہو گی۔

ادب سے غافل نہ رہو

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ جو ادب سے غفلت برتتا ہے اس کو یہ سزا ملتی ہے کہ وہ سنتوں سے

محروم ہو جاتا ہے اور جو سنتوں سے غفلت برتتا ہے اس کو فرض سے سزاءً محروم کر دیا جاتا ہے اور فرائض سے سستی و غفلت برتنے والے کو معرفت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

حضرت ابن مبارکؒ کا قول

حضرت ابن مبارکؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا ہمیں زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلہ میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

حضرت شیخ ابو علی دقاقؒ

شیخ ابو علی دقاقؒ کے غلام نے کہا ہے کہ ایک دن میں ایک امرد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس حال میں شیخ دقاق نے مجھے دیکھ لیا، انھوں نے مجھ سے کہا کہ تم کو اس فعل کی ضرور سزا ملے گی خواہ وہ کئی سال میں ملے چنانچہ مجھے دس سال کے بعد یہ سزا ملی کہ میں قرآن حکیم بھول گیا۔

تین خصائل

ولید بن عقبہ نے بیان کیا کہ ابن مبارکؒ کہتے تھے کہ ہم نے ادب کی تلاش اس وقت کی جب سکھانے والے گزر چکے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ تین خصلتوں کے ہونے ہوئے انسان اجنبی نہیں معلوم ہوتا (۱) مشکوک لوگوں سے کنارہ کشی (۲) حسنِ ادب (۳) کسی کو ایذا نہ پہنچانا۔

ادب سے علم کا حاصل ہونا

شیخ یوسف بن الحسینؒ فرماتے ہیں کہ ادب سے علم کا فہم ہوتا ہے، علم کے ذریعہ عمل درست ہوتا ہے اور عمل کے ذریعہ حکمت حاصل ہوتی ہے اور حکمت کے ذریعہ زہد و ترک دنیا حاصل ہوتا ہے۔ زہد سے آخرت کا شوق پیدا ہوتا ہے اور آخرت کے شوق سے اللہ تعالیٰ اپنی قربت کا مرتبہ عطا فرماتا ہے۔

صوفیاء سے ادب سیکھو

حضرت منصور بن خلف مغربیؒ کا فرمان ہے کہ کسی صوفی کو کسی نے بے ادب کہا۔ اس پر اس نے جواب دیا کہ میں بے ادب نہیں ہوں۔ اس پر سوال ہوا کہ تجھے کس نے ادب سکھایا؟ جواب دیا صوفیاء نے۔

حضرت سہل بن عبداللہ کا قول

حضرت سہل بن عبداللہ کا ارشاد ہے کہ صوفیا نے اللہ تعالیٰ کے احکام پر کاربند رہنے کے لیے اللہ ہی سے مدد طلب کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے آدابِ خداوندی پر ثابت قدم رہے ہیں۔

ادب کیا ہے

شیخ ابن عطاؒ کہتے ہیں کہ ادب یہ ہے کہ تو اچھے کاموں پر لگا رہے کسی نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اللہ کے ساتھ ظاہر و باطن میں ادب سے پیش آئے۔ جب تو ایسا ہو گا تو خواہ تو عجمی کیوں نہ ہو، ادیب کہلائے گا۔

حضرت جلال بصریؒ کا قول

حضرت جلال بصریؒ کا قول ہے کہ توحید ایسا موجب ہے جس سے ایمان (یا رسالت) واجب ہو جاتا ہے لہٰذا جس کا ایمان نہیں اس کی توحید بھی نہیں، اور ایمان ایسا موجب ہے جو شریعت کو واجب قرار دیتا ہے لہٰذا جس کی شریعت نہیں اس کا نہ ایمان ہے نہ توحید اور شریعت ایسا موجب ہے جس سے ادب واجب ہوتا ہے لہٰذا جس کے پاس ادب نہیں اس کی نہ شریعت ہے نہ ایمان اور نہ توحید۔

آدابِ شریعت

شیخ ابوحسین غوری فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بندہ کے لیے کوئی ایسا مقام، روحانی حالت (یا کیفیت) یا کوئی ایسا علم نہیں، ہے جو آدابِ شریعت کو ساقط کر دے بلکہ اس کے برخلاف شرعی آداب ظاہری حالت کا زیور ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ انسان اپنے اعضاء کو محاسن آداب سے غیر آراستہ رکھے۔

حکایت

شیخ سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات درود پڑھنے میں مصروف تھا اور میں نے اپنے پاؤں محراب کی طرف پھیلائے ہوئے تھے پس کسی نے پکار کر مجھ سے کہا کہ جس طرح تم بیٹھے ہو کیا اس طرح بادشاہوں کے سامنے بیٹھ سکتے ہو! پس

میں نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے اور پھر میں نے کہا الٰہی! تیری عزت و جلال کی قسم اب میں کبھی پیر نہیں پھیلاؤں گا۔ شیخ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد وہ ساٹھ سال زندہ رہے لیکن اس مدت میں انھوں نے اپنے پاؤں کبھی نہیں پھیلائے، نہ رات میں (سوتے میں) نہ دن میں۔

نفع بخش ادب حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا گیا کہ سب سے نفع بخش ادب کونسا ہے؟ فرمایا دین میں سمجھ حاصل کرنا، دنیا سے بے رغبت ہونا اور بندے پر اللہ تعالیٰ کے حقوق معلوم کرنا۔

حضرت سہل بن عبداللہ کا قول حضرت سہل بن عبداللہؒ نے فرمایا کہ جس نے ادب کے ساتھ اپنے نفس کو مغلوب کر لیا اس نے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔

مشائخ کے ساتھ با ادب رہنا بھی ادب ہے اس لیے کہ جو شخص مشائخ کرام کے دلوں کی رعایت نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر موذی کتے مسلط کر دے گا۔

روحانیتِ ادب اختیار کرو حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سلطان العارفین بایزید قدس سرہ کے مقام کی سیر کی اور ان کی سیر کی انتہا تک پہنچا، شیخ جنید، شیخ منصور حلاج قدس اللہ اسرارہم کے مقامات کی سیر کی جہاں تک یہ بزرگ پہنچے تھے میں بھی وہاں تک پہنچا یہاں تک کہ ایک بارگاہ بزرگ مجھ کو ملی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ بارگاہ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ میں نے گستاخی نہ کی اور نہایت ادب سے تعظیم و نیاز کا سر آپ کے آستانۂ عزت و احترام پر رکھا۔ شیخ بایزید قدس سرہ جب اس بارگاہ تک پہنچے تھے تو انھوں نے چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں سیر کریں اس لیے ان کے منہ پر اس گستاخی کا طمانچہ لگا پس جو ان سے غلطی ہوئی تھی میں نے اس سے پرہیز کیا اور راہِ ادب اختیار کی۔

حکایت کہا جاتا ہے کہ جب شیخ ابو حفص عراق میں پہنچے تو شیخ جنید ان کے پاس آئے

تو انھوں نے دیکھا کہ ان کے مریدین ادب سے سیدھے کھڑے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی غلطی کا مرتکب نہیں ہو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت جنیدؒ نے کہا اے ابو حفص! تم نے اپنے اصحاب (مریدین) کو ایسا مؤدب بنایا ہے جیسے بادشاہوں کی حضوری میں ہوتا ہے یہ سن کر ابو حفص نے فرمایا اے ابوالقاسم (کنیتِ حضرت جنید) بیشک ادبِ ظاہری، ادب باطنی کا عنوان ہے۔

نفس کی بے ادبی

شیخ ابن عطا کا قول ہے کہ نفس بے ادبی کا عادی ہے اور اس کی فطرت ہے مگر بندہ حق کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ادب اختیار کرے نفس اپنی طینت اور سرشت کے ساتھ مخالفت پر آمادہ ہے (مخالفت کے میدان میں گامزن ہے) اور بندہ اپنی کوشش سے اس کو حسنِ ادب کی طرف پھیرتا ہے اور جد و جہد سے ایسا نہیں کرتا، وہ اپنے نفس کو مطلق العنان بنا دیتا ہے اور اس کی نگہداشت نہیں کرتا تو گویا اس طرح اس کی سرکشی اور مطلق العنانی میں اس کی مدد کی۔ اور جس نے اس کی مدد کی وہ اس کا شریک کار رہا۔

حکایت

ابو علی کسی چیز کا سہارا لے کر نہیں بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن وہ مجمع میں تشریف فرما تھے میں نے ان کی پیٹھ کے پیچھے تکیہ رکھنا چاہا تاکہ وہ اس کے سہارے سے بیٹھ جائیں مگر وہ تکیہ سے ہٹ گئے۔ مجھے خیال گزرا کہ چونکہ تکیہ پر کوئی خرقہ یا سجادہ بچھا ہوا نہیں اس لیے تکیہ لگانے سے گریز کیا ہے لیکن انھوں نے مجھ سے فرمایا۔ میں سہارا لینا نہیں چاہتا۔ چنانچہ جب میں نے اس بات پر غور کیا تو مجھے یاد آیا کہ واقعی وہ کبھی سہارا نہیں لیتے ہیں۔

شیخ ابو عبیدہ قاسم کا ارشاد

شیخ ابو عبیدہ قاسم بن سلام کا ارشاد ہے کہ جب میں مکہ معظمہ میں داخل ہوا تو میں اکثر خانہ کعبہ کے سامنے بیٹھتا اور کبھی ایسا ہوتا کہ میں لیٹ جاتا اور اپنے پاؤں پھیلا دیتا تو عائشہ مکیہ (جو ایک ولیہ اور خدا رسیدہ خاتون تھیں) میرے پاس تشریف لائیں اور مجھ سے فرمایا کہ تمھارے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تم اہل علم ہو پس میری یہ بات مانو کہ یہاں (خانۂ خدا میں) ادب کے ساتھ بیٹھو ورنہ تمھارا نام بارگاہِ خداوندی کے دفتر سے کاٹ دیا جائے گا۔

حکایت

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ صالحین میں سے ایک شخص جمعہ کے دن میرے پاس آئے اور کہا کہ میرے ساتھ ایسے فقیر کو بھیجیے جو مجھے خوش کرے اور میرے ساتھ کچھ کھائے۔ میں نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی تو ایک فقیر کو میں نے فاقہ کی حالت میں دیکھا اور اسے بلا کر کہا اس شیخ کے ساتھ جاؤ اور اسے خوش کرو۔ وہ چلا گیا ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ وہ شخص آگیا اور کہا اے ابوالقاسم! اس فقیر نے تو صرف ایک لقمہ کھایا اور نکل گیا۔ میں نے کہا کہ تم نے کوئی گستاخی کا کلمہ کہا ہوگا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے تو اسے کچھ نہیں کہا۔ میں نے جو نظر دوڑائی تو فقیر وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ تم نے اس کی خوشی پوری نہیں کی، کیا وجہ ہے؟ فقیر نے کہا اے میرے آقا! میں کوفہ سے نکل کر بغداد پہنچا اور اس عرصہ میں میں نے کچھ نہیں کھایا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ فاقہ کی وجہ سے مجھ سے آپ کی موجودگی میں کوئی بے ادبی ہو جائے۔ جب آپ نے خود ہی مجھے بلایا تو مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے ہی پہل کی۔ لہٰذا میں چلا گیا۔ حالانکہ میں اپنی فاقہ کی حالت کے بدلے جنت پر بھی راضی نہ تھا۔ جب میں اس کے دستر خوان پر بیٹھا تو اس نے ایک لقمہ میرے لیے بنایا اور کہا کھاؤ، یہ ایک لقمہ میرے نزدیک دس ہزار درہم سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ جب میں نے اس کے یہ الفاظ سنے تو میں سمجھ گیا کہ وہ دُون ہمت انسان ہے اس لیے میں نے اس کے ساتھ کھانا کھانے سے اجتناب کیا۔ یہ سنکر حضرت جنیدؒ نے کہا کہ میں نے تو تجھے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم نے اس کے ساتھ بے ادبی کی ہوگی اس شخص نے اس پر کہا کہ اے ابوالقاسم! میں توبہ کرتا ہوں۔ اس پر ابوالقاسم نے اسی فقیر کو پھر اس کے ساتھ جانے اور اسے خوش کرنے کو کہا۔

اللہ کے قرب والے آداب

کسی نے ابن سیرین سے پوچھا کہ کون سے آداب بندے کو اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب کر دیتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو جاننا۔ اس کی اطاعت گزاری کرنا، خوشی پر اس کا شکریہ ادا کرنا اور مصیبت پر صبر کرنا۔

ادب کا لحاظ رکھو

کسی صوفی کا قول ہے کہ حق سبحانہٗ فرماتا ہے کہ جس شخص کو میں نے اپنے اسماء و صفات میں غور و فکر کرنے پر لگائے رکھا اسے میں نے ادب کا لحاظ رکھنے کا بھی حکم دیا مگر جس کے لیے میں نے اپنی ذات کی حقیقت کھول دی میں نے اس کے لیے ہلاکت لازم قرار دے دی۔ اب تم ان میں سے جو چاہو اختیار کرو خواہ ادب یا عطب (ہلاکت)

تین قسم کے لوگ

حضرت ابونصر سراج کا قول ہے کہ ادب کے اعتبار سے لوگ تین قسم کے ہیں۔ (۱) اہل دنیا۔ ان کے بیشتر آداب فصاحت و بلاغت، علوم اور بادشاہوں کے ناموں اور عربوں کے اشعار کا یاد رکھنا ہیں (۲) اہل دین۔ ان کے بیشتر آداب، ریاضتِ نفس، تادیب جوارح، حدود اللہ کی محافظت اور ترک الشہوات ہیں (۳) اہل خصوصیت، ان کے بیشتر آداب دلوں کو پاک رکھنا، رازہائے الٰہیہ کا لحاظ، عہد کی وفا، حفظ وقت، خواطر کی طرف عدم توجہ، طلب اور التجا کے مواقع، اوقاتِ حضور (بدرگاہ رب العزت) اور قربت کے مقامات پر حسنِ ادب۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد

حضرت جنید بغدادی کا ارشاد ہے کہ جو شخص جس کا ساتھی اور دوست ہوتا ہے اسی حوالے سے پہچانا اور جانا جاتا ہے۔ شیطان کا ساتھی کمتر، حقیر اور رذیل ہوتا ہے لیکن جو اللہ کا ساتھی دوست بن جاتا ہے اللہ اسے عزیز رکھتا ہے اسے عزت بخشتا ہے اس کا مقام و مرتبہ بلند ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر طالب کبھی مطلوب سے ایک لمحہ کے لیے بھی بے ادب اور لاپروا ہو جائے اور یہ کیفیت مطلوب پر بھی ظاہر ہو جائے تو پھر اس مقام پہ طالب کے لیے مصائب اور ابتلا کا دور شروع ہو جاتا ہے کیونکہ خالقِ حقیقی کی جانب پیش رفت کرنے کے بعد کسی دوسرے کی جانب متوجہ ہونا ایک گمراہی ہے۔ ایک کیفیت ادبا ساعث آلام ہے اس لیے لازم ہے کہ اپنے عمل سے عزتِ الٰہی کو ملحوظ رکھا جائے، ایسے پروردگار اور خالق و مالک کی

جانب شروع کیے ہوئے سفر کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ اس سبیل اللہ سے بھٹکنے والے کے لیے خرابیٔ بسیار ہے اور اللہ تعالیٰ تو جاہ و حشم اور عظمتِ اعلیٰ پر قائم اور دائم ہیں۔

علومِ تربت ادب پر موقوف ہے

علماء کا اتفاق ہے کہ علومِ تربت زیادتی ادب پر موقوف ہے اور ادب فی الاصل اپنے میں نقص دیکھنے اور دوسرے کو باکمال سمجھنے کا نام ہے، برعکس بے ادب کے کہ اس میں یہ صفت نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کا اپنے دوست کو تیز نظر سے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کی نصیحت

لوگوں نے فضیل بن عیاضؒ کے سامنے ایک آدمی کی تعریف کی اور بیان کیا کہ وہ کھجور اور گھی کا مالیدہ نہیں کھاتا۔ انھوں نے کہا کہ اس کے چھوڑنے سے کیا ہوتا ہے بلکہ اس کی صلہ رحمی کی طرف غور کرو اور اس کے غصہ پینے اور ہمسایوں، بیواؤں اور یتیموں کے ساتھ سلوک کرنے کو دیکھو اور دوستوں کے ساتھ اس کے حُسنِ خلق پر غور کرو۔

فرشتوں کا لعنت کرنا

حضرت سعید بن عامرؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی انسان کو کسی ایسی صفت کے ساتھ موصوف کرتا ہے جو اس میں نہیں ہوتی تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک روز ایک ناواقف نے ان کو "یا اصلع" (اے گنجے) کہہ کر پکارا تو انھوں نے اسے کہا اے دوست! تجھے کو فرشتوں کی لعنت کی ضرورت نہ تھی۔

بُری قوم کی علامت

حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں وہ قوم نہایت بُری ہے جس میں اگر مسلمان مالدار ہوں تو ان کی تعریف کریں اور اگر تنگ دست ہوں تو ان کو ذلیل جانیں، کوئی کم عمر کسی عمر رسیدہ کے آگے ہو کر نہیں چلتا، سوائے اس کے کہ اس کو نیکی سے محروم ہونے کی سزا دی جائے۔

حضرت حاتم اصم کا قول

حضرت حاتم اصمؒ فرماتے تھے کہ لوگوں نے اخلاق میں تین باتیں چھوڑ دیں۔ دوستوں کے حسنِ اخلاق کی قدر کرنا۔ انؓ کے عیوب کو پوشیدہ رکھنا اور انؓ کی تکالیف کا برداشت کرنا۔

حکایت

حضرت شیخ ابو علی فارمدی طوسیؒ فرماتے ہیں کہ میں ابتدائے جوانی میں طلب علم کے لیے نیشا پور گیا میں نے سنا کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر مہنہ سے آئے ہیں اور مجلس میں ارشاد فرما رہے ہیں۔ میں بھی آپ کی خدمت میں گیا کہ زیارت کر دوں۔ جب میری نگاہ آپ کے جمال پر پڑی میں آپ کا شیدا ہو گیا اور گروہِ صوفیہ کی محبت میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں ایک روز مدرسہ میں اپنے حجرہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ دیدار کی تمنا میرے دل میں پیدا ہوئی اور وہ شیخ کے باہر آنے کا وقت تھا۔ میں نے صبر کرنا چاہا مگر ہو نہ سکا۔ میں اٹھا اور باہر آیا اور چوراہے پر بیٹھا تو شیخ ایک بڑی جماعت کے ساتھ جاتے ہوئے ملے۔ میں بھی بے اختیار شیخ کے پیچھے ہو لیا۔ وہ ایک جگہ جا کر ٹھہر گئے اور میں بھی ایک کونہ میں ایسی جگہ پر بیٹھ گیا جہاں سے شیخ مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

شیخ سماع میں مشغول ہوئے تو آپ کو کیف ہوا اور وجد عظیم ظاہر ہوا اور قمیض پھاڑ ڈالی جب شیخ سماع سے فارغ ہو گئے تو اس قمیض کو اتار دیا اور اپنے شیخ کے سامنے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ شیخ نے ایک آستین مع دامن اس میں سے نکال کر علیحدہ رکھ لی اور آواز دی اے ابو علی طوسی! تو کہاں ہے؟ میں نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور یہ سوچا کہ شیخ اس وقت نہ مجھے دیکھ رہے ہیں اور نہ پہچانتے ہیں۔ شاید آپ کے مریدوں میں سے بھی کسی کا نام ابو علی ہوگا۔ شیخ نے دوبارہ آواز دی اور میں خاموش رہا۔ شیخ نے جب تیسری بار پکارا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ شیخ آپ ہی کو طلب فرما رہے ہیں۔ میں اٹھا اور شیخ کے سامنے گیا۔ شیخ نے وہ دامن اور آستین مجھے دی۔ اور کہا کہ جاؤ اور اسے محفوظ رکھو کہ تم ہمارے نزدیک مثل اس آستین اور دامن کے ہو۔ میں نے وہ کپڑا لے لیا اور ادب و تواضع بجا لایا اور ایک عزیز جگہ اس کو لے جا کر رکھا۔

مجھ کو شیخ کی خدمت میں ادب سے رہنے کے بڑے فوائد حاصل ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں میری روحانی کیفیات میں خاصا اضافہ ہوا۔

اولاد کو ادب سکھاؤ

ایک بزرگ حضرت مدائنی کا قول ہے کہ اولاد کو ادب کا درجہ سکھا جانا مال کی وراثت سے بہت بہتر ہے کیونکہ ادب سے مال، عزت اور دوستوں کی محبت حاصل ہو سکتی ہے۔ اور اس سے دنیا و آخرت کی خوبیاں جمع ہو سکتی ہیں لیکن مال بہت جلد ضائع ہو جاتا ہے اور اولاد نہ دنیا کی رہتی ہے نہ آخرت کی۔ ہم نے اس مال کا جو لوگوں کو میراث میں ملتا ہے، اکثر تجربہ کیا ہے کہ اس میں خیر و برکت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ وارث کا کمایا ہوا نہیں ہوتا اور بسا اوقات مُورِث اس کو وارث وغیرہ پر صرف کرنے میں بخل بھی کرتے ہیں۔ (اخلاقِ صالحین)

حکایت

حضرت وہب ابن منبہؒ فرماتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بکثرت سوال کرنے شروع کیے اور ان کو پریشان کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی تعظیم کے لیے ایک ہی دن میں ایک ہزار نبیوں پر وحی نازل فرمائی تاکہ وہ موسیٰؑ کی تکریم کے لیے ان کے مددگار رہیں۔ پس تمام لوگ ان نبیوں کی طرف مائل ہو گئے۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں غیرت کی تو اللہ تعالیٰ نے تمام کو ایک ہی دن میں مار ڈالا (میں کہتا ہوں) انبیاء علیہم السلام کی غیرت بھی محمود ہے کیونکہ انبیاء اپنی عصمت کے ساتھ حظِ نفسانی سے بری ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ان انبیاء کو مارنا عذاب کے طور پر نہ تھا بلکہ محض مقدر کے مطابق تھا کہ موسیٰؑ کی امداد کے بعد ان کی اجل پوری ہو جائے گی۔ (اخلاقِ صالحین)

حکایت

حضرت خواجہ عبدالخالق سلسلہ نقشبندیہ کے اولیاء کبار سے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ کی خدمت میں صدر سعید کی ارادت کا باعث یہ ہوا کہ ایک روز انہوں نے اپنے علاقہ کے ایک شخص کو غجدوان بھیجا تاکہ اوقات کو منضبط کرے۔ اس سرکردہ نے صبح کی نماز حضرت خواجہ کی مسجد میں ادا کی اور تھوڑی دیر بیٹھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک درویش

محراب میں سر جھکائے ہوئے بیٹھا ہے۔ اس اثنا میں ایک مسافر آیا اور بلا سلام کیے آپ کے پیچھے بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر توقف کر کے چلا گیا۔ پھر ایک اور مسافر آیا وہ بھی بلا سلام کے تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا۔ پھر ایک اور مسافر آیا اور بغیر سلام کے بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہؒ نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور پوچھا کہ اب وہ چھت کیسی ہے؟ مسافر نے جواب دیا کہ تعمیر ہو رہی ہے۔ وہ شخص یعنی سرکردہ بیان کرتا ہے کہ میں بھی اس مسافر کے پیچھے باہر نکلا اور اس سے پوچھا کہ یہ درویش کون ہیں اور تم لوگ کون ہو، تم میں سے ہر ایک آتا ہے اور بغیر سلام کیے بیٹھ جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد بلا سلام کیے اٹھ جاتا ہے اور تم نے بھی ایسا ہی کیا مگر تم سے ان کی ملاقات کا اتفاق ہوا۔ فرمایئے اس میں کیا راز ہے؟

اس مسافر نے کہا کہ ان شیخ صاحب کا نام خواجہ عبدالخالق ہے یہ ہمارے پیر ہیں۔ اور استاد شام میں ہیں۔ ملک شام میں جب ہم پر کوئی مشکل پیش آتی ہے تو ہم فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے ہیں اور آپ کو دل سے سلام کرتے ہیں اور دل سے ہی آپ کے سوال کو دریافت کرتے ہیں اور قلبی طریقہ سے سلام کا جواب اور مسئلہ کا حل آپ سے سن لیتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔ سرکردہ نے کہا کہ چھت کے متعلق جو حضرت خواجہ نے پوچھا وہ کیا بات ہے؟ مسافر نے کہا کہ دمشق کی مسجد کی چھت مخدوش ہو گئی تھی اس کے متعلق آپ نے پوچھا تھا۔ پھر وہ چلا گیا اور صدر سعید سے سارا واقعہ بیان کیا، صدر نے کہا کہ افسوس ہے کہ ایسے اولیاء اللہ دنیا میں موجود ہیں اور ہم کو خبر نہیں۔ ایک پروانہ لکھ کر اس لیے اسی سرکردہ کے حوالہ کیا کہ اوقاف غجدوان کا حاصل حضرت خواجہ کی خانقاہ میں لے جا کر پہنچا دیا جائے۔ محتسب نہایت فرحت اور خوشی کے ساتھ پروانہ لے کر حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو دیکھا اور پھر اسی کے حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ صدر سے کہو کہ آپ کی حکومت تو ان حدود کے اندر اندر ہے اور میری حکومت مشرق سے مغرب تک ہے۔ مجھ کو اس کا قبول کرنا نامناسب ہے۔ وہ سرکردہ، صدر کے پاس واپس ہو گیا اور پورا واقعہ بیان کیا، صدر حضرت خواجہ کے نہایت نیازمندی اور ادب کے

ساتھ معتقد ہوئے اور آپ کے خدام میں داخل ہوئے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ صدر سعید نماز صبح سے نماز چاشت تک حضرت خواجہ کی خدمت میں کھڑے رہتے۔ ایک روز خادم نے خیال کیا کہ حضرت خواجہ کے مراقبہ سے فارغ ہونے میں ابھی دیر ہے۔ حالتِ مراقبہ میں حضرت سے اس نے عرض کیا کہ صدر سعید بہت دیر سے آپ کی خدمت میں کھڑے ہوئے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ ہم نے اس لیے توقف کیا تاکہ ان لوگوں کا کفارہ ہو جائے جو دن بھر صدر سعید کی خدمت میں کھڑے رہتے ہیں۔

مسلمان کی تعظیم کرو

حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے ایک آدمی کی نسبت سنا کہ وہ مال کا آرزومند ہے۔ انھوں نے اس سے دریافت کیا کہ تُو مال کو کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ مفلسوں کو بخش دوں گا۔ انھوں نے فرمایا کہ مفلسوں کا بوجھ خدا ہی پر رہنے دے تاکہ تو ان کو اچھا سمجھتا ہے۔ ورنہ جب ان کا بوجھ تجھ پر ہوا تو تُو ان کو برا جاننے لگے گا۔ اور وہ تیرے دل پر بھاری معلوم ہوں گے۔ نیز فرمایا تیرا اپنے مسلمان بھائی کی تعظیم کرنا یہ ہے کہ جب کسی دوسرے شہر میں اس کا کوئی ماتم ہو جائے تو تُو اس کی تعزیت کو سفر کرے۔ ابو معاویہ الاسود شام سے مکہ معظمہ میں فضیل کے بیٹے علی کی تعزیت کو آئے اور اس سفر سے ان کو نہ حج کرنا مقصود تھا نہ عمرہ۔

حکایت

حضرت خواجہ محمد سماسی بڑے صاحبِ تصرف بزرگ گزرے ہیں آپ ایک گاؤں سماس کے رہنے والے تھے اس لیے سماسی کہلاتے ہیں۔ یہ گاؤں بخارا کے قریب واقع ہے۔ آپ کے روحانی تصرف کا ایک واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ شاہ نقشبندؒ کی ولادت سے پہلے جب کوشک ہندوان سے گزرتے تو فرماتے کہ اس خاک سے ایک مردِ خدا کی خوشبو آتی ہے اور بہت جلد کوشکِ ہندوان قصرِ بن جائے گا۔ جب یہ وقت قریب آیا تو آپ نے فرمایا کہ اب وہ خوشبو اور زیادہ ہوگئی ہے، غالباً وہ مرد خدا پیدا ہو گیا ہے اس وقت حضرت خواجہ نقشبند کی ولادت کو تین روز گزر چکے تھے آپ کے جد امجد آپ کو حضرت خواجہ بابا قدس سرہ

کی نظرِ کیمیا اثر میں لے کر حاضر ہوئے ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ہمارا فرزند ہے اور ہم نے اس کو اپنی فرزندی میں قبول کیا ہے۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ یہ وہی مردِ خدا ہے جس کی خوشبو ہم نے سونگھی تھی اور عنقریب یہ لڑکا اپنے وقت کا مقتدا ہوگا ۔ پھر آپ نے حضرت امیر کلال قدس سرہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ میرے فرزند بہاء الدین کی تربیت کرنے میں اگر تم کوئی کمی کروگے تو میں تم کو معاف نہ کروں گا ۔ خواجہ امیر کلال قدس سرہٗ فوراً اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور نہایت ادب سے ہاتھ سینہ پہ باندھ کر عرض کیا کہ اگر میں ان کی تربیت میں کمی کروں گا تو میں مرد نہیں ہوں ۔ (حضرات القدس)

حضرت امیر کلال کا ارشاد

حضرت امیر کلال قدس سرہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے مریدوں میں خواجہ بہاء الدین نقشبند رحؒ اور مولینا عارف دیگ گرانی کے مثل کوئی نہیں ہے یہ دونوں سب سے آگے چلے گئے ہیں ۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ حضرت امیر کلال قدس سرہ سے خلافت پانے کے بعد سات سال مولانا عارف کی صحبت میں رہے اور مولانا کی تعظیم و تکریم میں مصروف رہ کر انھیں کے ساتھ سلوک طے کیا ۔ چنانچہ آپ بوقتِ طہارت نہر کے کنارے پر مولانا سے بلند مقام پہ ہرگز نہ بیٹھتے ، اور راستہ چلتے وقت بھی مولانا کے برابر نہ چلتے تھے اور ہمیشہ آپ کا اتباع کرتے تھے ۔ کیونکہ حضرت مولانا کو حضرت امیر کلال قدس سرہ کی صحبت میں حضرت پہ سبقت تھی اور حضرت خواجہ سے برسوں پہلے آپ حضرت امیر کلال رحؒ کی تربیت میں درجہ کمال کو پہنچ چکے تھے ۔ حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب ہم ذکر حق میں مشغول ہوئے اور ہم میں شانِ آگاہی پیدا ہوئی تو ہم اس کی اصل کے طالب ہوئے ۔ اور تیس برس تک اصل کی تلاش اور جستجو کرتے رہے ۔ دو مرتبہ سفرِ حجاز کیا ۔ ہر ایک گوشہ اور زاویہ میں پھرے ۔ اس تلاش میں مولانا عارف کے مثل کوئی شخص بھی مل جاتا تو ہم ہرگز واپس نہ آتے ایسا شخص چاہیے جو ہم زانو ہو اور سیر میں آسمانوں سے آگے بڑھ گیا ہو اور ظاہر و باطن میں دین میں مشغول ہو ۔ (حضرات القدس)

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ آدمی جب کلام اللہ پڑھتا پڑھتا لغو گفتگو کرتا ہے اور پھر اسے پڑھنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ تجھے میرے کلام سے کیا تعلق ہے؟ (میں کہتا ہوں) اسی لیے سیدی علی خواصؒ جب تلاوت کرتے تو ان کے ساتھ اگر کوئی شخص ضرورت سے بات کرتا تو وہ اپنے دل میں کہتے اے اللہ! اجازت ہو تو میں فلاں شخص سے بات کرلوں۔ اس کے بعد اس شخص سے گفتگو کرتے۔

مقام احسان

حضرت محمد بن واسع کا فرمان ہے کہ بندہ مقام احسان تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ اپنے ہر ایک دوست سے احسان نہ کرے۔ خواہ ان کی صحبت ایک ساعت ہی ہو۔ یہاں تک کہ جب وہ بکری کو فروخت کرتے تو خریدار کو اس کے ساتھ سلوک کرنے کی تاکید کرتے اور کہتے کہ یہ کچھ عرصہ ہمارے پاس رہی ہے۔

حکایت

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے والد عبدالعزیز مصر کے گورنر تھے انہوں نے اپنے لڑکے عمر کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے لیے مدینہ میں حضرت صالح بن کیسان کی نگرانی میں دے دیا۔ یہ صالح بن کیسان کا فیضانِ تربیت تھا کہ بنی امیہ کے خانوادے میں وہ "فاروق ثانی" پیدا ہوا جس نے خلافتِ راشدہ کو از سر نو زندہ کر دیا۔ صالح بن کیسان نے کس اہتمام سے ان کی تربیت کی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نماز میں دیر کردی تو خدا پرست استاد نے باز پرس کرتے ہوئے پوچھا کہ تم نے آج نماز میں دیر کیوں کردی؟ شاگرد نے ادب سے جواب دیا کہ بال سنوار رہا تھا اس لیے ذرا دیر ہوگئی۔ شفیق استاد نے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ اچھا اب بالوں کی آرائش میں اتنا شغف ہوگیا ہے کہ اس کو نماز پر ترجیح دی جاتی ہے۔

اس کے بعد ان کے استاد نے ان کے والد کو یہ واقعہ لکھ بھیجا۔ عبدالعزیز کو یہ معلوم ہوا

تو اسی وقت ایک آدمی کو مصر سے مدینہ روانہ کیا جس نے آکر سب سے پہلے ان کے سر کے بال مونڈے اس کے بعد کسی سے بات چیت کی۔ عمر کے والد کا یہی حکم تھا۔

حسن تربیت کا یہی اہتمام تھا جس نے اموی خاندان کے ایک ناز پروردہ شہزادے کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رض بنا دیا۔ جن کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ کی رائے ہے کہ وہ پہلی صدی کے مجدد تھے۔ (یادِ ماضی ص ۲۰۵)

حکایت

ہمارے امام اعظم رح کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ کبھی ننگے سر نہ رہتے تھے۔ چنانچہ داؤد طائی رح فرماتے ہیں کہ میں بیس برس تک حضرت امام ابوحنیفہ کی خدمت میں رہا۔ میں نے کبھی اس عرصہ میں آپ کو تنہائی میں اور جماعت میں نہ دیکھا کہ آپ ننگے سر بیٹھے ہوں یا پاؤں پھیلائے ہوں۔

حضرت داؤد طائی نے ایک روز حضرت امام سے پوچھا کہ اے امام دین! اگر آپ تنہائی کی حالت میں سر ننگا کریں یا پاؤں پھیلائیں تو اس میں کیا برائی ہے؟ حضرت امام اعظم رح نے فرمایا کہ تنہائی کی حالت میں خدا تعالیٰ کے ساتھ ادب رکھنا اور اس کی ذات پاک کا لحاظ رکھنا بہت اچھی بات ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۵۰)

راز کو فاش کرنا خلافِ ادب ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت کی جاتی ہے کہ انھوں نے حق ہدایت کے بارے میں فرمایا ہے کہ اے صاحبِ عقل لوگو! تم اپنے کلام میں اس ہمدرد اور تندرستی کے طالب طبیب کی مانند ہو جاؤ کہ جو ہر مرض میں مریض کے مزاج اور طبیعت کے مطابق شافی دوائیں بھی دیتا ہے اور کچھ ضروری پرہیز بھی تجویز کرتا ہے۔ عقلمندی کی بات یہی ہے کہ کوئی بات کرنے سے پہلے یہ جان لو کہ کس طرح اور کس سطح کی بات کس کے ساتھ کی جارہی ہے۔ جس سے بات کرنا مقصود ہے کیا وہ بات کی کُنہہ تک پہنچ سکے گا یا نہیں؟ کیا وہ تمھارا مخاطب تمھاری بات کو سمجھ بھی سکے گا یا نہیں؟ اگر مخاطب سے اس کی قدرت اور استطاعت کے لائق بات نہ کی جائے تو یہ سراسر ظلم ہوگا۔

اسی طرح ہر راز کو راز ہی رکھنا چاہیئے۔

عارفوں کے آدابِ گفتگو

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ گفتگو کے آداب اور قرینے ہوتے ہیں۔ گفتگو میں لفظوں کا استعمال اپنی قدر و قیمت رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود کم گوئی بھی ایک نعمت ہے۔ جو جتنا زیادہ بولتا ہے اسی قدر زیادہ فروگزاشت کرتا ہے۔ تھوڑا لیکن بامقصد اور غور و خوض سے بولنا بدرجہا بہتر ہے۔ اسی طرح گفتگو میں موقع محل کی بھی پابندی ہوتی ہے، بے موقع گفتگو اکارت جاتی ہے، بے سوچے سمجھے، بے موقع اور اپنے مخاطب کا خیال رکھے بغیر بولنے والا کلام کی روح سے عاری ہوتا ہے۔ اس کا اصل مقام گونگے، بہرے اور اندھے پن کا ہوتا ہے۔

اور ارشاد ہوا کہ جس طرح کلام میں لفظوں کی حرمت اور شوکت ہوتی ہے اسی طرح کلام کی بھی تکریم و توقیر ہوتی ہے۔ کلام کی تعظیم و تقدیس کو ملحوظ رکھنا گفتگو میں روح پیدا کرنا ہے ہر طرح کے کلام میں مخاطب ہی محترم ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ کا کلام اور گفتگو مخاطب کے لیے ہوتی ہے اس لیے اس امر کو ملحوظ رکھنا بے حد ضروری ہوتا ہے کہ آپ کس سے مخاطب ہیں اور پھر اسی مخاطب کے پیش نظر ہی اندازِ کلام اور اسلوب پیدا ہوتا ہے اور پھر یہ بھی گفتگو کے آداب میں سے ہے۔ اہلِ معرفت کے ساتھ گفتگو معرفت کے معیار پر ہو اور راز کی ہمہ وقت حفاظت اور پاسداری کی جائے۔

ادب کی تلقین

حضرت بکر بن عبداللہ مزنیؒ فرماتے ہیں کہ جب تم کسی اپنے سے بڑے کو دیکھو تو اس کی تعظیم کرو اور سمجھو کہ اس نے اسلام لاتے اور نیک عمل کرنے میں تم سے سبقت کی ہے اور تم کسی اپنے سے چھوٹے کو دیکھو تو بھی اس کی تعظیم کرو۔ اور سمجھو کہ تم نے اس سے پہلے گناہوں میں سبقت کی ہے۔ اور جب لوگ تیری تعظیم کریں تو سمجھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور تم اس کے مستحق نہیں ہو۔ اور اگر لوگ تیری اہانت کریں، تو جان لو کہ یہ تمہارے کسی گناہ کے باعث ہے اور اگر تم نے اپنے پڑوسی کے کتے کو پتھر مارا تو گویا

تو نے اپنے پڑوسی کو اذیت پہنچائی۔

لوگوں کو نیکی سکھلاؤ

حضرت احمد بن حربؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کو نیکی سکھلائے اور ان کو راہِ راست پہ لائے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے چند آدمی مزدوری پر مقرر کیے ہوں جو اپنے جسم اور مال سے اس کے کام کو رات دن اس کی زندگی میں اور اس کی موت کے بعد بھی انجام دیتے ہیں۔

آدابِ شاہی کو ملحوظِ خاطر رکھو

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ تم جس کیفیت یا حالت میں ہو اس سے ادنیٰ یا اعلیٰ کی آرزو نہ کرو۔ جب تم شاہی محل کے دروازے پہ ہو تو اپنے آپ کو پاسبان سمجھو اور از خود اس میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو، جب تک غیر اختیاری صورت میں تمھیں اس میں داخلے پر مجبور نہ کر دیا جائے۔ یعنی تمھیں سخت حکم یا تاکید کے ذریعے اندر نہ بلایا جائے، صرف داخلے کے اذن پر انحصار نہ کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کی طرف سے یہ اجازت محض فریب اور دھوکہ ہو یا صرف تمھارا امتحان مطلوب ہو۔ اس وقت تک صبر و تحمل کا مظاہرہ کرو جب تک تمھیں اندر داخل ہونے پہ مجبور نہ کر دیا جائے اور تمھارا داخلہ سراسر حکمِ شاہی سے ہو۔ جب بادشاہ کے اجازت نامے سے ایسا ہو گا تمھیں سزا کا مستحق نہیں گردانا جا سکے گا۔ سزا تو اسی صورت میں ہو گی جبکہ تمھارا یہ فعل ذاتی ہو اور حرص، بے صبری، بے ادبی اور اپنی موجودہ حالت پر راضی نہ ہونے کی کیفیت کے باعث ہو۔

جب تم حکمِ شاہی پر قصرِ شاہی میں داخل ہو جاؤ تو اسے سعادت اور خوش بختی پر محمول کرو مؤدب، سرنگوں اور فرمانبردار بن کر جان و دل سے حکم کی تعمیل میں مصروف ہو جاؤ اور ترقی مراتب کی خواہش نہ کرو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہم نے دنیا کے جو ظاہری اموال و اسباب کفار کو دے رکھے ہیں آپ ان کی طرف نظر بھر کے نہ دیکھیے۔ کیونکہ یہ تو ان کو فتنہ و امتحان میں مبتلا کرنے کے لیے ہیں اور آپ کے رب کا عطا کردہ رزق آپ کے

لیے بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ اس قولِ خداوندی میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں کے لیے حفظ حال، صبر و شکر اور عطا کردہ نعمتوں پر راضی رہنے کی تلقین کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خیر، منصبِ نبوت، علم، قناعت، توحید و معرفت، جہاد، صبر، ولایت اور فتوحِ غیبی وغیرہ جو چیزیں دین کے متعلق حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی ہیں، وہ انکی ذات کے لیے مخصوص ہیں۔ دنیا کے مال اور سامانِ عشرت سے بہتر اور دائمی حیثیت کی ہیں اور مکمل خیر کا مطلب بھی یہی ہے کہ خدا کی رضا پر راضی ہو کر اپنے حال کی حفاظت کی جائے اور فانی چیزوں کی طرف ملتفت نہ ہونا ہی نیکیوں اور برکتوں کی اصل ہے۔ دنیا کی تمام اشیاء کو خدا تعالیٰ نے بندوں کی آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے۔

کوئی بھی چیز یا تو تمھاری قسمت ہے یا کسی غیر کی یا وہ کسی کے لیے بھی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے اس کو کسی آزمائش و ابتلا کے لیے پیدا کیا ہے اگر مشیت میں وہ تمھارا مقدر ہے تو تمھیں بہر حال ضرور ملے گی، تم چاہو یا نہ چاہو۔ لیکن یہ بات غلط ہے کہ اس سلسلے میں تمھاری طرف سے غفلت گستاخی یا سوئے ادب کا اظہار ہو اور اگر وہ چیز کسی دوسرے کی قسمت میں ہے تو اس کے حصول کے لیے تردد کرنا نامناسب اور بے سود ہے اور اگر وہ سلامتی اور خیر کے ساتھ کسی کی بھی قسمت میں نہیں ہے بلکہ صرف فتنہ یا آزمائش کی حیثیت رکھتی ہے تو کوئی صاحب عقل خواہ مخواہ فتنوں، آزمائشوں اور پریشانیوں کی آماجگاہ بننا کہاں پسند کرے گا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ بھلائی اور سلامتی حفظِ حال ہی میں ہے۔ چنانچہ اگر تم قصرِ شاہی میں داخلے کے بعد سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چھت اور بالا خانے تک پہنچ جاؤ تو بھی پہلے کی طرح مؤدب، خاموش اور سرنگوں رہو بلکہ پہلے سے زیادہ آدابِ شاہی کو ملحوظ رکھ کر خدمت میں مشغول ہو جاؤ۔ کیونکہ قربِ شاہی میں خطرات زیادہ ہیں۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی تلقین ادب

ایک مرتبہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی

مجلس میں ادب کے متعلق بات چیت ہو رہی تھی آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مجلس میں آئے تو جہاں خالی جگہ دیکھے وہیں بیٹھ جائے کیونکہ آئندہ جگہ بھی اس کی وہی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ دعا گو اجمیر میں شیخ معین الدین حسن سنجری کی خدمت میں مولانا صدرالدین کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ مولانا صدرالدین نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر بیٹھے ہوئے تھے اور اصحابؓ ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے کہ تین آدمی باہر سے آئے ایک نے اس حلقہ میں جگہ پائی وہ وہیں بیٹھ گیا دوسرا جس نے اس حلقہ سے باہر جگہ دیکھی وہ وہیں بیٹھ گیا۔ اور تیسرے نے جب جگہ نہ پائی تو واپس چلا گیا اسی وقت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ اور عرض کی یارسول اللہ ! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حلقہ میں جگہ پائی ہے اس کو ہم نے اپنی پناہ میں لے لیا اور جو حلقے سے پیچھے بیٹھا ہے ہم اس سے بہت شرمندہ ہیں اور قیامت کے دن ہم اسے رسوا نہیں کریں گے اور تیسرا جو چلا گیا ہے وہ ہماری رحمت سے دور ہو گیا اور محروم رہا۔ قاضی حمیدالدین ناگوری نے عرض کی کہ جو شخص چلا گیا اگر وہ نہ چلا جاتا تو کیا کرتا۔

خواجہ قطب الاسلام نے فرمایا کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان مجلس میں جہاں جگہ پائے بیٹھ جائے اور اسی جگہ بیٹھا رہے کیونکہ آئندہ جگہ بھی وہی ہوتی ہے یا حلقہ کے پیچھے بیٹھ جائے لیکن ہر حال میں دائرہ کے درمیان نہ بیٹھے۔

ادب کا صلہ

خواجہ بایزید بسطامیؒ کا خطاب سلطان العارفین تھا۔ چنانچہ ایک رات نصف شب کے وقت اٹھ کر مکان کی چھت پر آ کر خلقت کو سویا دیکھا۔ اور کسی شخص کو جاگتے ہوئے نہ پایا تو خواجہ صاحب کے دل میں خیال گزرا کہ افسوس! ایسی باعظمت درگاہ میں بیدار اور مشغول کیوں نہیں ہیں۔ چاہا کہ خداوند تعالیٰ سے ساری خلقت کے جاگنے اور مشغول ہونے کی دعا کریں۔ پھر دل میں خیال آیا کہ یہ شفاعت کا مقام سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے مجھے کیا مجال کہ ایسی درخواست کروں۔ جونہی دل میں یہ خیال پیدا ہوا غیب سے آواز آئی کہ اے بایزید اسی قدر ادب جو تم نے ملحوظ رکھا۔ میں نے تیرا نام خلقت میں سلطان العارفین رکھا۔

حکایت حضرت توکل شاہ انبالوی نقشبندی کا ارشاد ہے کہ ایک دفعہ کوئی اہلِ علم شخص جو کسی بزرگ کا مرید تھا، جوشِ محبت میں کہنے لگا کہ چار امام تو ہیں مگر پانچواں امام اب اس وقت میرا پیر ہے۔ حضور نے فرمایا کہ اس طرح نہیں کہنا چاہیئے یہ بے ادبی ہے۔ مگر وہ نہ مانا بلکہ اسی پر اڑا رہا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ پیر سے منحرف ہو گیا اور کہنے لگا کہ یہ میرا پیر ہی نہیں ہے اور میں اس کا مرید ہی نہ تھا اور اس کو فقیری وغیرہ کچھ نہیں آتی۔ حضور نے فرمایا کہ یہ تیری بے ادبی کا نتیجہ ہے، تُو اپنے پیر کو ائمہ مجتہدین کے برابر بناتا تھا اور پیر کے ساتھ اعتقاد رکھتا تھا امام کی شان بہت عالی ہوتی ہے اور اپنے دل میں جو محبت یا جس قدر عقیدہ ہو پوشیدہ رکھ۔ لوگوں کے سامنے نہ کہہ۔ اس طرح دین میں فتنہ برپا ہوتا ہے۔ مذاہب اربعہ کی امامت ختم ہو چکی ہے۔ کسی ائمہ دین کی برابری دینے میں ان کی بے ادبی ہے یہ ان کی ارواح طیبہ کی غیرت ہے یہ درست نہیں۔ باقی عقیدۃً جس قدر محبت ہو اپنے پیشوا کو سمجھے اور ظاہر وہی الفاظ ہوں جو شریعت کے موافق ہوں۔ اگر ایسا کرے تو تمام اولیاء اللہ خاص کر خواجگان نقشبندی بہت ہی ناراض ہوتے ہیں کیونکہ اس میں شریعت کا التزام بہت ضروری ہے اور اعلیٰ درجہ کا ہے۔

باب ۸

خاموشی

خاموشی کا مطلب یہ ہے کہ فضول اور بیجا باتوں سے اجتناب کیا جائے۔ خاموشی بھی اعمالِ تصوف سے ہے۔ صوفیاء نے اس کی طرف خصوصی توجہ دی ہے کیونکہ خاموش رہنے سے تصور اور مراقبہ کی پرواز تیز ہو جاتی ہے اور منازلِ سلوک طے کرنے میں بے پناہ آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص کر سلوک کی ابتدائی منازل میں تو خاموشی بہت ضروری ہے۔ بعض صوفیا نے تو طویل عرصہ کے لیے خاموشی اختیار کی مگر بعض خاموش تو رہے لیکن ضرورت کے مطابق بات چیت کر لیتے۔ خاموشی خواہ طویل عرصے کے لیے ہو یا تھوڑے وقت کے لیے ہو، اس کے فوائد بے پناہ ہیں۔ اور خصوصاً استقامتِ حال میں بہت مدد ملتی ہے۔

قوتِ گویائی اللہ تعالیٰ کا ایک انمول عطیہ ہے اور اس کے اظہار کا ذریعہ زبان ہے۔ اس قوتِ گویائی کی قدر صرف وہی شخص جانتا ہے جو اس نعمت سے محروم ہے اس لیے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بولنے کی قوت عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا اس قوتِ گویائی سے ہر وقت اچھی بات کہنی چاہیئے اس سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنی چاہیئے۔ ضرورت کے مطابق زندگی میں لین دین کی بات کی جائے۔ غرضیکہ قوتِ گویائی کو نیکی اور اچھائی کے لیے استعمال کیا جائے اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر خاموشی کی راہ اختیار کرنی چاہیئے یعنی لغو باتیں نہ کی جائیں۔ یعنی ضرورت کے مطابق بات چیت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ ہمارے اردگرد ہر جگہ ایسا ماحول ہوتا ہے جہاں لوگ خواہ مخواہ بیجا باتوں میں ملوث رہتے ہیں ان سے بچنے کے لیے خاموش رہنا بہتر ہے۔ خاموشی کا فائدہ قرآن پاک کی اس آیت سے عیاں ہوتا ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

"جب کوئی شخص بات کرتا ہے تو اس کو میرے مقرر کردہ نگران لکھ لیتے ہیں" یعنی جو بات انسان منہ سے نکالتا ہے اسے اللہ کے فرشتے جوں کی توں بطور ریکارڈ محفوظ کر لیتے ہیں اور آخرت میں ان باتوں کا جوابدہ ہونا پڑیگا۔ اس لیے انسان کو خبردار رہنا چاہیے کہ بات کرتے وقت صرف مقصد کی بات کرے، خاموش رہنے کے بعد جو بات کی جاتی ہے وہ سچائی کی دلیل بھی بن جاتی ہے جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے جب اللہ کے حضور حصولِ اولاد کی دعا کی تو اللہ تعالےٰ نے دعا قبول فرمانے کے بعد ایک نشانی بتائی کہ تو تین دن تک خاموش رہے گا یعنی کسی سے کلام نہ کر سکے گا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ خاموشی کو پروردگار نے کسی بات کو سچا کرنے کی دلیل بھی ٹھہرایا ہے۔

الغرض خاموشی کا مطلب یہی ہے کہ زبان سے بری باتیں نہ نکالی جائیں اور نہ کوئی ایسی بات کی جائے جس سے دوسرے کی دل آزاری ہو کیونکہ جو فضول یا بری بات زبان سے نکالی جاتی ہے وہ گناہ میں شمار کر لی جاتی ہے اور قیامت کے روز ان بُرے الفاظ کی بنا پر انسان کو سزا دی جائے گی اور سزا سے بچنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی کو ترجیح دی ہے اور اس بات کی ترغیب دی ہے کہ فضول باتوں کی بجائے خاموشی اختیار کر لینا بہتر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ضرورت کے مطابق بھی بات چیت نہ کی جائے بلکہ ضرورت کے مطابق بات چیت کر کے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کیونکہ زبان کی قوتِ گویائی اللہ کی عظیم نعمتوں سے ہے۔

زبان دیکھنے میں تو ایک گوشت کا لوتھڑا ہے مگر اس کا تصرف جو کچھ کائنات میں ظاہر و پوشیدہ ہے سب پر ظاہر ہے اور وہ عقل کی نائب ہے کوئی چیز عقل سے باہر نہیں۔ عقل کے ذریعہ سے وہم و خیال کو بھی تعبیر کرتے ہیں اور زبان کی وزارت تمام مملکتِ جسم میں جاری ہے اور دل اس کا بادشاہ ہے اور یہ وزیر ہے۔ چونکہ وہ دل کے مقابلے میں ہے اس سے باتیں لے کر اس کا رازنہ ظاہر و آشکارا کرتی ہے۔ اگر غم کا اثر ہے تو دل سے رقت و سوز کا اثر لے کر نوحہ کرتی ہے اور جب دل میں سرور ہے تو اس سے ویسے ہی ترانے گاتی ہے اور جب حق بات کہتی ہے منجانب اللہ

دل روشن ہوتا ہے اور جب دروغ کہتی ہے دل اس سے اندھا ہوتا ہے پس دل کی راستی و کجی، زبان کی راستی و کجی کے تابع ہے۔

حضرت ابو علی دقاق رح کا قول ہے کہ جو شخص حق بات کہنے سے خاموش رہا وہ گونگا شیطان ہے اور خاموشی بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونے کے آداب میں سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ — جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنوں کے حاضر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا — جب حاضر ہوئے تو ایک دوسرے سے خاموش رہنے کو کہا

--

نیز فرمایا:

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔ — اللہ تعالیٰ کے سامنے (ادب کی وجہ سے) آوازیں پست ہوگئیں، اب سوائے دھیمی آواز کے کچھ بھی نہ سنو گے۔

--

حضرت ابو علی دقاق رح کا قول ہے کہ خاموشی سلامتی ہے۔ چونکہ جب خاموش نہ رہنے پر شریعت نے زجر کیا ہے، اس وقت خاموشی ندامت کا سبب ہے لہٰذا ضروری ہے کہ خاموش رہنے میں احکام شریعت اور امر و نہی کا لحاظ رکھا جائے، اپنے وقت پر خاموش رہنا مردانِ خدا کی صفت ہے، جس طرح اپنے محل پر بولنا بہت شریف خصلت ہے۔

فضیلتِ خاموشی

خاموشی میں نجات ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا (احمد، ترمذی، دارمی، بیہقی)

حضرت عقبہ بن عامر رضؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ نجات کس چیز میں ہے؟ فرمایا کہ اپنی زبان قبضے میں رکھو، تمھارے لیے تمھارا گھر کافی ہے اور اپنی خطاؤں پر رویا کرو۔ (احمد، ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت

عبداللہ بن سفیان اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! مجھے اسلام میں کوئی ایسی خوبی بتادیں کہ پھر مزید پوچھنے کی ضرورت نہ رہے، آپؐ نے فرمایا کہو میں ایمان لایا، پھر اس پر قائم ہو جا۔ پھر انھوں نے عرض کی کہ میں کس چیز سے بچوں، آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے زبان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ اس سے بچو۔ (ابن ماجہ)

جنّت کی ضمانت

حضرت سہل بن سعد رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو مجھے اس کی ضمانت دے جو دونوں جبڑوں کے درمیان ہے اور اس کی ضمانت دے جو دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے۔ میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ (بخاری شریف)

زبان کے شر سے حفاظت

ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو پیٹ، شرمگاہ اور زبان کے شر سے محفوظ رکھا وہ سب برائیوں سے محفوظ رہا کیونکہ اکثر لوگ انھی تین شہوتوں سے تباہ

ہوتے ہیں۔ (کیمیائے سعادت)

تقویٰ اور خوش خلقی

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ کیا چیز لوگوں کو کثرت سے جنت میں داخل کرے گی؟ وہ اللہ کا تقویٰ اور خوش خلقی ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ کیا چیز لوگوں کو کثرت سے جہنم میں داخل کریگی؟ وہ دو خالی چیزیں منہ اور شرمگاہ ہیں۔ (ترمذی)

خاموشی افضل عمل ہے

حضرت معاذؓ نے جب آپ سے پوچھا کہ اعمال میں سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ نے اپنی زبان نکال کر اس پہ انگلی رکھی یعنی خاموشی افضل الاعمال ہے۔

تکمیل ایمان کے اجزاء

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ بندے کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل درست نہ ہو اور اس کی زبان درست نہ ہو اور جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔ (بیہقی در شعب الایمان)

خاموشی میں سلامتی ہے

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سلامتی سے رہنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ خاموشی اختیار کرے۔ (طبرانی)

جسم کے اعضاء کا مطالبہ

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو جسم کے سب اعضاء زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں ذرہ خدا کا خوف رکھنا۔ اگر تو سیدھی رہے گی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اگر تو درست نہ رہے گی تو ہم بھی بگڑ جائیں گے۔ (ترمذی)

زبان کو تاکید

حضرت ابن مسعودؓ کوہ صفا پہ چڑھے تو یوں فرمایا کہ اے زبان اچھی بات کہہ تاکہ غنیمت ملے اور خاموشی اختیار کر سلامت رہے گی پہلے اس سے

کہ شرمندہ ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ یہ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ میں نے حضورؐ کو ایسے ہی فرماتے سنا ہے۔

بے کار باتوں کو چھوڑ دو

حضرت علی بن حسین رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے اسلام کی خوبیوں سے بے کار باتوں کا چھوڑ دینا ہے۔ (مالک، احمد)

زبان کی حفاظت کرو

حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر کہنے لگا یا رسول اللہؐ! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ فرمایا کہ اللہ کا تقویٰ لازم پکڑ کہ یہ تمام بھلائیوں کی اصل ہے۔ اور جہاد کو لازم پکڑو کہ یہ اہلِ اسلام کی رہبانیت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تلاوتِ قرآن پاک کی پابندی کرو کہ یہ تیرے لیے زمین میں نور ہوگا۔ اور آسمان میں تیرے تذکرہ کا باعث ہوگا۔ اور کلمۂ خیر کے سوا اپنی زبان کی حفاظت کر کہ اس کی بدولت تو شیطان پر غلبہ پالے گا۔

ایمان کا تقاضا

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے ہمسایہ کا اکرام کرنا چاہیئے، اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیئے۔ نیز کوئی اچھی بات ہو تو کرے ورنہ چپ رہے۔ (بخاری)

حضرت عمر رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے غلام کے تھپڑ مارتا ہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کردے اور جو شخص اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرماتے ہیں، اور جو شخص غصہ پی لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے عذاب سے محفوظ فرمائیں گے۔ جو شخص اپنے رب کی بارگاہ میں عذر خواہی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی معذرت قبول فرماتے ہیں۔

اسلام کی خوبیاں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے۔

چار چیزیں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے چار چیزیں مومن کے لیے عبادت کی جڑ ہیں۔ خاموشی، تواضع، اللہ کا ذکر اور برائی سے بچنا۔

زبان کی احتیاط ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پانچ چیزیں منافق میں نہیں ہوتیں۔ ایک دین کی سمجھ، دوسرے زبان کی احتیاط تیسرے چہرے کا تبسم، چوتھے قلب کا نور، پانچویں مسلمانوں سے محبت۔

مبارکباد کے لائق شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ وہ شخص مبارکباد کے لائق ہے جو اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہے اور گھر کی چاردیواری میں رہتا ہے اور اپنی خطاؤں پر روتا ہے۔

ابراہیمی صحیفے حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ابراہیمی صحیفوں میں کیا مضامین تھے؟ فرمایا ان میں پُرحکمت مثالیں اور عبرت آموز محاورات تھے۔ ایک عقل مند کو لائق ہے کہ جب تک اس کی عقل کام کرتی ہے وہ اپنی زبان کی نگہداشت کرے۔ اپنے اوقات کی قدر کرے۔ اپنے حالات پر پورے دھیان سے نظر رکھے کہ جو شخص اپنے کلام کا محاسبہ کرنے لگتا ہے تو پھر وہ بامقصد کلام ہی کرتا ہے۔

خاموشی اچھی چیز ہے ایک حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، بیشک نماز دین کا ستون ہے مگر خاموشی افضل ہے۔ یہ سچ ہے کہ صدقہ وخیرات اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کرتا ہے لیکن خاموشی بہتر چیز ہے۔ ایسے ہی یہ بھی

حقیقت ہے کہ روزہ دوزخ کی آگ سے نجات پانے کے لیے ڈھال کا کام دیتا ہے مگر بیہودہ باتوں کی بجائے خاموش رہنا بہت اچھی چیز ہے۔

بُری بات نہ کہو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی کہے کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا وہی ہے (یعنی بری بات کہنے کی بجائے خاموشی بہتر ہے۔) (مسلم شریف)

دو عادتیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو درداء رضی اللہ عنہ! کیا میں تمھیں ایسی دو عادتیں نہ بتاؤں جو پیٹھ پر ہلکی اور میزان میں بھاری ہیں؟ میں عرض گزار ہوا کہ کیوں نہیں۔ فرمایا کہ لمبی خاموشی اور حُسنِ اخلاق۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، مخلوق نے ان جیسا کوئی عمل نہیں کیا۔ (بیہقی)

باتونی کی مذمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو باتونی ہوتا ہے اس کی گفتگو میں اکثر غلطی واقع ہو جاتی ہے اور ایسا شخص بڑا گنہگار ہوتا ہے۔ اور جو بڑا گنہگار ہو، جہنم کی آگ اس کے لیے اولیٰ ہے۔

خاموشی کی ترغیب

عمران بن حطان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھیں ایک سیاہ کمبل لپیٹے ہوئے مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے پایا۔ میں عرض گزار ہوا کہ اے ابوذر رضی اللہ عنہ! یہ تنہائی کیسی؟ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بُرے ساتھی سے تنہائی بہتر ہے، اچھا ساتھی تنہائی سے بہتر ہے اچھی بات کہنا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموش رہنا بُری بات کہنے سے بہتر ہے۔ (بیہقی)

خاموشی پر قائم رہو

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کا خاموشی پر قائم رہنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (بیہقی)

حضور کی وصیت

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں

حاضر ہوا۔ پھر لمبی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں عرض گزار ہوا یا رسول اللہؐ! مجھے وصیت فرمائیے فرمایا کہ میں تمھیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تمھارے کاموں کو زینت دے گا۔ میں عرض گزار ہوا کہ اور زیادہ۔ فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کر لو، تو آسمانوں میں تمھارا چرچا اور زمین میں تمھارے لیے نور ہوگا۔ میں عرض گزار ہوا کہ اور زیادہ۔ فرمایا کہ لمبی خاموشی کو اپنے اوپر لازم کر لو، کیونکہ یہ شیطان کو بھگانے والی اور دینی کاموں میں تمھاری مددگار ہوگی۔ میں عرض گزار ہوا کہ اور زیادہ۔ فرمایا کہ زیادہ ہنسنے سے بچنا کیونکہ یہ دل کو مردہ کرتا اور چہرے کے نور کو دور کر دیتا ہے۔ میں عرض گزار ہوا کہ اور زیادہ۔ فرمایا حق بات کہنا اگرچہ وہ کڑوی ہو۔ میں عرض گزار ہوا کہ اور زیادہ۔ فرمایا کہ اللہ کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا۔ عرض گزار ہوا کہ اور زیادہ۔ فرمایا کہ وہ برائی تمھیں لوگوں سے روکے جس کو تم جانتے ہو کہ تمھارے اندر موجود ہے۔ (بیہقی)

خاموش کا مقام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کوئی خاموش اور باوقار مسلمان دیکھو تو اس سے تقرب حاصل کرو۔ کیونکہ ایسا شخص صاحبِ حکمت ہوتا ہے۔

عقلمند آدمی کی فکر اور تقسیمِ اوقات

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عاقل آدمی کو صرف تین باتوں کی طرف توجہ دینی چاہیئے، کسبِ معاش کی طرف، آخرت کے لیے یکسوئی کی طرف اور جائز لذتوں کی طرف۔ نیز فرمایا کہ دن بھر میں عقلمند آدمی کے لیے چار گھڑیاں ہونی چاہئیں۔ ایک ایسی گھڑی جس میں اپنے ربِ کریم سے مناجات کرے، ایک ایسی گھڑی جس میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے، ایک ایسی گھڑی جس میں اہل علم کے پاس جائے جو دین و دنیا کی بصیرت کا اس کو سبق دیں۔ اور اس کی خیر خواہی کریں۔ ایک ایسی گھڑی جس میں اپنے نفس کو حلال اور جائز لذتوں اور خواہشوں کے لیے ذرا آزاد چھوڑ دے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ عاقل کو اپنے احوال میں

غور کرتے رہنا چاہیئے، اپنے ہم عصروں سے غافل نہ رہے، اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت معاذ رضؓ کو نصیحت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو وہ عرض کرنے لگے کہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے، آپؐ نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنی زبان کی حفاظت کا بہت خیال رکھنا۔ حضرت معاذ رضؓ نے اسے معمولی سمجھ کر پھر درخواست کردی کہ کوئی نصیحت فرمایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا تیری ماں تجھے گم پائے لوگوں کو دوزخ میں منہ کے بل اسی زبان کے رطب ویابس ہی نے تو گرایا ہے۔

خاموشی حکمت ہے

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خاموشی حکمت ہے مگر اس پر عمل کرنے والے کم ہیں۔ (بیہقی)

خاموشی کا فائدہ

حضرت عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے تو اس زیادتی کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کردے اور جس شخص نے اپنے غصے کو روکا اس کو اللہ تعالیٰ عذاب سے بچائے گا۔ اور جو اپنے پروردگار کے سامنے معذرت اور توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی معذرت کو قبول فرمائے گا۔ اور جو شخص اپنی زبان کو قابو میں رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپائے گا اور جو شخص زیادہ تر خاموش رہے گا لوگ اس کے ہر قسم کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ اور جو شخص باتیں زیادہ کرے گا اس کے گناہ زیادہ ہوں گے اور جس کے گناہ زیادہ ہوں گے اس کا دل مرجائے گا۔ اور جس کا دل مرجائے گا وہ داخلِ جہنم ہوگا۔

خاموشی کا اجر جنت ہے

حضرت انس رضؓ نے فرمایا کہ صحابہ کرام میں سے ایک وفات پاگئے تو ایک شخص نے کہا کہ آپ کو جنت مبارک ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا معلوم کہ اس نے کوئی بیکار بات کی ہو یا ایسی چیز میں بخل

کیا ہو جو کم نہیں ہوتی۔ (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی

حضرت سماکؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن سمرہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا ہاں! مگر آپ بہت زیادہ خاموش رہا کرتے تھے۔ (طبرانی)

حضرت ابو مالک اشجعیؒ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا کرتے تھے اور ہم بچے تھے۔ میں نے کسی آدمی کو حضورؐ سے زیادہ خاموش رہنے والا نہیں دیکھا۔ جب آپؐ کے اصحابؓ کثرت سے بات چیت کرتے تو آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ (طبرانی)

حضرت عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز باہر نکلے اور اپنی سواری پر چلے اور آپؐ کے اصحابؓ آپ کی معیت میں تھے۔ کوئی ان میں سے آپؐ کے آگے نہیں چل رہا تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں اللہ پاک سے سوال کرتا ہوں کہ ہمارا دن (یعنی وفات) آپ کے دن (یعنی وفات) سے پہلے کر دے۔ آپ فرمائیے اگر ایسا ہو گیا کہ ہم آپ کے بعد رہے اور خدا ہمیں یہ دن نہ دکھلائے، تو کونسا عمل آپ کے بعد ہم کریں۔ حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے یہ دریافت کیا اور خود ہی کہا، کیا وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے؟ میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں یا رسول اللہؐ! آپؐ نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ بھی اچھی چیز ہے اور دین کی سب سے زیادہ تقویت دینے والی چیز کی لوگوں کے ساتھ عادت ڈالنا اس سے بھی زیادہ افضل ہے، حضرت معاذؓ نے کہا کیا روزہ و صدقہ؟ آپؐ نے فرمایا روزہ اور صدقہ بھی اچھی چیز ہے اور لوگوں کے ساتھ دین کی سب سے زیادہ تقویت دینے والی چیز کی عادت ڈالنا اس سے بھی افضل ہے۔ چنانچہ حضرت معاذؓ ہر خیر کا جس کو وہ جانتے تھے (اسی طرح

یکے بعد دیگرے) تذکرہ کرتے رہے اور ہر مرتبہ آپؐ یہی فرماتے رہے کہ دین کی سب سے زیادہ تقویت دینے والی چیز کی لوگوں کے ساتھ عادت ڈالنا زیادہ افضل ہے۔ تو حضرت معاذؓ نے کہا یا رسول اللہ میں لوگوں کے ساتھ دین کی زیادہ تقویت دینے والی چیز کی عادت ڈالوں، کیا یہ ان سب سے افضل ہے، تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا۔ اور فرمایا خاموشی (زیادہ افضل ہے) مگر بھلی بات سے نہیں۔ حضرت معاذؓ نے پوچھا کیا ہم سے جو کچھ زبان سے ہم کہتے ہیں اس کا مؤاخذہ کیا جائے گا؟ تو آپؐ نے حضرت معاذؓ کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا، تجھے تیری ماں گم کرے یا اسی جیسا اور جو کچھ کہ اللہ نے چاہا آپ نے کہا اور فرمایا کہ لوگ اپنے نتھنوں کے بل جہنم میں کسی اور وجہ سے نہیں، محض اپنی زبان کی گویائی کی وجہ سے اوندھے کرکے ڈالے جائیں گے۔ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے، بھلی بات کہے اور نہیں تو شر سے چپ لگا جائے۔ تم بھلی بات کہا کرو، غنیمت جمع کرلوگے اور شر سے خاموشی برتو، محفوظ رہوگے۔ (طبرانی)

صحابہ کرامؓ کی خاموشی

حضرت خالد بن نمیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسرؓ طویل خاموش رہنے والے اور طویل حزن و ملال والے تھے اور اکثر ان کا کلام یہ ہوتا کہ وہ فتنہ سے اللہ پاک کی پناہ چاہتے۔

حضرت ابو وائلؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ صفا پہاڑی پر چڑھے اور اپنی زبان کو پکڑا اور زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا بھلی بات بولا کر غنیمت جمع کرلے گی، شرارت سے سکوت کر محفوظ رہے گی اس سے قبل کہ تجھے پشیمان ہونا پڑے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اولاد آدم کی زیادہ تر خطائیں زبان سے ہوتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص قتل کیا گیا ... رونے والی اس پر رو دی اور اس نے کہا ہائے میرے شہید! راوی کہتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ رک!

تجھے کیا پتہ کہ وہ شہید ہے، شاید کہ وہ لایعنی باتیں کرتا ہو اور ایسی چیز میں بخل کرتا ہو جس سے اس کا کوئی نقصان نہ ہوتا ہو۔

حضرت اسلم رضی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی طرف جھانکا اور یہ اپنی زبان پکڑ پکڑ کر کھینچ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ کیا کر رہے ہیں؟ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ اسی نے تو مجھ کو ہلاکت کے مقاموں میں ڈالا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جو تیزیٔ زبان کا شکوہ نہ کرتا ہو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص یوم اُحد میں شہید ہوئے۔ ان کے پیٹ پہ بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا ان کی ماں نے ان کے چہرہ پر سے مٹی پونچھی اور کہا اے میرے بیٹے! تجھے جنت مبارک ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کیا علم، شاید کہ وہ لایعنی باتوں میں لگتا ہو اور ایسی چیز سے منع کرتا ہو جس میں اس کا نقصان نہ ہو۔

حضرت سعید جریری کی روایت میں ہے ایک راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو دیکھا کہ انھوں نے اپنی زبان کی نوک پکڑی اور آپ کہہ رہے تھے تجھ پہ بڑا افسوس ہے، بھلی بات بولا کر غنیمت جمع کرلے گی، شرارت سے خاموشی اختیار کر محفوظ رہے گی، یہ دیکھ کر اس آدمی نے کہا اے ابن عباسؓ! یہ کیا بات ہے کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنی زبان کی نوک پکڑ کر اس طرح کہہ رہے تھے؟ فرمایا مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بندہ قیامت کے دن اپنی کسی شے پر اتنا غصہ نہ ہوگا جتنا کہ اپنی زبان پر ہوگا۔

حضرت ابو ادریس خولانی بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں داخل ہوا، میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ ان کے اگلے دو دانت ظاہر تھے، بڑی خاموش طبیعت کے انسان تھے اور کچھ لوگ ان کے ساتھ تھے جب ان میں سے کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو ان کے سامنے پیش کرتے اور ان کی رائے پہ عمل کرتے۔ میں نے ان کے متعلق دریافت کیا تو بیان کیا گیا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں۔

حضرت ثابت بنانیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شداد بن اوسؓ نے ایک دن اپنے ساتھیوں میں سے ایک آدمی سے کہا دستر خوان لاؤ کہ ہم اس میں مشغول ہوں (یعنی کھانے پینے میں لگیں) یہ سن کر ایک آدمی نے آپ کے ساتھیوں میں سے کہا کہ میں نے آپ سے اس جیسا کلمہ جب سے آپ کے ساتھ رہا ہوں نہیں سنا، تو حضرت شداد بن اوسؓ نے فرمایا کہ میرے منہ سے کبھی کوئی کلمہ جب سے کہ میں حضورؐ سے جدا ہوا ہوں بغیر لگام اور نکیل چڑھائے ہوئے نہیں نکلا (یعنی جو کلمہ نکلا نپا تُلا نکلا) اور خدا کی قسم! بس یہی ایک کلمہ ایسا نکلا ہے۔

حضرت سلیمان بن موسیٰؒ سے روایت ہے کہ حضرت شداد بن اوسؓ نے ایک دن کہا دستر خوان لاؤ ہم اس سے کھیل کریں۔ راوی کہتے ہیں لوگوں نے اس کلمہ کی ان پر گرفت کی، سلیمان بن موسیٰؒ نے کہا ابو یعلیؓ سے جو بات سرزد ہوئی ہے کہو۔ (جب ان سے پوچھا گیا) تو حضرت شداد بن اوسؓ نے فرمایا اے میرے برادر زادہ! جب سے میں نے حضورؐ سے بیعت کی ہے کوئی کلمہ اس پر بغیر نکیل اور لگام چڑھائے ہوئے اس سے پہلے میں نے نہیں کہا۔ آؤ میں تم سے بیان کروں اس کو چھوڑ دو اور اس سے بھلا لو۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ التَّثَبُّتَ فِي الْاَمْرِ وَنَسْئَلُكَ عَزِيْمَةَ الرُّشْدِ وَنَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَنَسْئَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَنَسْئَلُكَ خَيْرَ مَا تَعْلَمُ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ۔	اے میرے اللہ! ہم تجھ سے امور میں ثابت رہنے کا سوال کرتے ہیں اور تجھ سے پختہ ہدایت طلب کرتے ہیں اور تجھ سے تیری نعمت کا شکر کرنے اور تیری اچھی عبادت کرنے کا سوال کرتے ہیں۔ ہم تجھ سے ایسے دل کے طلبگار ہیں جو درست ہو اور ایسی زبان طلب کرتے ہیں جو سچی ہو اور تجھ سے اس بھلائی کا سوال کرتے ہیں جو تو جانتا ہے اور تیری پناہ طلب کرتے ہیں اس شر سے جس کو تو جانتا ہے۔

اس کو لو اور اس کو چھوڑ دو۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت شداد بن اوسؓ

نے فرمایا کہ اس کلمہ کو تم یاد نہ رکھنا اور مجھ سے وہ چیز یاد کر لو جس کو میں کہتا ہوں پس بیشک میں نے حضورؐ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جب لوگ سونے اور چاندی کا خزانہ جمع کریں تم کثرت سے ان کلمات کو کہا کرو۔ بے اے اللہ! میں تجھ سے کام میں ثابت قدمی کا اور ہدایت میں پختگی کا سوال کرتا ہوں" اوپر والی دعا جیسی ذکر کی مع اس اضافہ کے:۔

وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ اور میں تجھ سے تیری ان باتوں سے مغفرت طلب کرتا ہوں جس کو تو جانتا ہے۔ بیشک تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے۔

حضرت عیسٰی بن عقبہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، روئے زمین پر کوئی جرم طویل قید کا زبان سے زیادہ مستحق نہیں۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں تم کو فضول کلام سے ڈراتا ہوں تم میں سے ہر ایک کے لیے اتنا کلام کافی ہے کہ حاجت پوری ہو جائے۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ بروز قیامت زیادہ خطا کار انسان وہ ہوگا جو لوگوں میں سب سے زیادہ بیکار بات میں لگتا ہو۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ زبان تمام بدن کو درست کرنے والی ہے۔ جب زبان درست ہوتی ہے تو تمام جوارح یعنی اعضاء درست ہوتے ہیں اور جب زبان مضطرب ہوتی ہے تو پھر اس کے لیے کوئی عضو درستگی پر نہیں رہتا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا اپنے آپ کو اس طرح چھپا کہ تیرا تذکرہ نہ کیا جائے اور خاموشی اختیار کر کہ تو محفوظ رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خاموشی جنت کی طرف بلانے والی ہے۔

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ خاموشی کو اس طرح پر سیکھو جس طرح تم گویائی کو سیکھتے ہو خاموشی بہت بڑی بردباری ہے اور بات کرنے سے زیادہ سننے کا حریص ہو جا اور کسی ایسی

شے کے بارے میں بات مت کر جو تیرا مقصود نہ ہو اور بغیر تعجب کے ہنسنے والا مت ہو اور غیر حاجت کی طرف چلنے والا مت بن۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا کہ مومن میں کوئی بوٹی ایسی نہیں جو اللہ کو زیادہ محبوب ہو سوائے اس کی زبان کے جس کے ذریعہ وہ جنت میں داخل ہوگا اور کافر میں کوئی ایسی بوٹی نہیں جو اللہ کو بہت بری لگے سوائے اس کی زبان کے جس کے ذریعہ وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ بندہ کی زیادہ پاک رکھے جانے کے قابل اس کی زبان ہے حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ بندہ پرہیزگار نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنی زبان کی حفاظت نہ کرے (جس طرح خزانے کی حفاظت کی جاتی ہے)

تین شروں سے بچو

حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا تو فرمانے لگے اے نوجوان! اگر تو تین چیزوں کے شر سے بچ جائے تو جوانی کے شر سے محفوظ ہو جائے گا۔ ایک زبان کا شر، دوسرے شرمگاہ کا شر، تیسرے پیٹ کا شر۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کا واقعہ

حضرت ابوذر غفاریؓ کا واقعہ ہے کہ وہ کعبۃ اللہ کے پاس کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں جندب بن جنادہ ابوذر غفاری ہوں ایک ہمدرد و مہربان بھائی کے پاس آجاؤ۔ لوگ آس پاس جمع ہو گئے تو فرمانے لگے لوگو تم میں سے کوئی شخص جب دنیا میں سفر کا ارادہ کرتا ہے تو زادِ راہ کے بغیر سفر نہیں کرتا، تو وہ شخص کیسا ہے جو آخرت کا سفر بلا زادِ راہ کرنا چاہتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا اے ابوذرؓ! ہمارا زادِ سفر کیا ہونا چاہیئے، فرمایا رات کی تاریکی میں دو رکعت نماز قبر کی وحشت کے لیے، اور سخت گرمی کے روزے قیامت کے دن کے لیے، اور مساکین پر صدقہ کرنا، تاکہ تمھیں سخت دن کے عذاب سے نجات ملے اور دوسرے بڑے بڑے امور کے لیے حج کرنا، اور دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر لو۔

ایک حصہ طلبِ دنیا کے لیے اور ایک حصہ طلبِ آخرت کے لیے، اس کے علاوہ تیسرا حصہ بنانا مضر ہے مفید نہیں۔ اسی طرح اپنی کلام بھی دو طرح کی بنالو، ایک وہ جو تمہاری دنیا میں کام دے۔ دوسرے وہ جو آخرت میں کام آئے اور تیسری مُضر ہے مفید نہیں، پھر فرمانے لگے آہ! مجھے اس دن کے غم نے ہلاک کر دیا ہے جس کی میرے پاس کوئی تلافی نہیں۔ عرض کیا گیا وہ کیا ہے؟ فرمایا میری امیدیں میری عمر سے بھی تجاوز کر گئیں اور میں اپنے عمل سے غافل ہو گیا ہوں۔

عبادت کے دس حصے

حضرت انس بن مالک رض سے روایت ہے کہ عبادت کے دس حصے ہیں جن میں سے نو خاموشی میں ہیں اور ایک حصہ یہ ہے کہ جاہلوں کی صحبت سے انسان دور رہے۔

حضرت عمر فاروق رض کا قول

حضرت عمر فاروق رض نے فرمایا ہے کہ کم بولنا حکمت ہے اور کم کھانا صحت ہے۔ کم سونا عبادت ہے اور عوام سے کم ملنا عافیت ہے۔

حضرت عثمان رض کا فرمان

حضرت عثمان رض نے فرمایا جب زبان اصلاح پذیر ہو جاتی ہے تو قلب بھی صالح ہو جاتا ہے۔

فرمودات حضرت علی رض

حضرت علی رض فرماتے ہیں کہ آدمی کی قابلیت زبان کے نیچے پوشیدہ ہے۔

نیز فرمایا کہ عقلمند آدمی اگر خاموش رہے تو قدرتِ الٰہی میں فکر کرتا ہے اور جب نگاہ اٹھا کر دیکھے تو عبرت حاصل کرتا ہے۔

نیز فرمایا جب تک کوئی بات تیرے منہ میں بند ہے تب تک تو اس کا مالک ہے، جب زبان سے نکال دی تو وہ تیری مالک ہو گی۔

نیز فرمایا کہ احمق کی عقل اس کی زبان کے پیچھے اور عقل مند کی زبان اس کی عقل کے پیچھے ہوتی ہے۔

نیز فرمایا کہ جس شخص کی زبان اس پر حکمران ہو تو وہی اُس کی ہلاکت اور موت کا فیصلہ کرتی ہے۔

نیز فرمایا کہ جو شخص جلدی سے ہر بات کا جواب دے دیتا ہے وہ ٹھیک جواب بیان نہیں کرتا۔

نیز فرمایا کہ جس طرح جہالت کی بات کہنے میں کوئی خوبی نہیں اسی طرح حق سے چپ رہنے میں کوئی بھلائی نہیں۔

نیز فرمایا کہ اگر کسی سوال کا جواب معلوم نہ ہو تو اس کے جواب میں "میں نہیں جانتا" کہنا نصف علم ہے۔

نیز فرمایا کہ اپنی لاعلمی کے اظہار کو کبھی بُرا نہ سمجھو۔

بُری بات سے اعراض کرو

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب تم کوئی بُرا کلمہ سُنو تو اس سے اعراض کرو اور اس کا جواب نہ دو۔ کیونکہ اس کے پاس اور بھی بہت سے ایسے کلمات ہیں جنھیں وہ جواب میں تمھیں کہے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ اگر میری زبان کو آگ جلا دے تو اس سے بہتر ہے کہ ایک چیز جو واقع ہو گئی ہو اس کو میں کہوں کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ پانچ چیزوں کے مجموعے کو علم کہتے ہیں (۱) علم کی بات سننا (۲) اس کو یاد رکھنا (۳) اس پر عمل کرنا (۴) اس کو لوگوں میں پھیلانا (۵) خاموشی اختیار کرنا۔

زبان کو مقید رکھو

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ زبان سے بڑھ کر کوئی چیز دیر تک مقید رکھنے کی حقدار نہیں۔

لوگوں سے کم باتیں کرو

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا

لوگوں سے کم اور اللہ سے زیادہ باتیں کرو، شاید کہ تمھارا دل اللہ کو دیکھ لے۔

ارشاداتِ اولیاء

خاموشی خالی از فکر کی مذمّت

حضرت خواجہ حسن بصری نے فرمایا ہے کہ جو قول مصلحت آمیز نہ ہو اس میں شر پنہاں ہوتا ہے اور جو خاموشی خالی از فکر ہو اس کو لہو و لعب اور غفلت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض کا فرمان

حضرت فضیل بن عیاض نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میری خواہش صرف اس غرض سے علیل ہو جانے کی ہے کہ با جماعت نماز ادا نہ کرنی پڑے اور کسی کی شکل تک نظر نہ آئے کیونکہ بندگی ایک ایسی خلوت نشینی کا نام ہے جس میں کسی کی صورت نظر نہ پڑے اور میں ایسے شخص کا بہت ممنون ہوتا ہوں جو نہ تو مجھے سلام کرے اور نہ مزاج پرسی کو آئے کیونکہ لوگوں سے میل ملاپ اور عدم تنہائی نیکی سے بہت دور کر دیتے ہیں اور جو شخص محض اعمال پر گفتگو کرتا ہے اس کی گفتگو لغو اور بے سود ہوتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے خوف رکھتا ہے اس کی زبان گنگ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ دوست کو غم اور دشمن کو عیش عطا کرتا ہے۔

حضرت بہاءالدین ذکریاؒ کا ارشاد

حضرت بہاءالدین ذکریا ملتانیؒ کا ارشاد ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ بات کرتے وقت سمجھے کہ اللہ سے سنتا ہے اور خاموشی کے وقت خیال کرے کہ وہ میرے دل کے راز سے واقف ہے یعنی میرا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا سب کچھ اس کے سامنے ہے۔

حضرت ربیع بن خثیمؒ کا معمول

حضرت ربیع بن خثیمؒ کا مسلسل بیس برس تک یہ معمول رہا کہ زبان سے کسی کے ساتھ ایک لفظ تک نہ بولتے تھے، صبح سویرے اٹھ کر قلم دوات رکھ لیتے اور مجبوراً کوئی بات کہنا بھی پڑ جاتی

تو اسے لکھ لیتے تھے اور ات کو ان کی روشنی میں محاسبہ کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر فارسیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے خاموشی کو اپنا وطن بنایا وہ خاموش ہی کیوں نہ رہے، بیکار کام کر رہا ہے۔

حضرت امام غزالی کا قول

حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ خاموشی کو یہ سب فضیلتیں اس لیے حاصل ہیں کہ زبان کی آفتیں بیشمار ہیں اور نوک زبان سے (بلا ضرورت) نکلنے والی باتیں اکثر و بیشتر بیہودہ اور لغو ہوتی ہیں جن کا کہنا نہ صرف آسان ہوتا ہے بلکہ بڑی بھلی بھی معلوم ہوتی ہیں، لیکن بھلی اور بری کی تمیز اس زبان کو کیا ہوگی (جو بلا ضرورت لغو گوئی سے باز نہیں رہ سکتی) صرف خاموشی ہی وہ چیز ہے جو اس آفت سے بچا سکتی ہے۔

حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ میری زبان درندہ ہے اگر کھلی چھوڑ دوں تو مجھے چٹ کر جائے۔

حضرت شیخ سعدی کا قول

حضرت شیخ سعدیؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیسے گزرتی ہے؟ کہا کہ منہ نعمتِ حق کھانے میں اور زبان شکایت کرنے میں۔

انسان پر تعجب

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ انسان پر تعجب ہے کہ کراماً کاتبین اس کے پاس ہیں، اس کی زبان ان کا قلم ہے اور اس کا لعاب دہن ان کی سیاہی ہے پھر بھی وہ بیہودہ باتیں کرتا ہے۔ نیز فرمایا کہ زبان سے سر کی حفاظت ہو سکتی ہے۔

ضروری بات

حضرت ابوبکر فارسیؒ فرماتے ہیں کہ جب انسان کوئی ضروری بات یا ایسی بات کہہ رہا ہو جس کے کہنے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تو وہ خاموش ہی خیال کیا جائے گا۔

حضرت حسن بصریؒ کا فرمان
حضرت خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ دانا آدمی کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہوتی ہے وہ کچھ کہنا چاہے تو دل سے رجوع کرتا ہے، مفید ہو تو کہتا ہے ورنہ چپ رہتا ہے اور جاہل کا دل اس کی زبان کی نوک پہ ہے کہ ادھر رجوع کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی بلکہ جو زبان پہ آتا ہے کہہ گزرتا ہے۔

حضرت لقمان کی نصیحت
حضرت لقمان حکیمؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو فرمایا اے بیٹے! جو شخص بُرے آدمی کا رفیق بنتا ہے اسے سلامتی نہیں ملتی اور جو بُری جگہ پہ جاتا ہے وہ متہم اور بدنام ہو جاتا ہے اور جو اپنی زبان کی حفاظت نہیں کرتا وہ نادم ہوتا ہے۔

حضرت امام اوزاعیؒ کا مقولہ
حضرت امام اوزاعیؒ کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ مومن کلام کم اور کام زیادہ کرتا ہے مگر منافق کام کم اور کلام زیادہ کرتا ہے۔

کلام کی درستگی کا اثر
حضرت یحییٰ بن اکثمؒ فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کا کلام درست ہو جائے تو اس کے آثار اس کے تمام اعمال میں ظاہر ہوتے ہیں اور جب کسی کا کلام فاسد ہوتا ہے تو اس کے فاسد آثار اس کے تمام اعمال میں نمایاں ہوتے ہیں۔

حضرت لقمان سے سوال
حضرت لقمان حکیمؒ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ اس مرتبۂ کمال تک کیسے پہنچے؟ فرمانے لگے کہ صداقت وامانت کی وجہ سے۔ اور لایعنی باتوں کو ترک کرنے کی وجہ سے۔

خاموشی سلامتی ہے
کسی شاعر کا کلام ہے کہ "علم زینت ہے اور خاموشی سلامتی ہے اور جب بولنا پڑے تو زیادہ نہ بولو۔ تو نے خاموشی پر کبھی بھی ندامت نہیں اٹھائی ہوگی مگر کلام کرکے بہت دفعہ پشیمان ہوا ہوگا۔" مشہور مقولہ ہے کہ خاموشی

عالم کی زینت اور جاہل کا پردہ ہے۔

زیادہ کلام، زیادہ غلطیاں

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جس کا کلام زیادہ ہوگا اس کی غلطیاں بھی زیادہ ہوں گی اور جس کا مال کثیر ہوگا اس کے گناہ کثیر ہونگے اور جس کے اخلاق برے ہوں گے وہ مبتلائے عذاب ہوگا۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ اگر میں کسی کو تیر کا نشانہ بناؤں، یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ اسے اپنی زبان کا نشانہ بناؤں۔ کیونکہ تیر کا نشانہ تو کبھی خطا بھی ہو جاتا ہے مگر زبان کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔

خاموشی معرفت کی جان ہے

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے دلیل العارفین میں فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر شبلیؒ سے ایک شخص نے محبت کے بارے میں یہ بات دریافت کی کہ محبت میں بدبختی کی کیا علامت ہے؟ آپ نے فرمایا نافرمانی بدبختی کی دلیل ہے، کیونکہ محبت کا دعویٰ کرے اور ساتھ نافرمانی کرے تو محبت کے تقاضے کے یہ بات خلاف ہے۔ پھر اس نے سوال کیا، عارفوں میں وہ کونسی امتیازی خصوصیت ہے جس کی بنا پر انھیں معرفت حاصل ہوتی ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ خاموش رہتے ہیں اور اللہ کی طلب میں غمزدہ رہتے ہیں۔

حضرت ممشاد الدینوری کا قول ہے کہ حکماء خاموشی اور تفکر ہی سے حکمت کے وارث بنتے ہیں۔

عارف کی خاموشی

کہا جاتا ہے کہ جاہل کی زبان اس کی موت کی کنجی ہے نیز کہتے ہیں کہ عاشق خاموش ہو جائے تو مر جاتا ہے اور عارف اگر خاموش رہے تو اپنے اوپر قابو پا لیتا ہے۔

خاموش رہنا سیکھ

کسی صوفی کا قول ہے کہ جس طرح تو کلام کرنا سیکھتا ہے اسی طرح

خاموش رہنا بھی سیکھ، کیونکہ اگر کلام تجھے راستہ بتاتا ہے تو خاموشی تجھے بچاتی ہے۔

کسی نے کسی صوفی سے کلام کرنے کو کہا تو فرمایا کہ میری زبان ہی نہیں کہ بولوں۔ پھر اسے کہا گیا کہ سنیے، تو کہا کہ مجھ میں سننے کی جگہ ہی نہیں کہ سُن سکوں۔

زبان کی لغزش

کسی عاقل نے کہا ہے کہ بعض اوقات زبان کی لغزش آدمی کی موت کا سبب ہو جاتی ہے۔ حالانکہ پاؤں کی لغزش سے نہیں مرتا کیونکہ زبان کی لغزش اس کے سر کو تن سے جدا کر دیتی ہے اور پاؤں کے پھسلنے سے فقط تھوڑی جسمانی تکلیف پہنچتی ہے۔

ایک صوفی کا قول ہے کہ جس شخص نے خاموشی کو غنیمت نہ جانا وہ جب بولے گا تو بیہودہ باتیں کرے گا۔

خاموشی باعثِ زینت ہے

ایک بزرگ نے فرمایا کہ خاموشی عالم کے لیے باعثِ زینت اور جاہل کے لیے پردہ ہے۔ نیز فرمایا کہ جس کلام کو تو اچھا سمجھتا ہے اسے مختصر کر دے کہ تیرے حق میں نہایت بہتر اور تیرے فضل و کمال کی نشانی ہے۔ نیز فرمایا کہ جب عقل کامل ہو جاتی ہے تو کلام کم ہو جاتا ہے۔

خاموشی اور دل کا تعلق

خاموشی صرف زبان کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی بلکہ دل اور تمام جوارح کے لیے بھی خاموش رہنا ضروری ہوتا ہے۔

ایک حکیم کا قول

ایک حکیم کا قول ہے کہ انسان کو ایک زبان، دو کان اور دو آنکھیں اس لیے دی گئی ہیں کہ وہ کلام کرنے کے مقابلہ میں زیادہ سُنے اور زیادہ دیکھے۔

عوام اور عارفین کی خاموشی میں فرق

کہا گیا ہے کہ عوام کی خاموشی زبان سے ہوتی ہے اور عارفین کی خاموشی دل سے،

اور محبین کی خاموشی ان کے باطن کے خیال سے ۔

خاموشی زبان کی پارسائی ہے

کہا گیا ہے کہ خاموشی زبان کی پارسائی ہے ۔ یوں بھی کہا گیا ہے کہ زبان ایک درندہ ہے ۔ اگر تو اسے جکڑ کر نہیں رکھے گا تو یہ تجھ پر حملہ کر دے گا ۔

راز کی خاموشی

کسی نے ابوبکر فارسیؒ سے راز کی خاموشی کے متعلق دریافت کیا ۔ فرمایا کہ راز کی خاموشی یہ ہے کہ تو ماضی اور مستقبل میں خاموش رہنا چھوڑ دے ۔

زبان کے چار دروازے

علی بن بکار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے دروازے بنائے ہیں مگر زبان کے چار دروازے بنائے ہیں، چنانچہ دونوں ہونٹ دو چوکھٹ ہیں اور دانت دو چوکھٹ ہیں ۔

حضرت داؤد طائی کا طریقہ

کہا جاتا ہے کہ حضرت داؤد طائیؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے ۔ انھوں نے جب اپنے گھر کے اندر خلوت گزین ہونے کا ارادہ کیا تو پہلے امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہونے کا عزم کیا ۔ چنانچہ وہاں جا کر اپنے ساتھی علماء میں بیٹھے رہتے مگر کسی مسئلہ میں گفتگو نہ کرتے ۔ جب ایک سال تک اس عادت کو پختہ کر لینے پر کامیاب ہو گئے تب جا کر اپنے گھر میں خلوت گزین ہو گئے ۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی عادت

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی مضمون لکھتے اور اس کے الفاظ انھیں اچھے معلوم ہوتے تو وہ اپنی نوشت کو پھاڑ ڈالتے اور از سر نو عبارت لکھتے ۔

حضرت ابوعلی دقاق کا فرمان

حضرت ابوعلی دقاقؒ نے فرمایا ہے کہ میں ایک بار مرو میں بیمار پڑ گیا ۔ میری خواہش ہوئی کہ نیشاپور لوٹ جاؤں ۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے کہہ رہا ہے تو اس شہر سے نہیں نکل سکتا ۔

کیونکہ کچھ جنوں کو تمہارا کلام پسند آگیا ہے اور وہ تمہاری مجلس میں آتے ہیں، ان کی خاطر آپ کو یہاں ٹھہرنا ہوگا۔

نفس کی حفاظت

حضرت ذوالنون مصریؒ سے کہا گیا کہ وہ کونسا شخص ہے جو سب سے زیادہ اپنے نفس کی حفاظت کرتا ہے؟ فرمایا وہ شخص جو اپنی زبان پر سب سے زیادہ قابو رکھتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ کا قول

حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا خاموش رہنا اس وقت درست ہو سکتا ہے، جب خلوت میں رہنے کو اپنے لیے لازم قرار دے اور توبہ بھی اسی وقت درست ہو سکتی ہے جب اپنے لیے خاموش رہنے کو لازم قرار دے۔

حضرت شبلیؒ کا طرز عمل

حضرت شبلیؒ جب اپنے حلقہ میں بیٹھتے اور شاگرد سوال نہ کرتے تو یہ آیت پڑھتے:۔

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ۔

ان کے ظلم کی وجہ سے ہمارا حکم ان پر واجب ہو گیا (یہی وجہ ہے کہ) وہ اب بول نہیں سکتے۔

حضرت بشر بن الحارثؒ کا قول

حضرت بشر بن الحارث کا قول ہے کہ جب تمہیں اپنا کلام پسند آئے تو خاموش رہو اور جب خاموشی پسند آئے تو کلام کرو۔

کسی کا قول ہے کہ خواہ تو اپنی زبان کو بھی بند کیوں نہ کرے تو اپنے دل کے کلام سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ اور تیری ہڈیاں بوسیدہ کیوں نہ ہو جائیں پھر بھی تو نفس کی گفتگو سے خلاصی نہیں پا سکتا اور تو کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے تمہاری روح تم سے ہم کلام نہیں ہوگی، اس لیے کہ وہ تو اسرار کو چھپانے والی ہے۔

خاموشی افضل یا کلام؟ کسی نے ابوحفص سے دریافت کیا کہ ولی کے لیے خاموشی افضل ہے یا کلام کرنا؟ فرمایا اگر بولنے والے کو معلوم ہو جائے کہ کلام کرنے میں کیا آفت ہے تو نوح کی عمر جتنی عمر بھی خاموش رہے۔ اور اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ خاموش رہنے میں کیا آفت ہے تو وہ اللہ سے نوح جتنی دو عمریں مانگے گا کہ وہ بول سکے۔

حضرت ابوحمزہ بغدادیؒ کہتے ہیں کہ ابوحمزہ بغدادی بہت عمدہ گفتگو کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھیں غیب سے آواز آئی، تم بولے اور اچھا بولے۔ اب یہ باقی رہ گیا کہ خاموش رہو اور وہ بھی اچھی خاموشی ہو۔ اس کے بعد مرتے دم تک انھوں نے بات نہیں کی۔ اسی حالت میں تقریباً ایک ہفتہ کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت غوث الاعظمؒ کا قول حضرت غوث الاعظمؒ نے فرمایا وعظ خالصتہً للہ کر ورنہ تیرا چپ رہنا ہی بہتر ہے۔ فرمایا کہ تیرا کلام بتا دے گا کہ تیرے دل میں کیا ہے۔

نیز فرمایا کہ کوشش کر، گفتگو کی ابتدا تیری طرف سے نہ ہوا کرے۔ اور تیرا کلام جواب بنا کرے۔ نیز فرمایا کہ گونگا پن اپنی عادت، گمنامی اپنا لباس اور مخلوق سے گریز اپنا مقصود بنالے اور اگر تجھ سے ہو سکے تو زمین میں سرنگ کھود کر اس میں بیٹھ جا اور یہ عادت اس وقت تک رکھ جب تک تیرا ایمان بالغ اور جوان نہ ہو جائے۔ فرمایا خلوت میں خاموشی مردانگی نہیں جلوت میں خاموش رہ۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ شعر خوانی اور قصہ گوئی بدبختوں کے نصیب کر اور اپنے لیے خاموشی سرمایہ بنا۔

ایک صوفی کا قول

ایک صوفی کا قول ہے کہ تیس سال میری یہی حالت رہی کہ میری زبان جو کچھ سنتی، دل کی طرف سے سنتی۔ اس کے بعد تیس سال ایسے گزرے کہ دل جو کچھ بھی سنتا، زبان کی طرف سے سنتا۔

خاموش رہنے کی وجوہات

بعض اوقات متکلم کے لیے خاموش رہنا اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ مجلس میں ایسا شخص موجود ہے جو بولنے کا اس سے زیادہ حقدار ہے۔

بعض اوقات متکلم کو سزا کے طور پر چپ رہنے کو کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس نے کسی بات میں بے ادبی کی ہوتی ہے۔

بعض اوقات متکلم پر سکوت اس لیے طاری ہو جاتا ہے کہ حاضرین میں سے کسی میں خرابی ہوتی ہے یعنی ان میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو اس کلام کو سننے کے اہل نہیں ہوتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس خیال سے کہ مبادا اس کلام کو کوئی نا اہل سن لے، متکلم کی زبان کو محفوظ رکھتا ہے۔

بعض اوقات متکلم کے خاموش رہنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حاضرین میں ایسے اشخاص موجود ہوتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس کی حالت ایسی ہے کہ اگر وہ اس شخص کا کلام سن لے گا تو وہ اس کے لیے فتنہ کا سبب ہو گا کیونکہ یا تو وہ یہ سمجھے گا کہ یہ اس کا وقت ہے۔ حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں۔ یا یہ کہ وہ اپنے ذمے ایسی بات لگا دے گا۔ جس کی برداشت کی اس میں طاقت نہیں۔ لہٰذا اللہ اس پر رحم فرماتے ہوئے اس کے کانوں کو اس کلام کو سننے سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس طرح اس کو محفوظ کر لیتا ہے یا غلطی سے بچا لیتا ہے

بعض اہل طریقت مشائخ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات خاموشی کا سبب یہ ہوتا ہے۔ کہ مجلس میں ایسے جن ہوتے ہیں جو کلام کو سننے کے اہل نہیں ہوتے کیونکہ صوفیاء کی مجالس میں جنات بھی حاضر ہوتے ہیں۔

خاموشی کا فائدہ

زبان کے نقصانات بہت ہیں۔ زبان کی نوک سے بالعموم بیہودہ بات نکلتی ہے جس کا کہنا آسان ہوتا ہے لیکن نیک وبد میں تمیز کرنا دشوار ہوتا ہے اور خاموشی میں آدمی اس کے وبال سے بچ جاتا ہے۔ ہمت جمع رہتی ہے اور ذکر کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

چار بادشاہوں کے مقولے

ابوبکر بن عیاشؒ سے منقول ہے کہ چار بادشاہوں نے ایک ایک بات کہی مگر ایسی گویا کہ ایک ہی کمان سے نکلے ہوئے تیر ہیں۔ کسریٰ کا مقولہ ہے کہ جو بات میں نے کہی نہ ہو اس پر کبھی ندامت نہیں ہوئی۔ البتہ کہی ہوئی بات پر کبھی ندامت بھی ہوتی ہے۔ شاہ چین کا کہنا ہے کہ جب تک میں نے کوئی بات نہیں کہی وہ میرے قابو میں ہے مگر جب کہہ دی تو اب وہ مجھ پر غالب ہے میرے بس میں نہیں۔ قیصر روم کا کہنا ہے کہ مجھے ایسی بات پر جو نہ کہی ہو، کرنے کی طاقت ہے مگر جو کہہ چکا اس کے رد کر لینے کی طاقت نہیں۔ شاہ ہند کا مقولہ ہے کہ ایسے شخص پر تعجب ہے جو ایسی بات کرتا ہے کہ اگر اس کا چرچا کیا جائے تو اسے نقصان دے اور اگر اسے عام نہ کیا جائے تو اسے کچھ فائدہ نہ ہو۔

جاہل کی پہچان

ایک دانا کا قول ہے کہ چھ باتیں ایسی ہیں جن سے جاہل پہچانا جاتا ہے۔ ایک غضب سے یعنی ہر خلاف طبع بات پر غضب ناک ہو جائے خواہ وہ کسی انسان کی طرف سے پیش آئے یا کسی جانور وغیرہ کی وجہ سے دوسری بے فائدہ کلام۔ عقلمند کو لائق نہیں کہ بے فائدہ گفتگو کرے بلکہ اسے مفید بات ہی کرنی چاہیے۔ خواہ دنیا کے فائدہ کی ہو یا آخرت کے فائدہ کی۔ تیسری بے محل مال صرف کرنا یعنی یہ بھی جہالت کی علامت میں سے ہے کہ مال ایسی جگہ لگائے جہاں پر کوئی اجر یا فائدہ حاصل نہ ہو۔ چوتھی علامت یہ ہے کہ ہر کسی کے پاس راز کی بات کہتا پھرے۔ پانچویں یہ کہ ہر کسی پر اعتماد کر بیٹھے، چھٹی یہ کہ اپنے دوست اور دشمن میں امتیاز نہ کر پائے۔ یعنی مناسب تو یہ تھا کہ آدمی اپنے دوست کو

پہچان کر اس کی موافقت اختیار کرے اور دشمن کو پہچان کر اس سے بچنے کی کوشش کرے اور انسان کا ازلی دشمن تو شیطان ہے لہٰذا کسی بات میں بھی اس کا کہا نہ مانے۔

حضرت ابولیث ثمرقندیؒ کا قول

حضرت ابولیث ثمرقندیؒ نے فرمایا ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں سے منع فرمایا ان سے پرہیز کرے اور جن کاموں کا حکم فرمایا ہے ان کی پابندی کرے۔ ایسا کر لیا تو گویا تمام نیکیاں اور بھلائیاں جمع کریں اور زبان کی حفاظت سے یہ مراد ہے کہ کہو تو کوئی کلمہ خیر کہو جس سے فائدہ حاصل ہو یا پھر چپ رہو تاکہ آفات سے بچے رہو کیونکہ چپ رہنے میں سلامتی ہے اور یہ بھی جان رکھو کہ شیطان پر غلبہ بھی خاموشی کی بدولت ہی حاصل ہوتا ہے لہٰذا مسلمان کو چاہیئے کہ اپنی زبان کی حفاظت کرے تاکہ شیطان سے بچا رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کی پردہ پوشی ہوتی رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو کلام بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہے لغو ہے۔ اور جو خاموشی فکر سے خالی ہے وہ غفلت ہے اور جو نگاہ عبرت سے خالی ہے وہ فضول اور لہو ہے۔ وہ شخص مبارک ہے جس کے کلام میں اللہ کا ذکر ہے، جس کی خاموشی میں فکر اور سوچ ہے، جس کی آنکھ میں عبرت ہے۔

کثرتِ کلام سے دل سخت ہو جاتا ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ کوئی کلام کثرت سے نہ کرو کیونکہ اس سے تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور سخت دل اللہ سے بعید ہوتا ہے لیکن تمہیں اس کا علم نہیں۔ کسی صحابی کا ارشاد ہے کہ جب تو اپنے دل میں سختی محسوس کرے اور بدن میں کمزوری محسوس کرے اور رزق میں محرومی دیکھے تو یقین کر لے کہ تو نے کوئی بے فائدہ کلام کیا ہے۔

اللہ کی شناخت کی علامت

حضرت ذوالنون مصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کی شناخت کی علامت یہ ہے کہ خاموش رہے اور خلقت سے دور بھاگے۔

خاموشی حکمت ہے

حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے کہ لقمان حکیم حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ زرہ بنا رہے تھے۔ لقمان دیکھ کر تعجب کرنے لگے اور ایک بار تو پوچھنے کا عزم کر ہی لیا کہ کیا بناتے ہیں، اور کس مقصد کے لیے، مگر حکمت نے سوال سے منع کیا اور چپ رہے حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام بنا کر فارغ ہوئے تو کھڑے ہو کر زرہ پہنی اور فرمانے لگے کہ لڑائی کے لیے بہترین چیز ہے۔ اور بنانے والا بھی کیا خوب ہے! لقمان کہنے لگے کہ خاموشی بھی حکمت ہے مگر اسے اپنانے والے بہت کم ہیں۔

خاموشی کے فائدے

کسی دانا کا قول ہے کہ خاموشی میں سات ہزار فائدے ہیں۔ جو سات کلمات میں جمع ہیں اور ہر کلمہ ہزار فائدے پر مشتمل ہے۔ پہلا کلمہ یہ ہے کہ خاموشی بلا مشقت عبادت ہے۔ دوسرا یہ کہ بلا زیور کے زینت ہے۔ تیسرا یہ کہ بلا سلطنت کے ہیبت ہے، چوتھا یہ کہ بلا دیواروں کے قلعہ ہے، پانچواں اس میں کسی ایک کے پاس معذرت نہیں کرنا پڑتی چھٹا اس میں کراماً کاتبین کی راحت ہے، ساتواں یہ کہ انسان کے عیوب کے لیے پردہ ہے۔

جسم کے تین حصے

ایک دانا کا قول ہے کہ ابن آدم کے بدن کے تین حصے ہیں، ایک قلب، دوسرا زبان، تیسرا باقی اعضاء، اور اللہ تعالیٰ نے ہر حصہ کو کوئی نہ کوئی شرف بخشا ہے۔ چنانچہ قلب کو اپنی معرفت اور توحید کا شرف بخشا، اور زبان کو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت اور اپنی کتاب کی تلاوت کا شرف بخشا اور باقی اعضاء کو نماز، روزہ، اور دیگر عبادات سے مشرف فرمایا اور ہر ایک حصہ بدن پر ایک محافظ اور نگران مقرر فرمایا مگر دل کی

حفاظت و نگرانی بنفسِ نفیس فرمائی۔ چنانچہ بندہ کے مافی الضمیر کو ذات باری کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کی زبان پر محافظ مقرر فرمائے۔ چنانچہ ارشاد ہے،

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ وہ کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔

اور اعضاء پر امر و نہی مسلط فرمائے۔ پھر وہ ہر حصے سے وفا چاہتے ہیں۔ سو دل کی وفا یہ ہے کہ ایمان پر قائم رہے، حسد، خیانت اور مکر وغیرہ نہ کرے۔ زبان کی وفا یہ ہے کہ غیبت نہ کرے، جھوٹ نہ بولے۔ بے فائدہ گفتگو نہ کرے۔ اعضاء کی وفا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کریں۔ کسی مسلمان کو ایذا نہ پہنچائیں۔ پھر جو قلبی وفا میں کمی کرے گا وہ منافق ہے۔ جو زبان والی وفا میں کمی کرے گا وہ کافر ہے اور جو اعضاء والی وفا نہیں کرے گا وہ عاصی ہے۔

بدن کا سب سے عمدہ اور سب سے بُرا حصہ

کہتے ہیں کہ لقمان حکیم حبشی غلام تھے۔ پہلی پہلی حکمت جو ان کی ظاہر ہوئی یہ تھی کہ آقا نے کہا اے غلام یہ بکری ذبح کرو اور اس کے گوشت کا بہترین ٹکڑا ہمارے پاس لاؤ۔ آپ دل اور زبان لے آئے۔ ایک بار آقا نے پھر کہا کہ بکری ذبح کرو، اور گوشت کا بدترین حصہ کاٹ لاؤ۔ آپ پھر وہی دل اور زبان لے آئے۔ آقا نے وجہ پوچھی تو آپ نے جواب دیا کہ یہ دونوں درست ہو جائیں تو پورے بدن میں ان سے بڑھ کر اور کوئی حصہ عمدہ نہیں۔ اور اگر یہی خراب ہو جائیں تو ان سے بڑھ کر بدن کا اور کوئی حصہ خبیث نہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا قول

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا ہے کہ جب عارف خاموش ہوتا ہے تو اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے اور جب آنکھیں بند کرتا ہے یعنی سوتا ہے تو اس واسطے سر نہیں اٹھاتا کہ شاید اسرافیل صور نہ پھونک دے۔

حکایت ایک امیر نے اپنے لڑکے کی تعلیم کے لیے معلم بٹھایا اس نے لڑکے کو پڑھانا لکھانا اور ادب دینا شروع کیا۔ ایک عرصہ کے بعد لڑکے نے اپنے استاد سے کہا ایسی کوئی بات بتایئے کہ سب دولتِ دنیا کے وبال اور عقبیٰ کے بکھیڑے سے نجات ہو جائے۔ استاد نے کہا خاموشی میں دونوں جہان کی سلامتی ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو چپ رہا، سلامت رہا۔ اور جو سلامت رہا پس تحقیق سب بلا سے بچا۔ اور نبی کریمؐ کا دوسرا ارشاد ہے کہ سب خرابی گویائی سے آتی ہے۔ اگر کوئی بات بے دینی کی کہی ایمان میں نقصان آیا اور جو کسی آدمی کو برا بھلا کہا مار کھائی، آبرو کھوئی۔

لڑکے نے استاد کی یہ دونوں باتیں مان کر خاموشی اختیار کی۔ شدہ شدہ یہ خبر امیر تک پہنچی، امیر یہ سن کر بہت بے قرار ہوا۔ ہر طرف آدمی دوڑائے، طبیب بلائے کسی علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ ایک روز جنگل کے سیر و شکار کو نکلا۔ ناگاہ کوئی پرندہ بولا۔ بولتے ہی کسی نے نشانہ لگایا پھر لڑکے کے آگے لایا وہ دیکھتے ہی جوش میں آگیا اور دریا سا ابل گیا، بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گیا کہ کیوں بولا جو مارا گیا۔ یہ سنتے ہی سب خوشی سے پھول گئے سارے کام بھول گئے۔ عرصہ سے جو امیر پژمردہ تھا نہایت خوش ہوا۔ ہر ایک کو زر و مال سے خوشحال اور مالا مال کر دیا۔ پھر جب اس سے اور کلام کیا تو اس نے جواب نہ دیا، امیر اپنے آپ سے نکل گیا اور آتشِ غضب سے سلگ گیا کہ ہمارے کلام کا جواب نہ دیا اور بے زبانوں سے کلام کر کے خواہ مخواہ اپنی موت کا سامان کرتا ہے۔ پس کوڑا لاؤ اور جلاد کو بھی بلاؤ۔ اول کپڑے اتار کر اس کی جلد اڑاؤ۔ بعدہٗ اس کو قتل کر دو۔ لڑکا عاجز ہو کر کہنے لگا سچے نبیؐ نے سچ کہا ہے جو چپ رہا، سلامت رہا اور جو بولا مارا گیا۔

حکایت حضرت ابن سماکؒ کا ارشاد ہے کہ شاہ کرمانیؒ اور یحییٰ بن معاذ کے درمیان دوستی تھی۔ اتفاق سے ایک ہی شہر میں دونوں آموجود ہوئے مگر شاہ کرمانی یحییٰ بن معاذؒ کی مجلس میں نہیں پہنچے۔ کسی نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا کہ

کہ صحیح یہی ہے کہ میں ان کی مجلس میں نہ جاؤں۔ لوگ ان سے اصرار کرتے رہے تاآنکہ وہ ایک دن ان کی مجلس میں جا پہنچے اور ایک طرف ہو کر اس طرح بیٹھ گئے کہ یحییٰ بن معاذ کو ان کا علم نہ ہوا۔ مگر جب یحییٰ بن معاذ کلام کرنے لگے تو خاموش ہو گئے اور فرمایا یہاں کوئی ایسا آدمی موجود ہے جو مجھ سے زیادہ کلام کرنے کا حقدار ہے اور وہ بول نہ سکے۔ اس پر شاہ کرمانی نے فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ درست یہی ہے کہ میں ان کی مجلس میں نہ جاؤں۔

حکایت ابراہیم بن ادھمؒ ایک دعوت میں مدعو تھے۔ جب آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھے تو انھوں نے غیبت کرنی شروع کر دی۔ ابراہیم نے کہا کہ ہمارے ہاں تو روٹی گوشت سے پہلے کھائی جاتی ہے اور تم نے شروع ہی گوشت کھانے سے کیا ہے۔ آپ کا اشارہ اللہ کے اس فرمان کی طرف تھا:

أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ۔

کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، (اگر تمھیں دیا جائے تو تم) اسے ناپسند کرو گے۔

کسی کا قول ہے کہ خاموشی علم کی زبان ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کی خاموشی عبادت کے اوقات میں آپ کو یہ خوف لاحق رہتا کہ کہیں کسی کی آواز سے میری عبادت میں خلل واقع نہ ہو جائے۔ اس لیے مکان کے تمام سوراخ بند کر دیے تھے۔ عیسیٰ بسطامی کا قول ہے کہ میں تیس سال آپ کے ساتھ رہا لیکن کبھی آپ کو بات کرتے نہیں دیکھا اور آپ کی یہ عادت تھی کہ زانو میں سر دیے رہتے اور جب سر اٹھاتے تو پھر فوراً ہی سرد آہ کھینچ کر زانو پر سر رکھ لیتے اور حضرت سہلگی فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بسطامی نے جیسا بیان کیا کہ وہ قبض کی کیفیت ہوگی۔ ویسے آپ حالتِ بسط میں لوگوں سے باتیں بھی کرتے اور فیض بھی پہنچاتے تھے۔

حکایت حضرت داؤد طائیؒ کے تائب ہونے کا واقعہ اس طرح منقول ہے کہ کسی گویّے نے آپ کے سامنے یہ شعر پڑھا:

بای خدیك تبدی البلا — وبای عینك ماذا سالا

کونسا چہرہ خاک میں نہیں ملا — اور کونسی آنکھ زمین پر نہیں برسی!

یہ شعر سن کر عالم بیخودی میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں پہنچ گئے اور اپنا پورا واقعہ بیان کر کے کہا کہ میری طبیعت دنیا سے اچاٹ ہو چکی ہے اور ایک نامعلوم سی شے قلب کو مضطرب کیے ہوئے ہے۔ یہ سن کر امام صاحب نے فرمایا کہ گوشہ نشینی اختیار کر لو۔ چنانچہ اسی وقت سے آپ گوشہ نشین ہو گئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد امام صاحب نے فرمایا کہ اب یہ بہتر ہے کہ لوگوں سے رابطہ قائم کر کے ان کی باتوں پر صبر و ضبط سے کام لو۔ چنانچہ ایک برس تک تعمیل حکم میں بزرگوں کی صحبت میں رہ کر ان کے اقوال سے بہرہ ور ہوئے لیکن خود ہمیشہ خاموش ہی رہتے تھے۔

حکایت حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ نے فرمایا ہے کہ ایک کامل کا قول ہے کہ بولنے اور تقریر کرنے کے لیے بہت عقل اور حکمت درکار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان انتہائی درجہ کمال تک جب پہنچتا ہے تو تب جا کر یہ سمجھتا ہے کہ میں نے کچھ نہیں سمجھا اور اسی بنا پر جب ہو جاتا ہے تو یہ کیفیت اس کے اہل علم ہونے کی دلیل ہے کیونکہ انسان کی تکمیل اسی میں نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں مکمل ہو گیا بلکہ وہ ہمیشہ مکمل ہونے کی جستجو میں رہے تو یہ بات اس کے درجات میں بلندی پیدا کرتی ہے۔ تکمیل کر لینے یا مکمل ہو جانے کا دعویٰ تکبر اور سرکشی کو ظاہر کرتا ہے، جبکہ خدا تعالیٰ کو تکبر و سرکشی بالکل پسند نہیں ہے اور انکسار و عجز وہ منازل ہیں جن کو سر کر لینا انسان کو اوجِ کمال تک پہنچا دیتا ہے، جبکہ تکبر و سرکشی انسان کو تحت الثریٰ میں دھکیل دیتے ہیں۔

حکایت ایک دفعہ سفیان ثوری کا ہمسایہ وفات پا گیا۔ آپ اس کی تعزیت اور نماز جنازہ

کے یے تشریف لے گئے۔ جنازہ پڑھنے کے بعد مرحوم کے لواحقین اور دیگر احباب اس کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔ حالانکہ سب جانتے تھے کہ مرنے والا سخت قسم کا گنہگار اور بدکار انسان تھا۔

سفیان ثوریؒ نے تمام احباب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو منافقت سخت ناپسند ہے۔ تم جس شخص کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ سخت قسم کا بدکار اور گنہگار شخص تھا اور کل تک تم اس کو سخت ناپسند کرتے تھے آج بعد از موت اس کی جھوٹی تعریف کر کے جھوٹ اور منافقت کا ارتکاب کیوں کرتے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا کہ حضرت! مرنے والا تو اب دنیا میں موجود نہیں تو اس کی برائی کا کیا مذکور، اب اس کی اچھائی اور تعریف جو کہ بلا شبہ سچی ہے کر دینے میں کیا حرج ہے؟

سفیان ثوریؒ نے جواب دیا کہ بے شک تم اس کی برائیوں اور گناہوں کا ذکر مت کرو۔ اور یاد نہ کرو لیکن جھوٹی تعریفیں بھی نہ کرو۔ بلکہ احسن ترین عمل خاموشی ہے۔ وہ تم اختیار کرو۔ جس میں تمھاری فلاح ہے۔

حکایت حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے تھے کہ میں نے ایک نوجوان کو احرام باندھے ہوئے دیکھا کہ وہ خاموش ہے۔ میں نے کہا اے نوجوان تلبیہ کیوں نہیں کہتا؟ اس نے کہا یا شیخ! مجھے تلبیہ کیا فائدہ دے گا، کیونکہ اس سے بیشتر مجھ سے بہت سے گناہ اور جرائم اور برائیاں سرزد ہو چکی ہیں۔ پس میں ڈرتا ہوں کہ اگر لبیک کہوں تو مجھے یوں نہ کہا جائے لَا لَبَّیْكَ وَلَا سَعْدَیْكَ کہ ہم تیری بات نہیں سنتے اور نہ تیری طرف دیکھتے ہیں۔ حضرت مالکؒ کہتے ہیں کہ میں نے اسے کہا اے بیٹے! اللہ تعالیٰ کریم اور غفور ہے۔ اس نے پوچھا، کیا آپ مجھے تلبیہ کہنے کی صلاح دیتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں! اس نے اپنا ایک پہلو زمین پر ٹکایا اور لبیک کہا۔ پھر اس نے ایک آہ کھینچی اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

خاموشی کے متعلق اشعار

وہ بندہ جو جھوٹ اور غیبت سے بچنے کی خاطر خاموش رہتا ہے اس کے اور اس شخص کے درمیان جو دبدبے والے بادشاہ یعنی اللہ کی ہیبت سے خاموش رہتا ہے کس قدر فرق ہے۔

اسی سلسلے میں یہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں:۔

أُفَكِّرُ مَا أَقُولُ إِذَا افْتَرَقْنَا ... وَأُحْكِمُ دَائِبًا حُجَجَ الْمَقَالِ

فَأَنْسَاهَا إِذَا نَحْنُ الْتَقَيْنَا ... فَأَنْطِقُ حِيْنَ أَنْطِقُ بِالْمُحَالِ

(جب ہم جدا ہو جاتے ہیں تو جو کچھ مجھے کہنا ہے اس کو سوچتا ہوں اور بڑی کوشش سے گفتگو کے دلائل کو مضبوط بناتا ہوں مگر جب درحقیقت ملاقات ہوتی ہے تو میں ان تمام دلائل کو بھول جاتا ہوں اور جو کچھ بولتا ہوں وہ سب اُوٹ پٹانگ ہوتا ہے)

نیز:۔

فَيَا لَيْلُ كَمْ مِنْ حَاجَةٍ لِّي مُهِمَّةٍ ... إِذَا جِئْتُكُمْ لَمْ أَدْرِ يَا لَيْلُ مَا هِيَا

(میری بہت سی اہم حاجتیں ہوتی ہیں مگر اے لیلیٰ! جب تمھارے پاس آتا ہوں تو سب کچھ بھول جاتا ہوں اور مجھے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ حاجتیں کیا تھیں)

نیز:۔

وَكَمْ حَدِيْثٍ لَكَ حَتَّى إِذَا ... مَكَّنْتُ مِنْ لُقْيَاكَ أُنْسِيْتُهُ

(اے محبوب! تمھیں کہنے کو بہت سی باتیں ہوتی ہیں مگر جب تمھاری ملاقات میسر ہوتی ہے تو سب کچھ بھول جاتا ہوں)

نیز:۔

وَزَايِنُ الْكَلَامِ بِزَيْنِ الْفَتَى ... وَلَلصَّمْتُ خَيْرٌ لِّمَنْ قَدْ صَمَتْ

وَكَمْ مِنْ حُرُوْفٍ تَجُرُّ الْحُتُوْفَ ... وَمِنْ نَاطِقٍ وَدَّ أَنْ لَوْ سَكَتْ

(میں دیکھتا ہوں کہ جوانمرد کو یہ بات بھلی معلوم ہوتی ہے کہ وہ بات کہے مگر خاموش رہنے والے کے لیے خاموشی اچھی ہے بہت سی باتیں موت کا سبب بنتی ہیں اور بہت سے بولنے والے (بولنے کے بعد) یہ چاہتے ہیں کہ کاش وہ خاموش رہتے)

خاموشی کی دو قسمیں ہیں، ظاہری خاموشی اور دل وضمیر کی خاموشی۔ چنانچہ ایک متوکل انسان رزق کا تقاضا کرنے سے خاموش رہتا ہے مگر عارف کا دل اللہ تعالیٰ کے احکام کی موافقت کی خاطر خاموش رہتا ہے۔ چنانچہ پہلا (یعنی متوکل) اللہ تعالیٰ کی عنایات پر کلی اعتماد رکھتا ہے اور عارف اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر قناعت کرتا ہے۔

شاعر نے اسی معنیٰ کو ادا کرتے ہوئے کہا ہے:۔

تَجْرِیْ عَلَیْکَ صُرُوْفُہٗ　　وَھُمُوْمُ سِرِّکَ مُطْرِقَۃٌ

(محبوب کی گردشیں تم پر چلتی رہتی ہیں (مگر اس کے باوجود) تمہارے اسرار کے غم سر جھکائے پڑے رہتے ہیں)

بعض اوقات فی البدیہہ کہنے کی حیرانی خاموشی کا باعث بنتی ہے کیونکہ جب کشف اچانک حاصل ہو تو تمام عبارتیں گنگ ہو جاتی ہیں لہٰذا اس وقت نہ کوئی بیان ہوتا ہے اور نہ گویائی اور تمام شواہد ماند پڑ جاتے ہیں لہٰذا نہ کسی قسم کا علم ہوتا ہے اور نہ حس۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا۔

جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو اکٹھا کریں گے اور پوچھیں گے کہ تمہاری امتوں نے تمہیں کیا جواب دیا، تو وہ جواب دیں گے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ ارباب مجاہدے نے خاموشی کو کیوں اختیار کیا ہوا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ کلام کرنے سے کیا کیا آفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ مزید برآں کلام میں نفس کو حظ حاصل ہوتا ہے اور نفس چاہتا ہے کہ مدح کی صفات کا اظہار کرے اور یہ کہ وہ

اپنے ہم مرتبہ لوگوں میں امتیازی حیثیت حاصل کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے اور یہ ان امور میں سے ایک ہے جن کا شمار مخلوق کی آفتوں میں ہوتا ہے۔

حکایت روایت ہے کہ حضرت داؤد طائیؒ اپنی بیماری کی حالت میں اپنے حجرہ کے اندر ہی خاموشی کے ساتھ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ گئے۔ وہ نہ تو اپنی بیماری کا کسی سے حال کہتے اور نہ کسی سے کچھ طلب کرتے۔ لوگوں نے اس زمرے میں کچھ طلب کرنے کے بارے میں زور دیا تو حضرت داؤد طائیؒ نے فرمایا کہ میرے لیے یہ بات بے حد ندامت اور قعرِ مذلت میں گرنے کی ہوگی کہ میرا مالک میرا پروردگار مجھے کسی دوسرے کے سامنے سائل کی صورت میں دیکھے۔ غیر اللہ سے سوال کرنا عارف کے شیوۂ معرفت کے عین خلاف ہے۔ عارف کو یہ کسی بھی صورت زیب نہیں دیتا کہ اپنی صیانت کی دیواروں میں شگاف پڑنے دے۔

لوگوں نے پھر عرض کی کہ اس مرحلے پر اپنی بیماری کے حوالے سے آپ اپنے اللہ سے تو دعا فرما سکتے ہیں نا! لیکن یہاں پر بھی حضرت داؤد طائیؒ نے بڑا مسکت جواب دیا کہ میرے لیے یہ بھی ناممکن اور محال ہے کہ اپنے اس رب سے دعا کروں کہ جس نے خود میرے اندر یہ بیماری پیدا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ مرض اپنے کمال لطف و کرم، مہربانی اور ظاہری و باطنی علوم کے باوجود بھی مجھے دیا ہے تو میں اللہ کا کس طرح کا بندہ کہلاؤں گا کہ جو اللہ کے اختیار پر اپنی صحت کی خاطر اپنی مرضی حاصل کرتا ہوں۔ میں اپنے حال کے محرم سے کس طرح شفا کی درخواست کروں کیونکہ یہ مرض اور بیماری اسی اللہ کے حکم سے ہے۔ میں اس حکم کو روکنے کی خاطر کسی حیلے یا سہارے کو کام میں نہیں لانا چاہتا۔ بیماری عطا کرنا بھی پروردگار کا کام ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے اس کرم پر سراپا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اس لائق سمجھ کر یہ کرم فرمایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی کو ہر طرح کی حمد و ثنا زیبا ہے۔ بندوں پر صرف احکام الٰہی کی بجاآوری لازم ہے۔

ملاقاتیوں سے اس پر بھی نہ رہا گیا تو کہا کہ یا حضرت! اس مرض میں آپ اپنے حجرے سے باہر آ کر دھوپ ہی تاپ لیا کریں تاکہ جسم کو سکون ہی مل سکے۔ لوگوں کی اس تجویز اور خواہش پر

بھی حضرت داؤد طائیؒ نے ایک بار پھر اپنی عالی ہمتی کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح کے عمل سے بھی مجھے شرم آتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ بندہ اپنے نفس کی آسودگی اور سکون و خوشی کے لیے اب سورج اور ہوا کا سہارا حاصل کر رہا ہے اور میرے نزدیک اس طرح کی حیلہ سازیاں بھی معرفت الٰہی کے اصولوں کے سراسر خلاف ہیں اور انھیں اختیار کرنے والا اپنے محبوب و مطلوب کے ساتھ سچا اور وفادار نہیں ہے۔

حکایت

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کے مریدوں میں سے ایک شخص خیر محمد انگوی تھا جو بڑا زاہد و عابد تھا کہ اس کا کوئی وقت بھی ذکر و فکر اور دوسری طرح طرح کی عبادتوں سے خالی نہ جاتا ایک دن اس نے ایک مردِ کامل کے ذریعے حضرت رسول خدا کی خدمت میں سلام کا تحفہ بھیجا۔ وہ حضوری آدمی جب بارگاہِ رسالت میں پہنچا تو اس نے عرض کیا کہ فلاں شخص آپ کی خدمت میں سلام بھیجتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص مسجد میں دنیا کی باتیں بہت کرتا ہے۔ جب خیر محمد نے یہ بات سنی تو اس نے فوراً توبہ کی اور پھر مسجد میں کبھی دنیا کی بات نہ کی اور بقیہ تمام عمر خاموشی میں گزار دی۔ اس کا روزمرہ کا وظیفہ تقریباً ایک ختم اور پچیس پارے مقرر ہوا۔

عارفوں کی خاموشی اور کلام

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک عارف سے یہ سوال کیا گیا کہ انسان کب خاموشی میں بھی بولتا ہے اور کب غائب ہوتے ہوئے بھی حاضر ہوتا ہے اور کب غائب ہوتے ہوئے بھی انسانوں میں موجود ہوتا ہے۔

عارف نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ جب عارف زبانِ قال سے خاموش ہوتا ہے تو وہ زبانِ حال میں گفتگو کرتا ہے۔ اس کی گفتگو حق کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی۔ حق کے سوا کلام میں وہ گونگا ہو جاتا ہے۔ خاموشی کی گفتگو جو عارف کرتا ہے وہ زیادہ پُراثر ہوتی ہے۔ اسی طرح جب عارف اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ قلب پر معرفت کی واردات شروع

ہو جاتی ہے تو اس وقت وہ عارف غائب ہو جاتا ہے۔ غائب ہونے کے لیے بارگاہِ الٰہی میں اس کی حاضری ہو جاتی ہے۔

جب عارف کو اپنی وارداتِ قلبی کے دوران میں اللہ کے اسرار منکشف ہونے لگتے ہیں تو وہ مردِ عارف بن جاتا ہے۔ اس صورت میں اس عارف کی زبان خاموش ہوتی ہے لیکن اس کا حال ہی اس کی زبان بن جاتا ہے۔ جب عارف زبانِ حال میں کلام کرنے پر قادر ہو جاتا ہے، اس کی زبانِ حال زیادہ فصیح ہوتی ہے۔ اس عارف نے اپنے اسی بیان میں مزید اضافہ فرمایا کہ وہ عارف زیادہ وقیع اور معتبر ہوتا ہے کہ جب اس سے اس کے مطلوب یعنی اللہ کے بارے میں کچھ دریافت کیا جائے تو وہ اس امر کا جواب زبانِ قال یعنی بول کر دینے کے بجائے زبانِ حال سے اظہار کرے۔

ایک عارف سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کس حال میں ہیں؟ اس سوال پر اللہ کے عارف نے بتایا کہ اگر عارف اپنا حال بیان کرے تو اس کی ہلاکت ہے اور اگر وہ اپنا حال بیان نہ کرے تو اس خاموشی میں بھی اس کے لیے جسم و جان کو جلانا ہی ہے لہذا بہتر یہی ہے کہ وہ جب بھی حال میں ہو اسی میں مشغول اور مست رہے۔

اسی طرح جب اسی عارف سے اس کے اللہ اور معبود کے بارے میں سوال کیا گیا تو صاحب نے بتایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں عارف کو چاہیئے کہ وہ زبانِ قال کے بجائے زبانِ حال ہی استعمال کرے کیونکہ اپنے محبوب کے بارے میں عارف کی زبانِ حال ہی بہتر ہوتی ہے اس زبانِ حال میں عارف کے لیے نہ تو ہلاکت ہے اور نہ پستی کا خدشہ ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کا فرمان

ایک مرتبہ حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے کسی شخص نے پوچھا کہ کم بولنے اور خاموش رہنے میں کونسی چیز افضل ہے؟ فرمایا علماء کے لیے بولنا اچھا ہے اور درویش کے لیے خاموش رہنا بہتر ہے کیونکہ قیامت کے دن ہر ایک سے اس کے اعمال کی پرسش ہوگی۔

علماء سے علم اور صوفیاء سے پردہ پوشی اور خاموشی کے متعلق پوچھا جائے گا۔

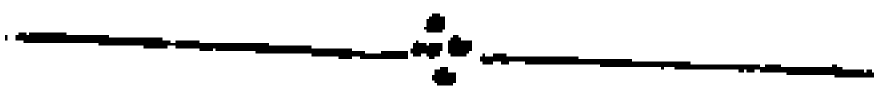
خاموشی فتنوں سے بچنے کا ذریعہ ہے

حضرت محبوب عالمؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے مرشد حضرت توکل شاہ انبالوی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ حضور آدمی امن میں کس طرح رہ سکتا ہے کہ اس کو نہ دنیا کی تنگی رہے نہ اس کا بدخواہ ہو نہ دین کو کسی طرح کا ضرر ہو؟ فرمایا کہ ان تین چیزوں کے واسطے تین ہی چیزوں کی احتیاط رکھنا چاہیئے (۱) تہ بند کو مضبوط باندھنے سے دنیا کی تنگی جاتی رہے گی (۲) زبان کو بند رکھنے سے لوگوں کے فتنوں سے بچے رہو گے (۳) ہاتھ کو روکنے سے دین محفوظ رہے گا۔ میں نے پھر عرض کیا کہ حضور یہ تینوں کس طرح قابو ہوں؟ فرمایا حدیث شریف میں آیا ہے کہ آدمی کے بدن میں ایک مضغہ گوشت ہے وہ اگر درست ہو جائے تو جسم کے تمام اعضاء ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ مضغہ گوشت بگڑ جائے تو تمام بدن کے اعضاء بگڑ جاتے ہیں۔ سو وہ دل ہے۔ آدمی اس کی اصلاح کر لے تو پھر سارے بدن کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا حضور! دل کی اصلاح کیونکر ہو۔ فرمایا ذکر الٰہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ خدا کے ذکر کے ساتھ دل اطمینان پکڑتے ہیں۔

ذکر الٰہی مرد کامل کی تلقین سے حاصل ہوتا ہے اور معرفتِ الٰہی کا بھی یہی دروازہ ہے۔

اور یہ محکمہ تصوف کا اصلاحِ قلب ہی کے واسطے ہے۔



باب ۹

غور و فکر

پروردگار عالم اپنی ذات میں صاحب جمال، صفات میں صاحب کمال اور شان میں صاحب جلال ہے۔ حیات میں ازلی و ابدی، علم میں بے مثل، عزم میں خود مختار، اختیارات و اقتدار میں یکتا ہے۔ رحمت و رافت میں سب سے بہتر اور قوت و جبروت میں سب پر غالب ہے۔ اور حاکمیت و ملکیت میں واحد، عطا و قضا میں بے نیاز، قدرت اور رزاقیت میں صاحب عظمت ہے۔ ربوبیت اور کفالت میں سب سے افضل ہے۔ بصیرت و لطافت میں اکمل ہے، بندگی میں جلیل و کریم ہے۔ غرضیکہ اس جیسا نہ کوئی ہے اور نہ ہوگا۔

جس طرح اس کی ذات یکتا و بے مثل ہے ایسے ہی اس کی ہر تخلیق جامع، اکمل اور پر حکمت ہے۔ اس کی ذات اور اس کی تخلیقات کو معلومات میں لا کر ان کے مقصد کا کھوج لگانا غور و فکر کہلاتا ہے۔ فکر دراصل ذہن کی وہ قوت ہے جو علم کو معلوم کی طرف لے جاتی ہے۔ اور تفکر کا مطلب عقل کے مطابق اس قوت کو بہترین انداز میں پروان چڑھانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کا یہ عطیہ ہر انسان کو عطا کر رکھا ہے۔ مگر اس کو ترقی دینا انسان کے اختیار میں دیا ہوا ہے تاکہ وہ غور و فکر کے ذریعے حقیقت کا سراغ لگا سکے کہ اسے کس نے پیدا کیا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے، کہاں سے آیا ہے اور کہاں جانا ہے۔ اس کی محبت اور چاہت کا حقدار کون ہے؟ غور کرنے سے پتہ چلے گا کہ اللہ نے انسان کو اپنی بندگی کے لیے بنایا ہے، لہذا صرف اللہ کی ہی عبادت کی جائے۔ دنیا کی کسی چیز کو اس کے مدمقابل نہ سمجھا جائے غرضیکہ انسان جب تک صحیح سمت کی طرف غور و فکر نہیں کرے گا اصل مقصد کو پانے میں کامیاب نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کی صحیح سمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عطا فرمائی ہے لہٰذا جو شخص حضور کی اتباع میں راہِ ہدایت کی طرف غور و فکر کرے گا وہی فلاح پائے گا لہٰذا جو لوگ ضلالت اور گمراہی میں بھٹک رہے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دینِ حق پر غور و فکر کر کے اسے قبول نہیں کرتے، ابتدائے اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جن لوگوں نے غور و فکر کیا، ان کی عقلوں نے اس بات کی گواہی دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو بات کہتے ہیں وہ حق ہے۔ آپ جو پیغام دیتے ہیں وہ بندے کا کلام نہیں ہو سکتا بلکہ اللہ ہی کا کلام ہے اور اسی تفکر کے نتیجے میں لوگوں نے اسلام قبول کیا اور نورِ ایمان سے اپنے دلوں کو منور کیا۔ لہٰذا یہ بات بالکل عیاں ہے کہ جو صحیح غور و فکر کرتے ہیں وہی اللہ کو پاتے ہیں۔

اللہ سے دوستی یعنی حصولِ ولایت کے لیے تفکر بھی ان بنیادی اوصاف میں سے ہے جن سے انسان راہِ معرفت میں گامزن ہوتا ہے۔ ایسے صوفی خام رہ جاتے ہیں جو غور و فکر سے کام نہیں لیتے، تفکر، کثرتِ ذکر اور مراقبہ سے جنم لیتا ہے لہٰذا جو شخص ولی اللہ بننے کا طالب ہو اسے ابتدا ہی میں ذکرِ الٰہی اور مراقبہ میں بہت کثرت کرنی چاہیے اس سے تفکر مضبوط ہو جائے گا اور معرفت کی راہیں کھل جائیں گی۔

اچھا فکر اطاعت اور عبادت کی بنیاد ہے اور جن کو فکر رہتا ہے وہی اعمال میں استقامت حاصل کرتے ہیں۔ فکر عقلمندی کی بھی دلیل ہے۔ چونکہ اہلِ فکر ہی سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کی صحبت سے بھی تفکر پیدا ہوتا ہے۔ نیک لوگوں کے پاس بیٹھنے سے سوچ کی راہیں کھلتی ہیں اور راہِ حق خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے لہٰذا طالبوں اور سالکوں کو تفکر پر خوب محنت کرنی چاہیے اور پھر اللہ سے توفیق مانگنی چاہیے کہ وہ صحیح فکر عطا فرمادے۔

دعوتِ فکر

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر بہترین انداز میں اپنی تخلیقات کی اہمیت اور فوائد بیان کرتے ہوئے انسان کو غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ ان چیزوں کی حقیقت کے پیشِ نظر ان کے خالق کی پوجا کرو کیونکہ عبادت کے لائق صرف اسی کی ذات ہے۔

قرآن پاک میں غور کرو

قرآن پاک پر غور و فکر کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ۝

اور اے محبوبؐ آپ کی طرف یہ قرآن نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ اسے لوگوں میں بیان کردیں جو ان پر نازل ہوا ہے تاکہ وہ غور کریں (پ ۱۴، النحل ۴۴)

قرآن پاک کی عظمت اور حقانیت کی وضاحت کے بارے میں ارشاد باری ہے:-

لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ۝

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے پھٹ جاتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ تفکر کریں۔ (پ ۲۸، حشر ۲۱)

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کا ارشاد ہے کہ بہت سے علماء اور مطالبِ قرآن میں غور و فکر کرنے والے اس آیت کریمہ کے حقیقی معانی کا ادراک نہیں کرپاتے کہ "اللہ ہر دن نئی شان میں ہے" اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ تمام مخلوقات، خواہ وہ کسی نوع سے تعلق رکھتی ہوں بہرکیف فانی اور زوال پذیر ہے اور ایک عارضی و ہنگامی حیات و قرار رکھتی ہے لیکن مخلوقات کے برعکس خالق کائنات کی یہ شان ہے کہ وہ حیی القیوم ہے۔ دائمی و ابدی ہے اور نہ صرف ذات سے بلکہ اپنی صفات سے بھی ہمیشہ باقی و پائندہ ہے۔ اس کی حیات اور قوت و اختیارات

میں ہر دن فروغ وارتقا تو ہے لیکن زوال وتنزل ہرگز نہیں، اسی طرح اس کے احکام، اور ارادے روز بروز قوت واثر اور دوام تو حاصل کرتے ہیں لیکن ان میں ضعف واقع نہیں ہوتا پس جب اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا قبول فرماتا ہے اور اس کی مطلوبہ چیزیں اسے عطا کرتا ہے تو اس سے اللہ کا ارادہ نہیں ٹوٹتا اور نہ اس کی مشیت کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ مخلوقات کے لیے جو مقدرات ازل سے معین ہیں، علمِ الٰہی کے مطابق ان کے حصول کا وقت آنے پر وہ حاجات پوری ہو جاتی ہیں اور بندہ کی مراد برآتی ہے۔ بہرکیف دعا کرنے والوں کی ضروریات و حاجات کا پورا ہونا بھی مشیتِ الٰہی اور دستورِ ازل کے تحت ہوا کرتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ عقبیٰ میں بندوں کا داخلِ بہشت ہونا بھی علمِ الٰہی اور کرمِ خداوندی کے تحت ہی ہے۔

(فتوح الغیب)

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے بارے میں غور وفکر

غور وفکر کا ایک اور رُخ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے بارے میں سوچنا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

اور وہ وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا پیدا کیے اور ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں بنائیں۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے۔ غور کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

(پ ۱۳، الرعد ۳)

ایک اور مقام پر فرمایا ہے کہ:-

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ

دنیا کی زندگی کی مثال مینہ کی سی ہے کہ ہم نے اس کو آسمان سے برسایا پھر اس کے ساتھ سبزہ جسے آدمی

نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْکُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

اور جانور مل کر کھاتے ہیں، نکلا۔ یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوشنما اور آراستہ ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں، رات کو یا دن کو ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس کو ایسا کاٹ ڈالا گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ جو لوگ غور کرنے والے ہیں ان کے لیے ہم اسی طرح کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتے ہیں۔ (پ ۱۱، یونس ۲۴)

مزید فرمایا ہے کہ:

اَیَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

بھلا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہ رہی ہوں اور اس میں اس کے لیے ہر قسم کے میوے موجود ہوں اور اسے بڑھاپا آ پکڑے اور اس کے ننھے ننھے بچے بھی ہوں، تو اس باغ پر آگ کا بھرا ہوا بگولا چلے اور وہ جل جائے۔ اس طرح خدا تم سے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو۔ (پ ۳، بقرہ ۲۶۶)

ایک اور مقام پر فرمایا ہے کہ:

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ

اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس کے درجے کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یونہی

يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۔

چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ تو ان سے یہ قصہ بیان کرو تاکہ فکر کریں۔ (پ ۹، اعراف ۱۷۶)

پھر فرمایا ہے کہ :۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔

جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) خدا کو یاد کرتے اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں، اے پروردگار! تو نے اس مخلوق کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔ تو پاک ہے تو قیامت کے دن ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

(پ ۴، آل عمران ۱۹۱)

فضیلت غور و فکر

انجام پر غور کرو حضرت ابو ہریرہ رض کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی جب کوئی بات کہتا ہے اور اس کے انجام پر غور نہیں کرتا اور اس کی وجہ سے جہنم میں جا گرتا ہے حالانکہ وہ اس سے اتنی دور تھی جتنی کہ مغرب سے مشرق۔ (بخاری شریف)

اللہ کی مخلوق پر غور کرو حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں فکر کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات پر غور و فکر کرو۔ اس کی ذات کے بارے میں تم کیا غور و فکر کر سکتے ہو اس کی تم میں طاقت ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس کی قدر پہچاننے پر تم قادر ہو۔ (کیمیائے سعادت)

غور و فکر کی اہمیت

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک ساعت کا فکر سال بھر کی عبادت سے افضل ہے۔ (ابن حبان)

تنقیدی فکر نہ کرو

حضرت عمرو بن مرہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند لوگوں کے قریب سے گزرے وہ غور و فکر کر رہے تھے۔ آپؐ نے پوچھا تم بولتے کیوں نہیں؟ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم اللہ تم کی مخلوقات میں فکر کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بس ایسا ہی کیا کرو اور اللہ کی ذات کے بارے میں غور و فکر مت کرو کہ یہاں سے قریب ایک سفید زمین ہے جس کی روشنی سفید ہے اور سفید روشنی مغرب کی طرف چالیس روز کی راہ پر ہے۔ اس میں خدا کی مخلوق میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ دم بھر کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ لوگوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! شیطان ان لوگوں سے کدھر رہتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ان کو معلوم بھی نہیں کہ شیطان ہے کہ نہیں۔ انھوں نے عرض کی، کیا وہ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ نہیں جانتے کہ آدمؑ پیدا ہوئے بھی ہیں کہ نہیں۔ (احیاء العلوم ج۴)

گھڑی بھر کے تفکّر کی فضیلت

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگ خیر کو پھیلانے والے ہوتے ہیں اور برائیوں کو روکنے والے ہوتے ہیں ان کو اس کا اجر ملے گا۔ اور کچھ لوگ برائی کو فروغ دینے والے اور بھلائی کو روکنے والے ہوتے ہیں ان کو اس کا بہت گناہ ہوگا خوش نصیب اور مبارک کے قابل ہیں وہ لوگ جو بھلائی کو عام کرتے اور برائی کو روکتے ہیں ان کا گھڑی بھر کا تفکر، رات بھر کے قیام سے افضل ہے۔ (تنبیہ الغافلین)

غور و فکر کی حد

حضرت عروہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے شیطان ایک آدمی سے آکر کہتا ہے کہ آسمانوں کو کس نے بنایا ہے

وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے، پھر پوچھتا ہے کہ زمین کو کس نے پیدا کیا؟ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملعون پھر پوچھتا ہے کہ اللہ کو کس نے بنایا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یہاں تک بات پہنچ جائے تو یہ کہا کرو کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں (تنبیہ الغافلین)

قرآن میں غور و فکر کرو

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آنکھوں کو عبادت میں سے ان کا حصہ دو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ عبادت میں سے ان کا حصہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ قرآن مجید کو پڑھنا اور اس میں فکر کرنا اور اس کے عجائبات سے عبرت حاصل کرنا۔ (ابن ابی الدنیا)

اللہ کی نشانیوں پر غور و فکر کرو

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ اور رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کیوں روتے ہیں جبکہ آپ کے گناہوں کی معافی حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مل چکی ہے؟ فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ آیت مجھ پر نازل ہو اور میں نہ روؤں:۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۝	بلیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آتے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ (پ۴ آل عمران ۱۹۰)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افسوس اس شخص پر جو اس آیت کو پڑھ کر اس کے مطلب پر غور و فکر نہ کرے۔ (کیمیائے سعادت)

آیات خداوندی میں غور و فکر

عطاء بن ابی رباحؒ سے روایت ہے کہ میں عبد اللہ بن عمرؓ اور عبید بن عمیرؓ کے ساتھ حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے سلام عرض کیا، آپ نے جواب میں فرمایا کون ہیں؟ ہم نے

عبداللہ بن عمرؓ اور عبید بن عمیرؓ کا نام لیا۔ آپؓ نے مرحبا کہا۔ پھر فرمایا عبیدؓ! کیا بات ہے تو ملاقات کو نہیں آتا؟ حضرت عبیدؓ نے زُرغِبًا تزدد حُبًّا کا جملہ جواب میں عرض کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضؓ کو فرمایا تھا۔ حاصل یہ کہ ملاقات کچھ وقفہ اور دیر کے بعد ہونی چاہیئے اس سے محبت بڑھتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عرض کیا کہ آپ ان باتوں کی بجائے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی بات سنائیے جو آپ کی نظر میں زیادہ عجیب ہو۔ حضرت عائشہؓ نے ارشاد فرمایا کہ یوں تو آپ کی ہر بات ہی عجیب تھی البتہ ایک رات آپ میرے بستر پر لیٹ گئے۔ آپ کا بدن مبارک میرے بدن سے چھوتا تھا۔ پھر فرمانے لگے اے عائشہؓ! کیا اجازت ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کر لوں؛ میں نے عرض کیا بخدا مجھے آپ کا قرب بہت محبوب ہے مگر آپ کی خواہش اس سے بھی بڑھ کر محبوب ہے۔ چنانچہ آپ ایک مشکیزے کی طرف تشریف لے گئے، وضو کر کے اپنے رب کے حضور کھڑے ہو گئے، اور بحالتِ قیام ہی اس قدر روئے کہ آنسو آپ کی گود تک پہنچ گئے۔ پھر دائیں پہلو پر ٹیک لگا کر لیٹ گئے۔ دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے تھا اور اس حالت میں بھی روتے رہے۔ حتیٰ کہ میں نے زمین پر ٹپکتے ہوئے آنسوؤں کو بھی دیکھا۔

حضرت بلالؓ فجر کی اذان کے بعد حاضر ہوئے آپ کو روتے ہوئے دیکھ کر عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کیوں روتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے بلالؓ! کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں' اور اس کے علاوہ رونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آج رات ہی مجھ پر اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ... سے ... فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ تک کی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا بربادی ہے اس شخص کے لیے جو ان آیتوں کو پڑھ کر ان میں غور و فکر نہیں کرتا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جو شخص ستاروں کو دیکھتا اور ان کی حالت عجیبہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت میں غور و فکر کرتا ہے اور رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سے عَذَابَ النَّارِ تک بھی

پڑھتا ہے تو اس کے لیے آسمان کے ہر ستارہ کے عوض ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔
(تنبیہ الغافلین)

تفکّر کا مقام

تفسیر ابی اللیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ طلب آخرت کی وجہ سے اپنی گذشتہ زندگی پر غور و فکر کرتا ہے تو یہ تفکر اس کے دل کے لیے غسل کا کام دیتا ہے جیسا کہ فرمان نبوی ہے کہ ایک گھڑی کا تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ لہٰذا ہر عقلمند کے لیے ضروری ہے کہ اپنے گذشتہ گناہوں کی مغفرت طلب کرے جن چیزوں کا اقرار کرتا ہے ان میں تفکر کرے اور قیامت کے دن کے لیے توشہ بنائے۔ امیدوں کو کم کرے، توبہ میں جلدی کرے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے، حرام چیزوں سے اعراض کرے اور نفس کو صبر پر آمادہ کرے، خواہشات نفسانی کی اتباع نہ کرے کیونکہ نفس ایک بُت کی طرح ہے۔ جو نفس کی اتباع کرتا ہے وہ گویا بُت کی عبادت کرتا ہے اور جو اخلاص سے اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ اپنے نفس پر جبر کرتا ہے۔

تین چیزوں میں بھلائی ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تین چیزوں میں بھلائی ہے، بولنے، دیکھنے اور چپ رہنے میں۔ جس کا بولنا ذکر خدا نہیں وہ بولنا لغو ہے، جس کا دیکھنا عبرت کی نگاہ سے نہیں وہ دیکھنا سہو و نسیان ہے اور جس کی خاموشی اپنے انجام پر غور کرنے کے لیے نہیں اس کی خاموشی بے کار ہے کیونکہ تفکر ہی سے دنیاوی میلان ختم ہوتا ہے۔ پسندیدہ چیزوں کی تمام رجھا جاتی ہے اور انسان غور و فکر کا عادی ہو جاتا ہے۔

فکر کا نتیجہ

ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے تھے کہ سفیان ثوریؒ نے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی اور پھر آسمان کی طرف دیکھا تو غش کھا کر گر پڑے دارانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ محض آسمان کی طرف دیکھنے سے نہیں ہوا بلکہ قیامت کے احوال میں فکر کرنے کا نتیجہ تھا۔

تلاوتِ قرآن کا اثر

حضرت امیرالمؤمنین عمر بن خطابؓ ایک روز سورۂ کورت پڑھ رہے تھے۔ جب وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ۔ (جب اعمالنامے کھولے جائیں گے) پر پہنچے تو بے ہوش ہو کر پڑے اور بہت دیر تک زمین پر تڑپتے رہے۔

ربیع بن خثیمؒ نے ایک قاری کو یہ آیت پڑھتے سنا اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۰ (جب دوزخ ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ لوگ اس کا جوش و خروش سنیں گے) تو غش کھا کر گر پڑے۔ پھر اٹھا کر گھر پہنچائے گئے اور ان کی ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں قضا ہو گئیں۔ مروی ہے کہ یہ قاری اپنے محلہ میں امام تھے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن مسعودؓ نے پڑھی تھی۔

کاملین کے علوم فکر سے مستنبط نہیں

میں نے سیدی علی خواصؒ کو فرماتے سنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام اولیاء کو تلاوت کے وقت قرآن مجید کے معانی محض اپنی بخشش سے عطا نہ کرتا تو وہ ایک رات میں تمام قرآن مجید کے ختم کرنے پر کبھی قادر نہ ہوتے۔ اس لیے کہ کاملین کے علوم جو قرآن مجید سے متعلق ہیں وہ فکر سے مستنبط نہیں اور نہ امعانِ نظر کا نتیجہ ہیں۔ وہ تو محض اللہ کی بخشش ہے جو تلاوت کے وقت اللہ ان کو عنایت کرتا ہے۔ سو ان کی تلاوت ہی معانی کا عین ہے۔ لیکن جب معانی تلاوتِ الفاظ کے بعد حاصل ہوں تو وہ فکر کا نتیجہ ہوں گے۔

تفکر کی اہمیت

حضرت سید احمد کبیر رفاعیؒ نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! یاد رکھو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا عمل فکر ہے۔ فرض عبادت مقرر ہونے سے قبل آپ کی تمام عبادات اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کی مخلوق میں تفکر تھا۔ آخر کار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عبادات لازم ہوئیں۔ تم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات و نشانات پر غور کرو اور نصیحت حاصل کرو۔ اور اگر تفکر نصیحت سے خالی ہو تو یہ صرف وسوسہ

اور خیال ہی رہ جائے گا۔ اور اگر اس سے نصیحت حاصل ہو تو یہ وعظ و حکمت ہے۔ اپنے اعمال کو تفکر کے بعد درست کرو اور اپنے اخلاق کو اعمال و عبادت کے بعد بہترین انداز پر محکم کرو اور ان سب کی زینت یہ ہے کہ نیت درست رکھو۔ سخاوت کی عادت کو پختہ رکھو یہ بات علامات زہد میں داخل ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ زہد کا دروازہ ہے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر سخاوت درست ہوا ور بلند درجہ کی سخاوت ہو تو یہ مکمل زہد ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دُعا

حضرت عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرنے کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ "اے پروردگار! میں نے عمرؓ کو خلیفہ مقرر کر کے اپنی دانست میں مسلمانوں کی بھلائی کا کام کیا ہے، اپنے بعد مجھے فتنہ کا ڈر تھا اس لیے میں نے سوچ سمجھ کر اور غور و فکر کر کے مسلمانوں پر ایسا امیر مقرر کیا ہے جو ان لوگوں میں بہتر، مستعد اور مسلمانوں کا خیر خواہ ہے۔"

ذاتِ الٰہی کے بارے میں فکر

انسانی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے مالک اور خالق کو پہچانے اور اس کی عبادت کرے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۔ اور لوگوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہیں کی کہ جس طرح قدر کرنے کا حق ہے (پ ۲۴ زمر ۶۷)

اللہ کی قدر کرنے کے لیے اس کی عظمت اور شان میں غور و فکر کرنا ضروری ہے۔ مگر اللہ کے بارے میں غور و فکر کرنے کی ایک حد ہے اگر اس سے بڑھیں گے تو گمراہ ہو جائیں گے اس لیے حضورؐ نے عوام کو ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ یہ خاصوں کا شیوہ ہے جن پر وہ اپنے راز خود آشکار کرتا ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ انسانی فکر کا ایک رخ اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے۔ اور یہ تفکر ذاتِ حق یا صفاتِ حق یا افعالِ حق یا صنائعِ حق میں ہو سکتا ہے اور اس میں

شک نہیں کہ اس میں بزرگ ترین مقام تو صفات وذاتِ حق میں تفکر ہی کا ہے لیکن بات یہ ہے کہ لوگوں میں تفکر کی طاقت نہیں، وہ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے، ان کی عقلیں وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتیں۔ اس لیے شریعت نے اس تفکر کی نہی کر دی۔ یعنی خلق کو اس تفکر سے منع کر دیا۔ اور ہدایت کر دی کہ ذات وصفاتِ الٰہی میں تفکر مت کرو۔ اب اس میں جو دشواری ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ جلالِ حق پوشیدہ ہے بلکہ اس لیے کہ روشن ہے لیکن اس قدر روشن کہ آدمی کی کمزور وناتواں آنکھیں اور ضعیف بصیرت اس کی تاب نہیں لا سکتی اور تاب لانا تو درکنار، تحیر اور مدہوشی کا شکار ہو جانا لازمی ہے۔ جس طرح چمگادڑ دن کے وقت اُڑنے سے معذور ہوتا ہے (حالانکہ پر موجود ہوتے ہیں لیکن) اس لیے کہ اس کی کمزور آنکھیں سورج کی روشنی کو برداشت نہیں کر سکتیں۔ لہٰذا دن کے وقت اسے کچھ نظر ہی نہیں آتا تو اس کی وجہ آفتاب کی پوشیدگی تو نہ ہوئی بلکہ حد سے زیادہ روشنی) اور شام سے جو سورج کی روشنی مدھم پڑنے لگتی ہے تو اسے بھی دکھائی دینا شروع ہو جاتا ہے۔ یہی درجہ (ذاتِ الٰہی میں تفکر کے بارے میں) عوام کا ہوتا ہے لیکن صدیقوں اور بزرگوں کا معاملہ جدا ہے اور ان کو اس نظر کی طاقت ہوتی ہے یعنی وہ اس نظارے کی تاب لا سکتے ہیں۔ اگرچہ ہمیشہ وہ بھی نہیں لا سکتے یعنی مسلسل اس نظارے کی ہمت ان میں بھی نہیں ہوتی۔ یہاں ان کی طاقت بھی جواب دے جاتی ہے اور اگر وہ کوشش کریں بھی تو اپنے آپ کو بے طاقت پائیں۔ جس طرح آدمی اگرچہ آفتاب کو دیکھ سکتا ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ہمیشہ اسے دیکھتا رہے کیونکہ اس سے بینائی کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ پس حق تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بزرگوں کو اگر کچھ حقائق کا علم حاصل ہو بھی جائے تو انھیں یہ اجازت نہیں ہوتی کہ وہ عام لوگوں سے اس کا اظہار کرتے پھریں اور اگر کرنا بھی ہو تو اس قسم کے الفاظ میں کر سکتے ہیں جو بشری مقامات سے قریب تر ہوں۔ مثلاً حق تعالیٰ کے لیے عالم مرید اور متکلم کے الفاظ استعمال کرنا کیونکہ آدمی اپنی صفات کی جنس سے ان باتوں کو سمجھ سکتا ہے لیکن یہ ہوتی محض تشبیہ ہے لہٰذا ساتھ ہی یہ بتلا دینا بھی ضروری ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ

کا کلام تمھارے کلام یعنی گفتگو کی مانند نہیں ہوتا کہ اس کو حروف یا آواز کی حاجت ہو یا اس میں پیوستگی اور گسستگی کی صفت موجود ہو۔ لیکن یہاں پھر یہ دشواری پیدا ہو جائے گی کہ جب تم اس طرح کہو گے تو بات پھر لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکے گی اور وہ یہ کہتے ہوئے اسے ماننے سے انکار کر دیں گے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کا کلام حروف و الفاظ اور صوت و الفاظ سے خالی ہو۔ پھر وہ کلام کا ہے کو کہلائے گا! یہ وہی صورت ہے جو اس وقت پیش آیا کرتی ہے جبکہ لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات تمھاری ذات کی طرح نہیں ہے کیونکہ نہ وہ جوہر ہے نہ عرض نہ کسی جگہ میں ہے نہ کسی مقام پر ہے نہ کسی جہت میں۔ وہ دنیا سے دور بھی نہیں اور قریب بھی نہیں، وہ دنیا کے اندر نہیں لیکن اس کے باہر بھی نہیں۔ اور ان باتوں کو بھی نہ سمجھنے کے باعث لوگ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کرتے ہیں، اور اسے ناممکن بتایا کرتے ہیں اور اسے ناممکن تصور کرنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ حق تعالیٰ کو اپنی ذات پر قیاس کرنے لگتے ہیں اور مذکورہ صفات کو الٹا حق تعالیٰ کی عظمت کے منافی قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک عظمت کا جو تصور ہوتا ہے وہ صرف وہی ہوتا ہے جو انھوں نے بادشاہ کے دربار و محلات کو دیکھنے کے بعد ذہن میں قائم کر رکھا ہوتا ہے کہ مثلاً بادشاہ تخت پر جلوہ افروز ہے، غلام سامنے مؤدب کھڑے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ اسی تصورِ عظمت کا قیاس وہ حق تعالیٰ کے بارے میں روا رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے بھی ہاتھ پاؤں آنکھ، منہ، زبان وغیرہ ہماری ہی طرح ہوں گے۔ یہ اعضاء چونکہ لوگوں کو اپنے جسم میں دکھائی دیتے ہیں اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ ان اعضاء کی عدم موجودگی تو بہت بڑا نقص ہے نہ کہ خوبی۔ لہٰذا حق تعالیٰ کی ذات ان کے بغیر کیونکر ہو سکتی ہے؟ اور انسان تو انسان اگر مکھی میں بھی عام لوگوں کا سا شعور اور عقل موجود ہوتی تو وہ بھی یہی کہتی کہ مجھے تخلیق کرنے والے کے بھی بال و پَر ایسے ہی ہوں گے جیسے کہ میرے ہیں کیونکہ یہ تو ناممکن ہے کہ میرا خالق اس قوت و توانائی سے محروم ہو جو مجھ میں پائی جاتی ہے پس اسی طرح عوام ہمیشہ حق تعالیٰ کو اپنے ہی

کاموں پر قیاس کیا کرتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ شریعت نے حق تعالیٰ کی ذات میں تفکر کرنے کی اجازت ہی نہیں دی اور اس سے منع کر دیا ہے اور اسی لیے بزرگانِ سلف نے بھی اس سلسلہ میں کلام کرنے سے روکا ہے اور کہا ہے کہ عوام کے سامنے اس طرح کی باتیں کہنا، کہ مثلاً "وہ نہ عالم کے اندر ہے اور نہ باہر، نہ دور ہے اور نہ نزدیک ہے"، بھی جائز نہیں سمجھا بلکہ ارشاد باری تعالیٰ کو ہی کافی تصور کیا ہے کہ "کوئی چیز اس کی مثل نہیں" اور نہ وہ کسی چیز کی مثل ہے اور اس بات کو بھی محض اجمالی طور پر کہا اس کی تشریح و وضاحت اور صراحت نہیں کی۔ بلکہ اس کی تفصیل میں جانے کو بدعت قرار دیا کیونکہ اس کی تفصیل بھی تو عوام کی سمجھ میں آنے والی چیز نہیں۔ ان کا فہم تو اس کے ادراک سے بھی عاجز ہے اسی کے پیشِ نظر حق تعالیٰ نے اپنے بعض پیغمبروں پر وحی نازل کی کہ میرے بندوں سے میری صفات کا ذکر مت چھیڑیے کم فہم و کم نظر ہونے کی وجہ سے وہ انکار کر دیں گے۔ ان سے صرف وہی امور بیان کرتے رہو جو ان کی عقل کے مطابق ہوں اور جنھیں وہ سمجھ سکتے ہوں بلکہ بہتر اور احسن تو یہی ہے کہ اس مسئلے کو چھیڑا ہی نہ جائے اور نہ اس میں تفکر کا تکلف کیا جائے۔ ہاں جو شخص کامل ہو اسے اس کی اجازت ہے لیکن اس کا بھی متحیر اور دہشت زدہ ہو جانا ناگزیر ہے کہ اس کی تاب لانا اس کے لیے پوری طرح تو ممکن نہیں ہے۔

پس بہتر یہی ہے کہ اس کی عظمت کی شناخت اس کی عجیب و غریب صنعتوں اور مظاہر سے کی جائے جو چار سو نظر آتے ہیں کہ آخر اس عالم موجودات کی ہر چیز اسی کی عظمت و قدرت کے انوار میں سے ایک نور ہی تو ہے۔ آفتاب کو دیکھنے کی طاقت اگر کسی میں نہیں ہے تو نہ سہی لیکن اس کی روشنی (نور) کا مشاہدہ کرنا تو کچھ دشوار نہیں جس سے دنیا کی ہر چیز روشن اور منور ہے۔

حکایت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے فرمایا ہے کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک درویش صاحبِ تفکر تھا وہ ہمیشہ حیرانی میں رہا کرتا تھا جب اس سے

لوگوں نے پوچھا کہ آپ جو عالمِ تحیر میں مستغرق ہیں اس میں کیا حکمت ہے؟ اس نے کہا جہاں تک میں نگاہ کرتا ہوں جب میں ایک ملک سے گزرتا ہوں تو اس سے سو گنے اور ملک دیکھتا ہوں اور جب میں انھیں دیکھتا ہوں تو ایک سے ایک نہیں ملتا۔ اس واسطے میں ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاتا ہوں اور انھی خیالات میں مستغرق رہتا ہوں۔

اپنے آپ کے بارے میں فکر

انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا شاہکار ہے اس لیے اسے چاہیے کہ اپنے بارے میں غور و فکر کرے تاکہ اسے اللہ کے کمال کا پتہ چلے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

اَوَ لَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْ اَنْفُسِہِمْ۔ کیا انھوں نے اپنے آپ کے بارے میں فکر نہیں کیا۔

(پ ۲۱، روم ۸)

حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ انسانی سوچ کا ایک رخ انسان بذاتِ خود ہے جس میں بندہ اپنی ذات کے بارے میں سوچتا ہے کہ اس کی صفات و اعمال وہ کون کون سی باتیں ہیں جو مکروہ اور قابلِ نفرین ہیں تاکہ ان سے اپنے آپ کو دور رکھ سکے اور ان مکروہ چیزوں سے مراد یا تو اس کے ظاہری گناہ ہوتے ہیں یا وہ خبیث اخلاق جو اس کے باطن میں پائے جاتے ہیں اور ان ظاہری گناہوں کا تعلق زیادہ تر اس کے سات ظاہری اندام یعنی اعضاء سے ہوتا ہے جیسے کہ زبان، آنکھ، پاؤں اور ہاتھ وغیرہ ہیں اور کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا تعلق کسی خاص اندام سے نہیں بلکہ سارے جسم سے ہوتا ہے اور یہی کیفیت باطنی خباثتوں کی بھی ہوتی ہے ان میں سے ہر ایک کے تفکر کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) اول یہ تعین کرنا کہ فلاں عمل یا فلاں صفت مکروہ ہے یا نہیں ہے؟ کیونکہ یہ چیزیں بالکل واضح اور روشن نہیں ہوتیں کہ خود بخود معلوم ہو جائیں بلکہ ان کے لیے تفکر درکار ہوتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں بات مکروہ ہے تو پھر یہ سوچے کہ کیا

بیں بھی کہیں اسی پر تو کار بند نہیں ہوں ؟ اور صفاتِ نفس کی شناخت کچھ آسان بات نہیں، اس کے لیے بھی تفکر کی ضرورت ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اگر معلوم ہو جائے کہ میں خود اسی صفت میں مبتلا ہوں تو پھر اس سے رہائی حاصل کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ یعنی اس سے دور رہنے کے لیے کیا اقدام مناسب رہے گا۔

بس ہر روز صبحدم ایک ساعت تو اسی تفکر کے لیے مخصوص کر دینی چاہیئے جس میں پہلے تو ظاہری گناہوں کی طرف دھیان کرے اور ان سے بچنے کی تدبیر پہلے سے کر رکھے مثلاً زبان کے بارے میں سوچے کہ آج کے دن فلاں فلاں معاملے میں زبان سے بات چیت کرنا ناگزیر ہوگی۔ لہٰذا دیکھے کہ معاملہ کے وہ کون کون سے پہلو ہیں جو اسے جھوٹ بولنے یا غیبت کرنے کی آفت میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ پس اس کا علاج سوچ رکھے کہ ان سے جھوٹ اور غیبت سے کس طرح حذر کرے گا۔ ایسے ہی اگر یہ خطرہ محسوس ہو کہ آج کے دن شاید لقمۂ حرام کھانا پڑ جائے تو پہلے اس سے بچنے کی تدبیر کر لے تاکہ عین وقت پر پریشان نہ ہونا پڑے اسی طرح ہر عضو کے بارے میں پوری طرح صالح سوچ کے امکانی پہلو تلاش کرلے اور تمام عبادات کے بارے میں بھی خوب سوچ لے اور جب اس سے فارغ ہو چکے تو پھر ہر عمل کی فضیلت پر غور و خوض کرے تاکہ سب کو بخیر و خوبی سرانجام دے سکے۔ مثلاً اپنے آپ سے کہے کہ دیکھ! یہ زبان جو حق تعالیٰ نے پیدا کی ہے، تو اس لیے کہ اس سے اللہ کا ذکر کیا جائے اور مسلمانوں کو راحت پہنچائی جائے اور تو یقیناً اس چیز پر قادر ہے کہ فلاں ذکر کرے تاکہ ذکرِ الٰہی کا حق ادا ہو جائے اور پھر تصور کو اس طرف لے جائے کہ فلاں بات کہے جس سے کسی کا دل خوش ہو تاکہ تسکینِ خلق کا حق ادا ہو جائے اور پھر تصور کو اس طرف لے جائے کہ آنکھ جو عطا کی گئی ہے تو اس لیے کہ اسے دامِ دین بنا کر سعادت کا شکار کیا جائے اور وہ یوں کہ ان آنکھوں سے جب فلاں عالمِ دین کو دیکھوں تو اس طرح دیکھوں کہ ان میں تعظیم و احترام نمایاں ہو اور فلاں

فاسق پر جو نگاہ پڑے تو اس سے نفرت اور حقارت کا اظہار ہو تاکہ آنکھ اور نظر کا حق ادا کر سکوں۔ اور مال کے بارے میں خیال کرے کہ اسے مسلمانوں کی راحت و آسائش کے لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ فلاں شخص کو صدقہ دوں اور اگر اپنی حاجت پر دوسروں کی حاجت کو ترجیح دینا پڑے تو بلا حیل و حجت دوں اور صبر کر سکوں۔ پس اس قسم کی متفرق باتیں خیال میں لائے اور عین ممکن ہے کہ ساعت بھر کے اس تفکر کی بدولت کوئی ایسی چیز اس کے تصورات میں پیدا ہو جائے کہ اس کی کایا پلٹ ہی ہو جائے اور کر دہ نہ صرف اس ایک دن کے لیے بلکہ ساری عمر کے لیے گناہوں سے کنارہ کش ہو جائے، یہی وہ نکتہ ہے جس کی بنا پر ارشاد ہوا کہ لحظہ بھر کا تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے کیونکہ اس کا فائدہ اسی لحظے تک محدود نہیں ہوتا بلکہ عمر بھر کے لیے ہوتا ہے۔

جب ان ظاہری گناہوں اور عبادات کے بارے میں تفکر کر چکے تو پھر باطن کی طرف دھیان کرے اور اخلاقِ بد کے بارے میں اندیشہ کرے کہ ان میں سے کون کون سے اخلاقِ بد اس کے باطن میں موجود ہیں اور منجیات باعثِ نجات اخلاقِ نیک میں سے کون کون سے اس کے باطن میں نہیں پائے جاتے تاکہ اول الذکر اخلاقِ بد کو دور کرنے اور مؤخر الذکر اخلاقِ نیک) کو حاصل کرنے کی تدبیر عمل میں لائے۔ اس کی تفصیل بھی بڑی لمبی چوڑی ہے لیکن اصل مہلکات (ہلاک کُن اخلاق) دس ہی ہیں۔ یعنی بخل، تکبر، ریا، حسد، حرصِ طعام، غصہ، حرصِ سخن، مال کی محبت اور حُبِ جاہ اور ان سے نجات حاصل ہو جائے تو گویا ہلاکت سے نجات مل جائے اور اصل منجیات (باعثِ نجات اخلاق) بھی دس ہی ہیں یعنی گناہ پر پشیمانی، مصیبت پر صبر، قضا پر رضا، نعمت پر شکر، خوف و رجا میں اعتدال، دنیا سے زُہد، عبادت میں اخلاص، خلق سے نیک خُلقی اور حق تعالیٰ سے دوستی۔

ان میں سے ایک ایک صفت میں تفکر کی بہت بڑی گنجائش موجود ہے اور یہ راہ انہی لوگوں پر کھلتی ہے جو ان میں سے ہر صفت کے علم کو بالکل اسی طرح پہچانتا ہو جس طرح کہ اس کتاب

میں ہم بیان کر چکے ہیں اس کا (ایک نہایت عمدہ) طریقہ یہ ہے کہ مرید (اپنے اعمال و صفات کی) ایک فہرست مرتب کرلے اور پھر ان میں سے جو صفت وہ حاصل کرلے اس پر خط کھینچ دے اور پھر اس سے اگلی کے حصول میں لگ جائے (اور جب وہ بھی حاصل ہو جائے تو اس پر بھی خط کھینچ دے اور یوں پوری فہرست مکمل کر کے چھوڑے) اس سلسلہ میں ایک امکان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض تفکرات پر اسے نسبتاً زیادہ زور دینا پڑے جو اسے اپنے اوپر زیادہ حاوی اور زیادہ مسلط دکھائی دیں یعنی ان میں وہ (مبتلا ہی نہیں بلکہ) مبتلا تر ہو۔ مثلاً کوئی پرہیزگار عالم ان تمام صفاتِ بد سے رہائی پانے کے باوجود ممکن ہے اس چیز سے خالی نہ ہو کہ اسے اپنے علم و فضل پہ ناز ہو اور شہرت و جاہ کی تمنا رکھتا ہو اور اسی خیال کے تحت اپنی عبادات کے ساتھ ساتھ ظاہری حلیہ سے بھی لوگوں کی آنکھوں میں سما جانے کے لیے مضطرب رہتا ہو اور اپنے آپ کو خوب آراستہ کیے رہتا ہو اور اپنی مقبولیت پہ بڑا خوش ہوتا ہو اور اگر کوئی شخص اسے طعن کرے تو اس کے خلاف دل میں کینہ رکھے رہے اور انتقام کا موقع تلاش کرتا رہے۔ یہ سب خباثتیں ہی تو ہیں لیکن یہ کہ پوشیدہ ہوتی ہیں (مگر پوشیدگی سے کیا ہوتا ہے) دین کی دشمن اور راہِ دین میں رکاوٹ کا باعث ہوتی ہیں۔ ایسے عالم کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ ان امورِ بد میں تفکر سے کام لے اور سوچے کہ ان سے نجات کیونکر ہو سکتی ہے تاکہ خلق کا عدم اور وجود اس کے لیے برابر ہو جائے اور وہ ہمہ تن حق تعالیٰ جلّ شانہٗ میں مشغول ہونے کے قابل ہو سکے۔

پھر امام صاحب نے انسانی تخلیق پہ فکر کرنے کے بارے میں لکھا ہے کہ پہلے تو اپنی ابتدا پر ہی تفکر کر کہ تو آیا کہاں سے اور کیسے؟ آخر تیری تخلیق پانی کے ایک قطرے ہی سے تو ہوئی ہے اور پانی کے (اس) قطرے کی پہلی قرارگاہ تیرے باپ کی پشت تھی پس اس (منی) کے ایک قطرے کو تیری پیدائش کا تخم بنا دیا اور وہ یوں کہ شہوت کو تیرے ماں باپ پر مسلط کر دیا (وہ دونوں جفت ہوئے اور) رحم مادر کو گویا زمین بنا دیا اور مرد کی پشت میں پائے جانے والے پانی کو بیج بنا دیا

اور شہوت کے مؤکل نے اس بیج کو اس زمین میں ڈال دیا گویا تخم ریزی کا عمل تو یوں مکمل ہوا) اس کے بعد (کھیتی کی نشوونما کے لیے) خونِ حیض سے اس تخم کی آبیاری شروع کی اور یوں نطفہ اور حیض سے تیری ذات کا آغاز ہوا۔ پھر اول اول تو محض ایک پارۂ خون تھا پھر اسے خوب جما دیا گیا اور وہ علقہ کہلایا، پھر اس علقہ نے گوشت کی شکل اختیار کرلی جسے مُضغہ کہتے ہیں پھر اس میں روح پھونک دی جسے جان کہتے ہیں پھر اسی قطرۂ آب و خون سے کتنی ہی مختلف چیزیں پیدا ہونی شروع ہوئیں۔ مثلاً گوشت و پوست، رگیں، پٹھے، ہڈیاں وغیرہ اور پھر تبرے اعضاء کی ترتیب اعلیٰ چیزوں سے عمل میں لائی گئی۔ سر کو گول شکل دے دی گئی۔ ہاتھ اور پاؤں لمبے رکھے گئے اور ان میں سے ہر ایک کے آگے پانچ پانچ انگلیاں لگا دیں۔ اور باہر کی طرف آنکھ، ناک، کان، منہ، زبان اور دیگر اعضاء پیدا کر دیے اور اندرونی حصہ میں معدہ، جگر، گردے، تلی، پتہ، رحم، مثانہ اور انتڑیاں وغیرہ بنا دیں اور یوں کہ ہر ایک کی ساخت اور شکل دوسرے سے بالکل علیحدہ ہے، صفات بھی ایک دوسرے سے جُدا ہیں اور مقدار بھی الگ الگ ہے۔ پھر ہر ہر عضو کو کئی کئی حصوں میں تقسیم کر دیا۔ مثلاً انگلیوں کی تین تین پوریں بنا دیں وغیرہ۔ اور ہر عضو کی ترکیب میں گوشت و پوست، رگ دپے اور ہڈیوں کو شامل رکھا۔ پھر آنکھ ہی کو لے لو کہ مقدار میں ایک اخروٹ سے زیادہ نہیں ہوتی لیکن سات طبقات پر مشتمل ہے اور ہر طبقہ جُدا جُدا صفات و خصوصیات کا حامل ہے کہ اگر ان میں سے ایک بھی خراب ہو جائے تو دنیا تیرے لیے تاریک ہو جائے۔ (اور تو بینائی کی نعمت سے محروم ہو جائے) حق تو یہ ہے کہ اگر صرف آنکھ ہی کے عجائبات کی تفصیل بیان کرنے لگیں تو بیشمار صفحے کالے کرنے پڑیں (اور پھر بھی بات نہ بنے)

اس کے بعد ہڈیوں پر غور کریں تو معلوم ہو کہ کس طرح ایک ذرا سے رقیق و لطیف پانی سے ایسا سخت اور مستحکم و مضبوط جسم بنا ڈالا، ہر ہڈی کا ہر جوڑ اور ہر حصہ، کیا شکل و ساخت کے لحاظ سے اور کیا مقدار کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جداگانہ انداز پر ہے، کوئی ہڈی گول

ہے تو کوئی لمبی اور کوئی چوڑی، کچھ ایسی ہیں کہ اندر سے کھوکھلی ہیں تو بعض ایسی بھی ہیں کہ اندر سے بھری ہوئی ہیں اور پھر سب کو ملا کر ایک خاص ترکیب دی ہے اور ہر ایک مقدار میں، صورت میں ساخت میں ایک خاص حکمت پنہاں ہے۔ بلکہ ایک ہی کیا، کئی کئی حکمتیں ایک ایک میں رکھ دی گئی ہیں۔ پھر ان ہڈیوں کو تیرے بدن کے گویا ستون مقرر کر کے اسی پر تمام اعضاء (عمارتِ تن) کی بنیادیں استوار کی گئی ہیں۔ اگر سر سے پاؤں تک ہی ہڈی بنا دی جاتی تو تیرے لیے پیٹھ کو جھکانا ممکن نہ ہوتا۔ اور اگر بالکل ہی ایک دوسرے سے جُدا جُدا ہوتیں تو پھر بیٹھ کر سیدھا رکھنا ممکن نہ تھا۔ پاؤں کے اندر مُہرے مُہرے سے جوڑ کر ان کی تخلیق کی گئی۔ ورنہ پاؤں پر زور دے کر کھڑا ہونا دشوار ہو جاتا، یہی چیز بدن کو اِدھر اُدھر جھکانے کے لیے ملحوظ رکھی۔ پھر جہاں جہاں ایک ہڈی کو دوسری سے ملایا گیا ہے وہاں یوں کیا ہے کہ انھیں باہم ملانے کے لیے رگ وپے میں لپیٹ دیا گیا ہے اور خوب مضبوط طریق سے پیٹا گیا تاکہ آدمی سیدھا کھڑا رہ سکے اور ہر ایک مہرے میں چار عدد زائدے گولیوں کے سے پیدا کیے اور ان کے نیچے چار سوراخ سے گڑھوں کے مشابہ بنا دیے تاکہ زائدے ان گڑھوں میں مضبوطی سے جم جائیں اور مہروں کے کناسے یوں باہر نکالے رکھے گویا ان کے بازو ہیں تاکہ پیٹھے جو ان کے گرد لپٹے ہوئے ہیں وہ صرف اڑے ہی نہ رہیں بلکہ اچھی طرح مضبوط ہو جائیں اور ساتھ ساتھ ان کو بھی مستحکم رکھیں تیرے سر کی ترکیب میں پچپن ہڈیاں شامل ہیں جو باریک درزوں کے ذریعے باہم جڑی ہوئی ہیں تاکہ اگر کسی ایک کونے میں ضرب پہنچے تو دوسرا صحیح سلامت رہے اور سب کے سب چکنا چور نہ ہو جائیں۔ دانتوں کو لیجیے (کہ یہ بھی ایک طرح کی ہڈیاں ہی ہیں) ان میں سے بعض چوڑے بنائے گئے ہیں تاکہ نوالے کو چبا سکیں۔ بعض کے سرے باریک ہیں اور تیز بھی تاکہ کھانے کی چیز کو کاٹ کر اور اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنا کر (چوڑے دانتوں کی) چکی میں ڈالتے جائیں (جو انھیں گویا پیس کر حلق سے نیچے اتار دے)

پھر تیری گردن بنائی کہ سات مہروں سے مرکب ہے جن کے گرد رگیں اور پٹھے لپیٹ کر

اسے مضبوط کر دیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ سر کو مرکب کر دیا۔ پیٹھ کے چوبیس مہرے بنائے جس پر گردن رکھی ہوئی ہے پھر ان مہروں کی جوڑ ان میں سینے کی ہڈیاں پیدا کیں اور اسی طرح دوسری بہت سی ہڈیاں پیدا کیں کہ جن کی شرح اور تفصیل بہت طوالانی ہے اور مجموعی طور پر تیرے جسم میں دو سو ستائیس ہڈیاں پیدا کیں اور ہر ایک کو ایک علیحدہ حکمت کے تحت کیا گیا ہے تاکہ تیرا کام بنا رہے اور غور کیجیے تو یہ سب کچھ جو بنایا گیا تو (بنیادی طور پر) صرف پانی کے اسی ایک حقیر قطرے سے۔ اور ان ہڈیوں میں سے ہر ایک کی قدر قیمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ) اگر ایک ہڈی بھی کم ہو جائے تو تو بے کار ہو جائے۔ (یعنی اپنے کام کو انجام نہ دے سکے) اور اگر ایک بھی زائد ہو جائے تو بھی کام میں خلل پیدا ہو جائے۔ پھر چونکہ تجھے ان تمام ہڈیوں کو (کام وغیرہ کرنے کے لیے) حرکت وجنبش کی ضرورت لاحق تھی اس لیے تیرے اعضا میں پانچ سو ستائیس عضلات پھیلا دیے۔ ہر عضلہ کی شکل مچھلی کی سی ہے یعنی اس کا درمیانی حصہ موٹا اور سرے باریک ہیں۔ ویسے تمام عضلات یکساں نہیں۔ بلکہ ان میں سے کوئی چھوٹا ہے اور کوئی بڑا ہے اور ہر عضلے کی ترکیب گوشت۔ پٹھے اور پردے سے ہوئی ہے یعنی ہر عضلہ کے گوشت اور پٹھوں پر پردہ ایک غلاف کی طرح چڑھا ہوا ہے۔ چوبیس عضلات تو صرف آنکھوں اور پلکوں کو گردش دینے کے لیے بنائے گئے ہیں اسی سے دوسرے عضلات کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ جدا جدا تفصیل بیان کرنا تو بڑی لمبی بات ہے۔

پھر تیرے خالق نے تین حوض تیرے بدن کے اندر پیدا کیے جن میں سے کئی کئی نہریں مختلف سمتوں میں جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک حوض تو دماغ ہے جس سے پٹھوں کی نہریں سارے جسم میں پہنچتی ہیں تاکہ ان میں حرکت و گردش کی طاقت برقرار رہے۔ انہی میں سے ایک نہر پشت کے مہروں میں جاری کر دی گئی تاکہ پٹھے مغز سے دور نہ رہیں ورنہ یہ دوری انھیں خشک کر کے رکھ دیتی۔

دوسرا حوض جگر ہے جس میں ہفت اندام کی تمام رگیں پھیلی ہوئی ہیں اور ان کو اسی حوض سے

غذا بہ سر آتی ہے۔

تیسرا حوض دل ہے جس میں سے رگیں نکلتی ہیں اور سارے جسم میں پہنچائی گئی ہیں تاکہ روح ان میں سے ہر ایک میں رواں دواں رہے اور وہاں سے ہوتی ہوئی ہفت اندام میں جاری و ساری رہے۔

پس یہ تفکر تو تجھے ایک ایک عضو میں کرنا چاہیئے کہ آخر اس کی تخلیق اس خالقِ حقیقی نے کس طرح اور کس لیے کی ہے۔ آنکھ کے سات طبقے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کی ساخت اور رنگت اس انداز کی ہے کہ اس سے بہتر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ آنکھوں کے لیے پلکیں اس لیے بنائی گئی ہیں تاکہ خوبصورت لگیں۔ اور آنکھیں ان سے قوتِ بصارت حاصل کرسکیں۔ یعنی جب گرد و غبار اڑ رہا ہو تو تُو انھیں بند کرلے تاکہ مٹی وغیرہ آنکھ کے اندر نہ جاسکے اور اس کے باوجود تو ان کے درمیان میں سے دیکھ بھی سکے۔ پھر یہ کہ اوپر سے گرنے والے گرد و غبار یا خس و خاشاک سے بھی مژگان ہی آنکھوں کو محفوظ رکھتی ہیں اور ان سب سے بڑھ کر عجیب و غریب بات یہ ہے کہ آنکھ کی سیاہی جو مسور کے چند دانوں سے زیادہ جگہ میں نہیں ہوتی (اپنے اندر اس بلا کی وسعت لیے ہوتی ہے کہ) اس میں زمین و آسمان اپنی تمام فراخی و وسعت سمیت نظر آتے ہیں۔ یعنی ایک لحظے کے لیے بھی تیری آنکھ کھلتی ہے تو آسمان اپنی بے اندازہ دوری کے باوجود فوراً تجھے دکھائی دینے لگتا ہے۔ غرض اگر دیدار و نظارہ کے سلسلے میں آنکھ کے عجائب یا بلکہ آئینہ دیکھنے کے عجائب اور اس میں دکھائی دینے والی غلط یعنی غیر حقیقی اشیاء (غیر حقیقی اس لیے کہ وہ محض عکس ہوتا ہے حقیقت نہیں ہوتی) بیان کرنے لگیں تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔

پھر تیرے لیے کان پیدا کیے اور ان کے اندر ایک تلخ اور کڑوا سا میل بھی پیدا کر دیا۔ تاکہ کوئی جانور یعنی کیڑا مکوڑا اس میں (آسانی سے) گھسنے نہ پائے۔ پھر کان کی ساخت ایک صدف (گھونگھے) کی طرح رکھی تاکہ آواز کو جمع کرسکے اور کان کے سوراخ تک پہنچایا کرے۔ اور اس کی

ساخت میں پیچ و خم اور الٹ پھیر بہت سے رکھ دیے تا کہ اگر سوتے میں چیونٹی وغیرہ تیرے کان میں گھسنے کی کوشش کرے تو (یہ نہیں کہ سیدھی درانہ اس کے اندر چلی آئے بلکہ) اس کا راستہ دراز ہو جائے اور اسے خاصے بل پھیر کھانے پڑیں حتیٰ کہ تو چونک پڑے۔ اگر ہم منہ اور ناک دیگر اعضاء کی تفصیل بیان کرنے لگیں تو ذکر بہت طول کھینچ جائے جبکہ ہمارا مقصد اس تحریر سے یہ ہے کہ تجھے اس ضمن میں تفکر کی راہ معلوم ہو جائے اور ہر عضو کے بارے میں تجھے تفکر کی عادت پڑ جائے اور تو سوچے کہ انھیں کس غرض سے پیدا کیا گیا ہے اور پھر یہی تفکر تجھے ان کے خالق کی حکمت و عظمت، لطف و کرم اور علم و قدرت کی شان سے بھی آگاہ کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو کہ کس طرح تیرے سراپا کو اس نے ایک عجائب خانہ سا بنا دیا ہے اور پھر یہ باطنی اور اندرونی عجائب اور دماغی خزانے اور حس کی قوتیں جو تیرے بدن میں رکھ دی گئی ہیں اور بھی زیادہ عجیب اور حیران کن ہیں۔

اور جو کچھ سینہ اور شکم کے اندر بنایا گیا ہے وہ بھی بے حد عجیب ہے اس لیے کہ معدہ کو حق تعالیٰ نے دیگ کی طرح بنایا ہے جو ہمیشہ جوش میں رہتی ہے اور جس میں سب کھایا پیا دوبارہ اچھی طرح سے پک جاتا ہے۔ پھر جگر اس طعام کو (جسے یہ دیگ تیار کرتی ہے) خون بنا دیتا ہے جسے رگیں ہفت اندام میں پہنچا دیتی ہیں اور اس خون کی جھاگ کو پتا قبول کر لیتا ہے اور یہی وہ جھاگ ہے جسے (طب کی اصطلاح میں) صفرا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پھر اس خون کی تلچھٹ کو جو سودا کہلاتی ہے تلی قبول کر لیتی ہے۔ ادھر گردے اس خون سے پانی کو الگ کر کے مثانہ میں پہنچا دیتے ہیں۔ غرض بچہ دانی اور دوسرے آلاتِ ولادت کے عجائبات بھی اسی طرح حیرت انگیز ہیں اور ظاہری و باطنی قوتیں اور حواس مثلاً بصارت، سماعت، عقل، علم اور ایسی دوسری چیزیں جو آدمی کے لیے پیدا کی ہیں، کچھ کم حیران کن اور تعجب خیز نہیں ہیں۔

خدا کی شان اگر کوئی مصور دیوار پر ایک خوبصورت تصویر بنا دے تو تجھے اس کی استادی

غرقِ حیرت کر دیتی ہے اور تو اس کی تعریفوں کے پُل باندھنے لگتا ہے لیکن دوسری طرف یہ جاننے کے باوجود کہ ایک قطرہ پانی سے کیسے کیسے ظاہری اور باطنی نقش و نگار (اس مصورِ حقیقی نے) پیدا کر دیے ہیں اور لطف یہ کہ نہ اس کا قلم دکھائی دیتا ہے اور نہ وہ نقاش خود ہی کہیں دکھائی دیتا ہے۔ تجھے کسی قسم کا تعجب یا حیرانی ہرگز نہیں ہوتی اور اس نقاش کی عظمت تجھے حیرت میں نہیں ڈالتی اور اس کا کمال بے پناہ اور علم لامتناہی تجھے متعجب و ششدر نہیں کرتا اس کی صنعت گری تیرے ہوش و حواس کو متاثر نہیں کرتی۔ اس کی شفقتِ کاملہ اور رحمتِ تامّہ پہ تجھے تعجب نہیں ہوتا کہ کس طرح رحمِ مادر میں تجھے غذا بہم پہنچاتا رہا۔ حالانکہ اس وقت تیرے کھلے ہوئے منہ میں اگر خونِ حیض ایک خاص مقررہ اندازے سے ذرا بھی زیادہ تیرے معدہ میں داخل ہو جاتا تو تیرا خاتمہ وہیں رحمِ مادر ہی میں ہو جاتا۔ پس تیری ناف کے ذریعے غذا سیدھی تیرے معدہ تک پہنچاتا رہا۔ اور پھر جب تو اس مقام (رحمِ مادر یعنی بچہ دانی) سے باہر آگیا (بلکہ لے آیا گیا) تو ناف کو بند کر کے تیرے منہ کو کھول دیا گیا کہ تیری ماں تجھے بقدرِ ضرورت غذا بہم پہنچائے اور اس وقت تیرا جسم چونکہ بیحد نحیف و نزار اور کمزور و ناتواں تھا، اور ثقیل و طاقتور غذاؤں کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا اس لیے ماں کے دودھ کو تیری غذا بنا دیا جو کہ نہایت ہی لطیف اور ہلکی پھلکی غذا ہے۔ ماں کے سینے میں پستان پیدا کر دیے اور ان کے آگے ٹونٹیاں سی لگا دیں تاکہ انھیں منہ میں لے کر دودھ کھینچ کر پیے۔ نہ یہ کہ وہ دودھ بیک بار تیرے منہ میں زور سے بھرتا چلا جائے جس کی تو تاب بھی نہ لا سکے۔ اور پھر گویا ایک دھوبی کو اس کے سینے میں بٹھا دیا جس کو یہ فرض سونپا گیا کہ وہ چھاتیوں تک پہنچنے والے سرخ خون کو صاف کر کے سفید دودھ میں تبدیل کر دیا کرے جو انتہائی لطیف اور پاکیزہ شکل میں تجھ تک پہنچتا ہے۔ اور تیری محبت کو تیری ماں پر یوں مسلط کر دیا کہ اگر تو ایک لحظہ کے لیے بھی بھوکا رہ جائے تو اس پر صبر و قرار گویا حرام ہو جائے اور بے چین و مضطرب سی ہونے لگے۔ چونکہ دودھ پینے کے لیے دانتوں کی ضرورت نہ تھی اس لیے ایک خاص مدت تک تیرے دانت

پیدا نہ کیے تاکہ تو ماں کے سینے کو زخمی نہ کرتا ہے اور پھر تجھ میں کھانے پینے کی قوت پیدا ہو گئی تو دانت بھی عطا فرما دیے تاکہ سخت طعام کھانا بھی تیرے لیے آسان ہو جائے۔ تو پھر اس شخص کو اندھا نہ کہو گے تو اور کیا کہو گے جو یہ سب کچھ دیکھتا ہے اور ان کے خالق کی عظمت سے مدہوش نہیں ہو جاتا اور اس کے لطفِ بے پایاں اور شفقتِ کاملہ پر محوِ حیرت نہیں ہوتا اور اس کے جلال و اجلال کا عاشق نہیں ہو جاتا؟

زہے وہ بدبخت حیوان صفت اور سنافل انسان جو ان عجائبات میں تفکر نہیں کرتا۔ تف ہے اس پر جسے اپنے بدن کی ساخت پر حیرت نہیں ہوتی۔ افسوس ہے اس پر جو اس عقل کو فضول گنوا رہا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور جو دنیا بھر کی تمام اشیاء سے قیمتی ہے۔ افسوس ہے اس پر جسے اس کے سوا کچھ پتہ نہ ہو کہ بھوک لگی تو پیٹ بھر لیا اور غصے کا بھوت سوار ہوا تو کسی سے گتھم گتھا ہو لیے اور حیوانوں کی طرح گلشنِ معرفت کے رنگا رنگ نظاروں سے بے خبر اور محروم ہی رہے جو حق تعالیٰ نے اس کے لیے (بلکہ خود اس کے اندر) پیدا کر رکھے ہیں۔

غور طلب بات

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی نے ایک مرتبہ فرمایا ایک دفعہ سکندر اعظم نہایت ہی آباد و خرم ملک میں پہنچا۔ وہاں ایک گورستان سے اس کا گزر ہوا جس میں ہر قبر کے سرہانے ایک پتھر لگا تھا اور پتھر پر مدفون کی عمر لکھی ہوئی تھی، کسی کی دو سال، کسی کی چار سال اور کسی کی دس سال، حتیٰ کہ دس سال سے زیادہ کسی کی عمر نہ تھی۔ سکندر اعظم کو تعجب ہوا کہ یہ لوگ انتہائی کم عمر ہیں۔ چنانچہ وہاں کے لوگوں نے اسے بتایا کہ ان مردوں کی عمریں بہت لمبی تھیں مگر ہمارے نزدیک صرف وہی عمر قابلِ شمار ہوتی ہے جو یادِ الٰہی میں صرف ہو لہٰذا ان کی عمریں ان کی عبادت کے مطابق لکھی گئی ہیں۔

حضرت امام غزالی نے فرمایا ہے کہ زمین پر نگاہ ڈال اور دیکھ کہ کس طرح اسے تیرا فرش بنا دیا ہے اور چہار سو اسے کس قدر فراخ، وسیع اور کشادہ بنا دیا ہے کہ تو جہاں تک نگاہ کرے

اور جس طرف بھی نظر دوڑائیے اس کے کناروں تک رسائی دشوار ہے۔ اور پھر اس کے اوپر پہاڑوں کو گویا میخوں کی طرح جڑ دیا کہ (اس کا توازن قائم رہے اور) تو اپنے قدم اس پر جما سکے (اور لڑکھڑانے نہ پائے) اور زمین اپنی جگہ سے نہ ٹل سکے اور سخت پتھروں کے نیچے سے دریا اور ندیاں جاری کر دیں کہ جن میں پانی مسلسل رواں رہتا ہے اور روئے زمین پر بہتا رہتا ہے اور اس کا باقاعدہ اور بتدریج بہاؤ اس لیے ہے کہ سخت (اور بھاری بھرکم) پتھروں نے اسے قابو کر رکھا ہے ورنہ ایک ہی بار امنڈ پڑے تو دنیا غرقِ آب ہو جائے یا مزارع کی زمین کو آہستہ آہستہ سیراب کرنے کے بجائے دفعتہً کھیتوں میں بھر جاتا اور پھر موسم بہار پر غور کرو کہ وہ زمین جو گندی مندی مٹی ہوتی ہے بارش کے آنے سے کس طرح اس میں جان سی پڑ جاتی ہے اور وہ اس مخمل کی طرح ہو جاتی ہے جو ہفت رنگ نہیں بلکہ ہزار رنگ ہو۔ اور اس نباتات پر غور کرو جو بارش سے پیدا ہو جاتی ہے، کہیں سبزہ ہے کہیں پھول ہیں کہیں کلیاں ہیں۔ اور ہر کسی کا رنگ جدا اور جدا صورت ہوتی ہے اور وہ بھی یوں ایک سے ایک خوشنما اور ایک سے ایک خوش رنگ۔

پھر درختوں، پودوں اور اشجار کو دیکھو اور ان پر لگنے والے پھلوں پر غور کرو، کتنا حسن و جمال ہے ان پر۔ پھر پھل کا ذائقہ جدا اور خوشبو بھی جدا۔ اور ہر ایک کے اپنے اپنے فائدے ہیں بلکہ ان جڑی بوٹیوں پر غور کرو جنہیں تم فضول اور بے کار سمجھتے ہو اور جن میں سے بیشتر ایسی ہیں جن کا تمہیں علم بھی نہیں۔ ان میں عجیب و غریب فوائد مضمر ہیں اور ان کے ذائقہ و تاثیر کا یہ حال ہے کہ کوئی کڑوی ہے تو کوئی میٹھی اور کوئی ترش اور کھٹی۔ ایک ایسی کہ اس کے کھانے سے آدمی بیمار ہو جائے تو دوسری ایسی کہ بیمار بھی ہو تو صحت یاب و تندرست ہو جائے، ایک زندگی کی حفاظت کرنے والی تو دوسری زہریلی اور ہلاک کن، کوئی صفرا کی تحریک کا باعث تو کوئی اس کو دور کرنے والی۔ کوئی ایسی کہ سوداوی اثرات کو رگ پٹھوں سے چن چن کر نکال دے۔ اور کوئی ایسی جنون انگیز کہ اچھے بھلے کو سوداوی کر دے، کسی کی تاثیر گرم تو کسی کی سرد اور کسی

کسی کے کھانے سے دل کی کلی کی خشک تو کسی کی تر۔ کوئی خواب آور اور کوئی نیند کی دشمن۔ کوئی شگفتہ ہو جائے اور کسی سے پژمردگی و اندوہ طاری ہو جائے، کوئی انسانوں کی غذا تو کوئی حیوانوں کی خوراک، کوئی چوپایوں کا چارہ تو کوئی پرندوں کا دانہ، غرض دیکھو تو سہی کہ ان کی تعداد کے ہزار تک پہنچتی ہے۔ اور ہر ایک میں بیشمار عجائب پوشیدہ و آشکار ہیں؛ تاکہ تمھیں حق تعالیٰ کے کمالِ قدرت کا کچھ تو اندازہ ہو۔ حق تو یہ ہے کہ اگر ان میں تفکر کریں تو لوگوں کی عقلیں ششدر ہو جائیں، اور کیا عجب کہ مدہوشی کا شکار ہو جائیں اور ان کی نہایت و انتہا کا اندازہ محال ہے۔

پھر آپ نے فرمایا ہے کہ وہ بیش بہا اور نادر و کمیاب امانتیں ہیں جو حق تعالیٰ نے پہاڑوں کے اندر نیچے پنہاں کر رکھی ہیں۔ جن کو معدنیات کے نام سے یاد کیا کرتے ہیں، ان میں سے بعض تو آرائش و زیبائش کے لیے ہیں مثلاً سونا چاندی، ہیرے جواہرات، فیروزہ یاقوت، زمرد، بلور اور ایسی ہی دیگر ہم جنس قیمتی معدنیات۔

اور بعض وہ ہیں کہ برتن باسن بنانے کے لیے استعمال ہوتی ہیں، مثلاً لوہا تانبا، پیتل اور کانسی قلعی اور سکہ وغیرہ۔

اور بعض وہ ہیں جو دوسرے مختلف کاموں میں استعمال ہوتی ہیں مثلاً نمک، گندھک اور شورہ وغیرہ۔ ان میں سے دیکھنے کو کمترین درجہ نمک کا ہے لیکن یہی وہ چیز ہے جو کھائے پیے کو ہضم کرتی ہے۔ اور اگر کسی شہر یا آبادی میں یہ دست یاب نہ ہو تو کھانے کا سارا مزہ کرکرا بلکہ تباہ ہو کر رہ جائے اور نہ صرف کھانے بے لذت ہو جائیں بلکہ لوگ بیمار بھی ہو جائیں اور وہ بھی کچھ اس طرح کہ ہلاکت کا خطرہ لاحق ہو۔

پس ذرا لطف و کرمِ الٰہی پر نظر غور تو ڈالیے کہ کھانا بجائے خود غذا ضرور ہے اور وہ بھی اسی کی عنایت ہے لیکن چونکہ اسے مزیدار اور لذیذ بنانے کے لیے بھی ایک خاص چیز کی ضرورت تھی اس لیے وہ بھی افراط سے پیدا کر دی (تاکہ اس کی کمی یا کمیابی کی شکایت نہ رہے) اور چونکہ اسکی

مقدار بھی زیادہ درکار تھی اس لیے اس کو بنایا بھی ایسی چیز سے جو بہت مقدار میں ہوتی ہے۔ یعنی اس صاف پانی سے جو بارش کی صورت میں برستا ہے اس سے نمک کو پیدا کیا اور وہ یوں کہ بارش کا یہی پانی جب زمین کے نیچے جمع ہو جاتا ہے تو اس کا ایک حصہ نمک میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور یہ عجائبات بھی اپنی تعداد اور رنگارنگی کے اعتبار سے اَن گنت اور بے شمار ہیں۔

آدابِ سُنّت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری سنتیں یعنی کھانے، سونے، چلنے، بیٹھنے، اٹھنے غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو پر عمل کرنے کے آداب اور سنت طریقہ، جس پر عمل پیرا ہونے سے زندگی کا ہر لمحہ کارِ ثواب بن جاتا ہے۔

عالم فقری

باب ۱

ورع

ورع کا مطلب پرہیزگاری ہے۔ حرام وحلال کے سلسلہ میں مشتبہ رزق سے بچنا ورع کہلاتا ہے۔ اسلام میں حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی ظاہر ہے مگر ایسا رزق، یا کسبِ معاش جس کے بارے میں واضح نہ ہو پایا کہ وہ حلال ہے یا حرام یعنی شک ہو تو اس سے پرہیز اختیار کرنا اعمال تصوف میں ورع کہلاتا ہے۔ صوفیاء نے ورع کو اعمالِ ہدایت میں شمار کیا ہے کیونکہ اللہ کا ولی بننے کے لیے حلال وحرام میں تمیز کرنا ضروری ہے لہذا رزق کو استعمال میں لاتے ہوئے اس امر پر کڑی نظر رکھنی چاہیئے کہ کہیں حلال میں حرام تو شامل نہیں ہو رہا۔ لہذا جو شخص یہ پرہیزگاری اختیار نہیں کرے گا اس کے لیے سلوک کا راستہ طویل ہو تا جائے گا اور اس کی منازل کے انوار و تجلیات اس وقت رک جائیں گے جبتک وہ ورع اختیار نہیں کرے گا۔

کثرتِ عبادت اور اللہ کا ذکر ہی اللہ کے قرب کا بنیادی ذریعہ ہے اس لیے عبادت میں کثرت کرنے والوں کے لیے حرام اور شبہ کی غذاؤں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اور رزق کے معاملہ میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ جو استعمال والی چیز اپنی ملکیت میں ہو اور حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہو وہ حلال ہے۔ اور ایسی چیز جو کسی سے ناجائز طریقے سے حاصل کی جائے اور حقیقت میں وہ دوسرے کی ملکیت میں ہو تو وہ حرام ہے۔ کیونکہ حرام کے متعلق کہا گیا ہے کہ ہر وہ شے جس کے متعلق یقین ہو کہ وہ غیر کی ہے تو اس کا استعمال درست نہیں بلکہ پرہیزگاری کے خلاف ہے اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

اگر کسی چیز کے حرام یا حلال ہونے میں شک ہو اور اس کے جواز یا عدم جواز دونوں جانب برابر ہوں، یہاں تک کہ تم اس حد تک شک میں پڑ جاؤ کہ حلت و حرمت کی طرف ترجیح نہ دے سکو تو یہ شبے کی غذا ہے کیونکہ اس میں یہ بھی شبہ ہے کہ حرام ہو۔ اس غذا کا معاملہ مشتبہ ہے پھر جس کی حرمت واضح ہے اس سے اجتناب فرض ہے اور جس کی حرمت میں شبہ ہو اس سے پرہیز کرنا ورع ہے۔

صوفیاء نے کسب حلال حاصل کرنے کے سلسلہ میں ایک پابندی یہ عائد کی ہے کہ شک والے پیشوں اور ذرائع سے پرہیز کیا جائے اور ایسے ذرائع جن کے بارے میں یقین نہ ہو کہ کیا روزی کا راستہ حلال ہے یا حرام تو اس کو اختیار کرنے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ رسول پاک کا ایک قول ہے کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے درمیان چند امور مشتبہ ہیں۔ چنانچہ جس نے اس چیز کو چھوڑ دیا جس کے گناہ ہونے کا شک ہو تو وہ کھلے ہوئے گناہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ اور گناہ ایک چراگاہ کی مانند ہیں۔ جو شخص چراگاہ کے ارد گرد جانور چرائے تو قریب ہے کہ اس چراگاہ میں داخل ہو جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥	آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک چیزیں برابر نہیں ہو سکتیں اگرچہ ناپاک کی کثرت تمہیں اچھی لگے۔ عقل والو! اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (پ ۷، مائدہ ۱۰۰)

حرام اور حلال ایک جیسا نہیں لہذا جس حلال میں حرام مل جائے تو وہ مشکوک ہو جائے گا اور وہ بھی پاکیزہ رزق نہیں رہے گا لہذا فلاح اسی میں ہے کہ ایسے مشتبہ رزق سے اجتناب کیا جائے۔

ترغیبِ پرہیزگاری

ورع یعنی پرہیزگاری کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار ارشادات ہیں جن میں ورع اختیار کرنے اور شبہات سے اجتناب کرنے کی بہت ترغیب دی گئی ہے ان میں سے چند ارشادات حسبِ ذیل ہیں:۔

شک و شبہ چھوڑ دو

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات یاد رکھی کہ شک و شبہ والی بات کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کرو۔ (ترمذی)

ورع کا ایک واقعہ

حضرت عمرو بن شعیبؒ کی روایت میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت اپنے پہلو کے نیچے ایک کھجور پائی اور اسے کھالیا تو آپ اس ساری رات نہیں سوئے۔ آپ کی بعض ازواج مطہرات نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ! آج تو ساری رات آپ بیدار رہے ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے اپنے پہلو کے نیچے ایک کھجور پائی اور اسے کھالیا اور ہمارے پاس صدقہ کی کھجوروں میں سے کچھ کھجوریں تھیں تو مجھے یہ ڈر ہوا ایسا نہ ہو کہ یہ انہی میں سے ہو۔

شبہ کیا ہے

حضرت والصہ بن معبد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے فرمایا تو نیکی کے متعلق پوچھنے آیا ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں! آپؐ نے فرمایا اپنے دل سے دریافت کر جس پر تیرا دل اور نفس مطمئن ہوجائیں (وہ نیکی ہے) اور گناہ وہ ہے جس سے تیرے نفس میں کھٹکا پیدا ہو اور تیرے دل میں شبہ ظاہر ہو اگرچہ لوگ تجھے فتویٰ دیں اگرچہ وہ تجھے فتوے دیں۔ (دارمی، احمد)

شبہ کا ازالہ

حضرت ابو سروعہ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے ابو اہاب بن عزیز کی بیٹی سے شادی کی تو ان کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے عقبہ اور اس عورت کو جس کے ساتھ اس نے شادی کی ہے (دونوں کو) دودھ پلایا ہے۔ عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ ہی تو نے پہلے کبھی بتایا ہے۔ چنانچہ وہ سواری پر بیٹھ کر مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورت تیرے نکاح میں کیسے رہ سکتی ہے جبکہ یہ بات کہی گئی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اسے جدا کر کے دوسری عورت سے نکاح کر لیا۔ (بخاری)

شبہات سے اجتناب

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے بیشک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، بہت سے لوگ انھیں نہیں جانتے۔ پس جس شخص نے شبہات سے اجتناب کیا اس نے اپنا دین اور عزت محفوظ کر لیے اور جو شبہات میں پڑا وہ حرام میں چلا گیا جس طرح ایک چرواہا جو ممنوعہ چراگاہ کے ارد گرد چراتا ہے قریب ہے کہ اس (ممنوعہ) چراگاہ میں بھی چرانے لگے سنو! ہر بادشاہ کے لیے کچھ ممنوعہ چراگاہیں ہوتی ہیں، سن لو کہ اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چراگاہیں اس کی حرام کردہ اشیاء ہیں۔ خبردار! جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوگا تو تمام جسم درست رہے گا اور جب وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے سن لو! وہ (ٹکڑا) دل ہے۔ (بخاری و مسلم دونوں نے اس حدیث کو متقارب الفاظ کے ساتھ مختلف طریقوں سے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں پڑی ہوئی ایک کھجور ملی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے اس کے صدقہ سے ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں

اسے کھالیتا۔ (بخاری)

کمالِ ورع

حضرت نافع رض سے روایت ہے کہ حضرت عمر رض نے اولین مہاجرین کے لیے چار ہزار اور اپنے بیٹے کے لیے ساڑھے تین ہزار (درہم) وظیفہ مقرر فرمایا۔ عرض کیا گیا وہ بھی مہاجرین میں سے ہیں، آپ نے ان کا وظیفہ کم کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا اس کے ساتھ اس کے باپ نے بھی تو ہجرت کی تھی، یعنی یہ ان لوگوں کی طرح نہیں جنھوں نے انفرادی طور پر ہجرت کی۔ (بخاری)

ورع کی تعریف

حضرت عطیہ بن عروہ سعدی رض سے روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اس وقت تک پرہیزگار لوگوں میں شمار نہیں ہوتا جب تک ان چیزوں کو ترک نہ کرے جن میں کچھ حرج نہیں تاکہ وہ حرج والے کاموں سے بچ سکے۔ (ترمذی)

فتنوں میں عبادت کا درجہ

حضرت معقل بن یسار کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فتنوں میں عبادت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ میری جانب ہجرت کرنا۔

شک و شبہ کی مذمت

حضرت ابوہریرہ رض کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک قوی مومن کمزور مومن سے بہتر ہے۔ اور جو بھلائی دیکھو اس کے کرنے میں حرص کرو اس سے عاجز نہ بن جاؤ۔ اگر تم مجبور ہو جاؤ تو یہ کہا کرو کہ اللہ نے یہی مقدر کیا تھا اس نے جو چاہا کیا اور شک و شبہ کو چھوڑ دو کیونکہ شک و شبہ شیطان کے عمل کا دروازہ کھولتا ہے۔ (ابن ماجہ)

شبہے والی چیز کو ترک کر دو

حضرت عمر رض نے فرمایا کہ سود کے متعلق آخری آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال

ہو گیا اور اس کی تفسیر ہمارے لیے بیان نہ فرمائی لہٰذا سود اور شبہ والی چیز کو چھوڑ دیا کرو (ابن ماجہ، دارمی)

قربِ قیامت کی علامت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا جبکہ آدمی پروا نہیں کرے گا کہ وہ جو حاصل کر رہا ہے وہ حلال سے ہے یا حرام سے ہے۔ (بخاری)

ورع کا مقام

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ورع اختیار کرو تو سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے (رسالہ قیشریہ)

سرمایۂ دین

ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہارے دین کا سرمایہ ورع ہے (کتاب اللمع)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہر پر بیٹھ کر وضو فرمایا جب آپ وضو سے فارغ ہو گئے تو آپ نے وضو سے بچا ہوا پانی نہر میں ڈال دیا اور فرمایا کہ خدائے بزرگ و برتر یہ پانی ان لوگوں تک پہنچائے گا جن کے لیے یہ نافع ہو گا

برائی کیا ہے

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی حسن اخلاق کا نام ہے، برائی وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور لوگوں کا اس پر مطلع ہونا تجھے ناپسند ہو۔ (مسلم)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کے پاس شام سے بیت المال کا تیل آیا۔ جو بڑے بڑے برتنوں میں تھا آپ نے اسے لوگوں میں بانٹنا شروع کیا۔ جیسا بھی پاس ہی موجود تھا۔ جب برتن فارغ ہوتا تو وہ اسے صاف کر کے بالوں پر مل لیتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر

فرمایا کہ تیرے بال مسلمانوں کے تیل کے بہت شوقین معلوم ہوتے ہیں۔ یہ لہا اور ہاتھ پکڑ کر حجام کے پاس لے گئے اور بال منڈوا دیے اور فرمایا کہ اس کی نسبت یہ اچھا ہے۔

ورع تمام امور کی جڑ ہے

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہر شے کی کچھ حدیں ہوتی ہیں (جن کی حفاظت ضروری ہوتی ہے) اسلام کی حدود ورع، تواضع، صبر اور شکر ہیں۔ ورع اور پرہیزگاری تو تمام امور کی اصل اور جڑ ہے۔ اور تواضع تکبر سے پاک صاف کرتی ہے۔ صبر آگ سے نجات دلاتا ہے شکر جنت دلا کر کامیاب کرتا ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو یہ بات شایان نہیں جس نے تقویٰ حاصل کیا اور پرہیزگاری کی ترازو میں اس کا وزن ہوا ہو (پرہیزگار ہو) کہ وہ کسی صاحبِ دنیا کے لیے ذلّت گوارا کرے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کمالِ ورع

حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک غلام تھا جو غلہ وغیرہ لایا کرتا تھا وہ ایک رات حضرت ابوبکرؓ کے پاس کھانا لایا آپ نے اس میں سے ایک لقمہ کھایا تھا تو غلام نے عرض کیا آپ کو کیا ہوا کہ آپ ہر رات تو مجھ سے دریافت کرتے تھے اور آج رات آپ نے دریافت نہیں کیا فرمانے لگے کہ ایسا بھوک کی وجہ سے ہوا۔ تُو یہ کھانا کہاں سے لایا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میرا زمانہ جاہلیت میں ایک قوم پر گذر ہوا اور میں نے ان کے لیے منتر کیا تھا انھوں نے مجھ سے کچھ دینے کا وعدہ کیا آج میرا گذر ان لوگوں پر ہوا تھا ان کے یہاں شادی تھی تو ان لوگوں نے اس میں سے مجھے دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تب مجھے ہلاک کرنے کے قریب تھا اور اس کے بعد اپنے حلق میں انگلی ڈالی اور قے کرنا چاہی مگر وہ کھانا نہ نکلا آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ

اس طرح نہ نکلے گا جب تک کہ آپ پانی نہ استعمال کریں گے۔ آپ نے پانی کا طشت منگایا اسے پیتے اور قے کرتے یہاں تک کہ وہ سارا کھانا باہر نکال دیا آپ سے عرض کیا گیا، خدا آپ پر رحم کرے یہ ساری مشقت ایک لقمہ کی وجہ سے آپ نے برداشت کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اگر یہ میری جان بھی لے کر نکلتا تب بھی میں اس لقمہ کو نکالتا۔ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے جس جسم کی حرام سے پرورش ہوئی ہو جہنم اس جسم کی زیادہ مستحق ہے۔ مجھے یہ ڈر ہوا ایسا نہ ہو کہ اس لقمہ سے میرے جسم کا کوئی حصہ پرورش پالے۔

حضرت عمرؓ

حضرت زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے دودھ پیا۔ وہ آپ کو پسند آیا اور بڑا عجیب معلوم ہوا۔ اس آدمی سے جس نے آپ کو پلایا تھا، دریافت فرمایا کہ یہ دودھ تمھارے پاس کہاں سے آیا؟ اس نے بتایا کہ اس کا ایک پانی کے کنارے گزر ہوا وہاں صدقہ کے جانور تھے جنھیں لوگ پانی پلا رہے تھے انھوں نے میرے لیے ان جانوروں کا دودھ دوہ دیا۔ میں نے اسے اپنے مشکیزہ میں بھر لیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے حلق میں انگلی ڈالی اور اس سب کو قے کے ذریعہ نکال دیا۔

حضرت علیؓ

حضرت شعبیؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ ایک روز کوفہ میں نکلے اور ایک دروازہ پر کھڑے ہو کر پانی طلب کیا آپ کے پاس ایک کنیز ایک لوٹا اور رومال لے کر نکلی آپ نے اس سے دریافت کیا اے کنیز! یہ گھر کس کا ہے؟ اس نے بتایا کہ فلاں درہم پرکھنے والے کا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ درہم پرکھنے والے کے کنویں سے پانی نہ پی اور چنگی وصول کرنے والے کے سایہ میں سایہ مت پکڑ۔

حضرت معاذ بن جبلؓ

حضرت یحییٰ بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس دو بیویاں تھیں ان میں سے کسی ایک کے نمبر پر دوسری کے

گھر سے وضو کا پانی نہ لیتے تھے۔ اس کے بعد یہ دونوں عورتیں اس بیماری میں جو انھیں ملک شام میں لگی وفات پا گئیں (طاعون کی شدت کی وجہ سے) ہر شخص اپنی فکر میں پریشان تھا لہٰذا یہ دونوں ایک ہی قبر میں دفن کی گئیں۔ حضرت معاذؓ نے اس بارے میں بھی قرعہ اندازی کی کہ ان میں سے کونسی قبلہ کی طرف رکھی جائے۔

یحییٰ کی روایت میں ہے کہ حضرت معاذؓ کی دو بیویاں تھیں جب ان میں سے کسی ایک کے یہاں ہوتے تو دوسری کے گھر سے پانی تک نہ پیتے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت احتیاط

حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ میں گواہی دے کر کہتا ہوں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں گواہی دے کر کہتا ہوں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے سنا کہ وہ تلبیہ پڑھ رہے تھے اور ہم سب موقف میں ٹھہرے ہوئے تھے ان میں سے ایک آدمی نے کہا کیا آپ کو پتہ نہیں کہ کوچ کا وقت آگیا ہے؟ تو حضرت ابن عباسؓ بول پڑے کہ مجھے علم نہیں (تا کہ حضرت عمرؓ کے تلبیہ میں خلل واقع نہ ہو) لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ کی اس احتیاط پہ بڑا تعجب کیا۔

اقوال و آثار

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا فرمان

آپ کا فرمان ہے کہ یا اللہ! مجھے صحیح راستہ دکھا حق کی پیروی کی توفیق عطا فرما۔ مجھے باطل کی پہچان اور اس سے بچنے کی توفیق دے۔ حق و باطل کو میرے اوپر مشتبہ نہ کرنا ورنہ نفسانی خواہشات کے زیر اثر ہو جاؤں گا۔

حضرت ابوبکر شبلیؒ نے فرمایا ہے کہ ورع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے پرہیز کیا جائے یعنی ہر وقت اسی کی طرف توجہ رکھی جائے۔

حضرت اسحاق بن خلف کا قول ہے کہ گفتار میں پرہیز گاری، سونے اور چاندی میں پرہیز گاری سے زیادہ سخت ہے اور ریاست سے زہد کرنا سونے اور چاندی کے زہد سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ تُو تو سونے اور چاندی کو ریاست کی خاطر خرچ کر دیتا ہے۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں، ورع یہ ہے کہ بغیر کسی قسم کی تاویل کے علم کی حد پر کھڑا رہے۔

ابو عثمانؒ فرماتے ہیں، ورع کا ثواب حساب میں آسانی ہونے کی صورت میں ملے گا۔

ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں، ورع زہد کی ابتدا ہے بعینہٖ اسی طرح جس طرح قناعت رضا کا ایک کنارہ یا حد ہے۔

ابن سیرینؒ فرماتے ہیں میرے لیے ورع سے بڑھ کر کوئی چیز آسان نہیں۔ جب بھی مجھے کسی چیز میں شک ہو جائے اسے بلا تردد ترک کر دیتا ہوں۔

ابو سعید خرازؒ نے ورع کے بارے میں فرمایا ہے، ورع یہ ہے کہ لوگوں پر تم سے ادنیٰ سا ظلم بھی نہ ہونے پائے اور یہاں تک کہ کبھی کوئی تیرے خلاف ظلم یا کسی زیادتی کی دُہائی نہ دے۔

سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ میں نے ورع سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں دیکھی۔ جو چیز تمہارے دل میں کھٹکے اسے چھوڑ دو۔

ورع کی دو قسمیں ہیں، ایک ظاہری ورع، وہ یہ ہے کہ انسان حرکت کرے تو صرف اللہ کے لیے۔ دوسرے باطنی ورع جو یہ ہے کہ تمہارے دل میں اللہ کے سوا کوئی اور داخل ہی نہ ہو۔

کہا جاتا ہے کہ جو شخص دین میں باریک بین ہو گا قیامت میں اس کا مرتبہ بڑا ہو گا۔

معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح تو اپنی زبان کو مذمت سے بچاتا ہے، اسی طرح مدح سے بچا۔

محمد بن سیرینؒ جب کسی چیز کو مشتبہ دیکھتے تو اسے بالکل ترک کر دیتے اگرچہ سارا بیت المال ہی ہو۔

ابن الجلاءؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص میں محتاجی کی حالت میں تقویٰ نہ ہو وہ قطعی حرام کا مال کھائے گا۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں جو شخص ورع کی باریکیوں میں غور نہیں کرتا وہ اللہ کے بڑے عطیوں تک نہیں پہنچ سکتا۔

بشر بن الحارثؒ فرماتے ہیں کہ سخت ترین کام تین ہیں، محتاجی میں سخاوت، خلوت میں پرہیزگاری۔ اور جس شخص سے بھلائی کی امید یا برائی کا ڈر ہو اس کے سامنے کلمۂ حق کہنا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم ستر قسم کی حلال اور جائز باتوں کو اس خوف سے چھوڑ دیا کرتے تھے کہ کہیں کسی حرام بات میں پھنس نہ جائیں۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا قول

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا قول ہے کہ وہ فقہ اور علم بےکار ہے جس میں ورع نہ ہو جیسے وہ نماز کچھ نہیں جس میں خشوع نہ ہو اور وہ مال کچھ نہیں جس میں سخاوت نہ ہو۔

ورع دین کی اصل بنیاد ہے

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کا قول ہے کہ ورع دین کی اصل بنیاد ہے اس لیے ورع اختیار کرنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کیونکہ اس میں ظاہر و باطن کی عافیت ہے۔

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کا ارشاد

فتوح الغیب میں لکھا ہے کہ جو چیز تجھے کسی طرح کے شک و شبہ میں مبتلا کرے اسے چھوڑ دے۔ پس یہ اصول یقینی طور پر رزقِ حلال اختیار کرنے اور حرام سے

بچنے کے لیے نہایت اہم اور قابلِ عمل ہے اور ہونا یہ چاہیئے کہ ہر وہ چیز جس کی حلت و حرمت کے متعلق تیرے دل میں تذبذب اور بے اطمینانی ہو، وہ تیرے نزدیک ایسی ہو جائے کہ گویا وہ موجود ہی نہیں۔ ایسے حالات میں تو درگاہِ خداوندی کی طرف رجوع کر اور اپنے پروردگار سے رزق حلال کا طلبگار رہو۔

حق تعالیٰ کی رضامندی

شیخ خواصؒ سے ورع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ ورع یہ ہے کہ بندۂ حق خواہ غصہ کی حالت میں ہو یا رضامندی کی حالت، حق بات کے سوا اور کچھ منہ سے نکالے اور اس کی ساری جد وجہد محض حق تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ہو۔

حضرت ابوعبداللہ انطاکیؒ کا قول

حضرت عبداللہ انطاکیؒ فرماتے تھے کہ گناہِ صغیرہ کو حقیر نہ جانو کیونکہ گناہ کو حقیر جاننا ترکِ ورع کی سیڑھی ہے۔

حقیقی ورع

یونس بن عبیدؒ فرماتے تھے کہ حقیقی ورع شبہات سے نکلنے اور ہر ہر قدم پر اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کا نام ہے۔ جو شخص یہ نہیں کرتا وہ متورع نہیں۔

حضرت اصمعیؒ کا قول

حضرت اصمعیؒ فرماتے تھے کہ فقہاء میں سے جس نے مشتبہ امور کی رخصت طلب کی اس کا علم جہنم کا توشہ ہے۔

حضرت یونس بن عبیدؒ کا قول

یونس بن عبید کسی تعجب انگیز چیز کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے جلال کے خیال سے سبحان اللہ کہنے سے رکتے۔

مغیرہ بن شعبہؒ کا طریقہ

مغیرہ بن شعبہؒ جب پھیری والوں سے کوئی چیز خریدتے

تو چلنے والوں کی دقت کے خیال سے راستہ سے ایک طرف کھڑے ہو جاتے اور اس سے سودا خریدتے۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول

حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے اگر تم روزے رکھو یہاں تک کہ سوکھ کر تار بن جاؤ، اور اتنی نمازیں پڑھو کر سوکھ کر تنکا ہو جاؤ تو تمھیں اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا جب تک کہ تمھارے پاس خالص ورع نہ ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اہل ورع وزہد اللہ کے ہم نشین ہوں گے۔

اہل ورع کے طبقے

شیخ ابو نصر سراج کا قول ہے کہ اہل ورع کے تین طبقے ہیں۔ ایک وہ جو شبہات سے اجتناب کرتا ہے اور یہ شبہات حلال و حرام کے واضح احکامات یا مبہم احکامات سے تعلق رکھتے ہیں۔

اہلِ ورع کا دوسرا طبقہ ہر اس شے سے اجتناب کرتا ہے جس سے ان کا قلب دوری چاہے اور جسے اختیار کرنا انھیں ناگوار ہو۔ یہ مقام صرف اہلِ تصدیق اور اربابِ قلوب (اہلِ دل) کو حاصل ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔

اہل ورع کا تیسرا طبقہ عارفین و واجدین کا ہے ان کے ورع کی کیفیت کے بارے میں ابو سلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ ورع یہ ہے کہ تو ہر اس چیز کو برا سمجھے جو تجھے اللہ سے دور کر دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میرا قرب چاہنے والے پرہیزگاری اور زہد سے بڑھ کر کسی اور چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔

حکایت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبرستان سے گزرے۔ آپ نے ایک مردہ شخص کو آواز دی، اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تو کون ہے؟ عرض کی میں مزدور تھا اور لوگوں کا بوجھ اٹھا کر لے جایا کرتا تھا، ایک دن ایک شخص کا ایندھن اٹھا کر لے گیا جس سے میں نے ایک خلال توڑ کر اس سے دانتوں کا خلال کیا تھا۔ جب سے مرا ہوں اس کا مجھ سے مطالبہ ہو رہا ہے۔

ورع خوف کی نشانی ہے

شیخ خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ورع خوف کی نشانی ہے اور خوف خدا شناسی کی علامت ہے اور معرفت قربتِ حق کی دلیل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم حلال کے نو حصے چھوڑتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں حرام میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

اسلاف کی عادت

اسلاف کی عادت تھی کہ اگر کسی جگہ ان کا دینار گر پڑے اور اس کی تلاش میں وہاں جائیں اور دینار کو پڑا دیکھیں تو اسے نہ اٹھاتے اور خیال کرتے کہ ممکن ہے کسی اور کا گرا ہوا ہو اور میرا کسی اور نے اٹھا لیا ہو۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو ورع سیکھا کرتے تھے اور اس کے سیکھنے میں تین تین مہینے یا اس سے بھی زیادہ عرصہ تک سفر اختیار کرتے تھے لیکن آج کل کوئی اس کو طلب نہیں کرتا اگر یہ بتلایا بھی جائے تو بھی اس پر عمل نہیں کرتے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس نے علم کو بغیر عمل کے طلب کیا اس کا نتیجہ [illegible]

ریاست کا طالب ہوا اس کا رہبر فرعون ہے اور جس نے ورع تلاش کیا اس کے امام انبیاءؑ اور اصفیاء علیہم السلام ہیں۔

حضرت امیر کلال کا واقعہ

حضرت سید امیر کلال سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اکابر بزرگان سے ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب آپ پیٹ میں تھے اگر اتفاقاً کبھی مشتبہ لقمہ میرے پیٹ میں چلا جاتا تو سخت درد پیدا ہوتا تھا۔ جب یہ کیفیت کئی بار گزری تو میں سمجھ گئی کہ اس درد کا سبب یہ بچہ ہے جو حمل میں ہے۔ اس کے بعد کھانے میں بہت احتیاط کرنے لگی اور اس کی ولادت کی منتظر رہی۔

حضرت بشر حافیؒ کا واقعہ

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت بشر حافی کو ایک دعوت پر بلایا گیا اور جب ان کے سامنے کھانا چُنا گیا تو باوجود کوشش کے ان کا ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ سکا۔ انھوں نے تین بار کوشش کی مگر بے سود۔ ایک شخص نے جو اس راز سے آشنا تھا۔ میزبان سے کہا کہ اس طرح کے باکمال صوفی کو حرام یا مشکوک طعام پر بلانا مناسب نہیں تھا۔

کمال درجے کی پرہیزگاری

شیخ ابوزرعہؒ بحوالہ شیوخ شیخ ابن جلارؒ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں ایک ایسے شخص سے واقف ہوں کہ جو مکہ معظمہ میں بیس سال رہے مگر انھوں نے زمزم کا صرف وہی پانی پیا جو انھوں نے اپنے مشکیزے میں اپنی رسی اور ڈول سے بھر لیا تھا اور اسی طرح نہ انھوں نے وہ کھانا کھایا جو شہر سے لایا جاتا۔

مالک بن دینارؒ کا واقعہ

کہتے ہیں کہ مالک بن دینار چالیس سال بصرہ میں مقیم رہے مگر انھوں نے بصرہ کی ایک کھجور کھانا بھی درست نہ سمجھا یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔ اور انھوں نے بصرہ کی ایک کھجور بھی نہیں چکھی۔ ان کا

دستور تھا کہ جب تازہ کھجوروں کا موسم گزر جاتا تو کہتے اے بصرہ والو! یہ میرا پیٹ ہے اس میں سے کچھ کم نہیں ہوا اور نہ تم میں کچھ زیادتی ہوئی ہے۔

ہیبت میں کمی کی وجہ

حضرت علی عطارؒ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کی ایک سڑک سے گزرا وہاں بچے کھیل رہے تھے اور بوڑھے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے بچوں سے کہا کیا تمھیں ان بزرگوں سے شرم نہیں آتی! ان میں سے ایک بچے نے جواب دیا کہ چونکہ ان بزرگوں کی پرہیزگاری میں کمی واقع ہوگئی ہے اس لیے ان کی ہیبت بھی کم ہوگئی ہے۔

دین کا دارومدار

ایک دفعہ حضرت خواجہ حسن بصری مکہ میں گئے اور وہاں حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ایک بچے کو کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگوں کو وعظ کرتے دیکھا، حسن بصری کھڑے ہوگئے اور بچے سے پوچھا کہ دین کا دارومدار کس چیز پر ہے؟ بچے نے جواب دیا، پرہیزگاری پر، پھر پوچھا کہ دین کی آفت کس چیز میں ہے جواب دیا طمع میں۔ یہ سن کر حضرت خواجہ حسن بصری بڑے حیران ہوئے، پھر آپ نے فرمایا صحیح پرہیزگاری ایک ذرہ بھر بھی ہو تو وہ نماز روزہ کے ایک ہزار مثقال سے بہتر ہے۔

ورع کی باریکی

حضرت کہمسؒ کہتے ہیں کہ میں ایک گناہ کر بیٹھا جس کی وجہ سے چالیس سال سے رو رہا ہوں۔ بات یوں ہوئی کہ میرا ایک بھائی میری ملاقات کو آیا۔ میں نے اس کے لیے ایک دانق (دانگ) کی تلی ہوئی مچھلی خریدی۔ جب وہ مچھلی کھا چکے تو میں نے اپنے ایک پڑوسی کی دیوار سے مٹی کا ایک ٹکڑا لیا جس سے انھوں نے ہاتھ صاف کر لیا اور میں اس کی اجازت نہ لے سکا۔

قلبی قساوت

حضرت ابوبکر دقاقؒ فرماتے ہیں کہ میں پندرہ دن تک بنی اسرائیل کے بیابان میں حیران پریشان پھرتا رہا۔ پھر جب راستہ پر آیا تو مجھے ایک فوجی ملا جس نے مجھے پانی پلایا اور جس کی وجہ سے میرا دل تیس سال تک

قلبی قساوت میں مبتلا رہا۔

ورع کا اجر
کسی نے حضرت سفیان ثوری کو خواب میں دیکھا کہ ان کے دو پر لگے ہوئے ہیں اور جنت میں ایک درخت سے اڑ کر دوسرے درخت پر جاتے ہیں۔ اس شخص نے پوچھا کہ آپ کو یہ مرتبہ کیونکر ملا؟ فرمایا پرہیزگاری کے سبب ملا ہے۔

ورع اختیار نہ کرنے کا نتیجہ
حسان بن ابی سنانؒ کی عادت تھی کہ یہ نہ تو چت لیٹا کرتے تھے اور نہ مرغن (سمین) کھانا کھاتے اور نہ ٹھنڈا پانی پیتے۔ اسی طرح ساٹھ سال گزار دیے۔ موت کے بعد انھیں کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا اللہ نے تجھ سے کیا برتاؤ کیا؟ فرمایا اچھا برتاؤ کیا۔ مگر یہ کہ میں نے ایک سوئی عاریۃً لی تھی اور میں نے اسے واپس نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے مجھے جنت میں جانے سے روکا گیا ہے۔

سخت مشکل چیز
حسان بن ابی سنانؒ، حسن بصریؒ کے شاگردوں کے پاس آکر کھڑے ہوئے اور پوچھا تمھیں کونسی چیز سخت مشکل معلوم ہوتی ہے؟ انھوں نے کہا ورع و مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرنا۔ فرمانے لگے کہ میرے لیے تو یہ بہت آسان ہے، پوچھا کیسے؟ فرمایا چالیس سال ہونے کو آئے میں نے تمھاری نہر کا پانی نہیں پیا۔

حکایت
حضرت عبدالواحد بن زیدؒ کا ایک لڑکا تھا جس نے برسوں اس کی خدمت کی اور چالیس سال تک عبادت کرتا رہا۔ یہ لڑکا ابتدا میں وزن کرنے کا کام کرتا تھا۔ مرنے کے بعد اسے کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ نے تم سے کیا برتاؤ کیا؟ جواب دیا اچھا برتاؤ کیا مگر میں جنت میں جانے سے روک دیا گیا۔ میرے ذمے پیمانے کے غبار کے چالیس پیمانہ بھر وزن نکالا گیا ہے۔

حکایت کہتے ہیں کہ رابعہؒ نے کپڑے کا ایک ٹکڑا شاہی مشعل کی روشنی میں اپنی قمیص پر سیا۔ جس کی وجہ سے مدت تک اس نے اپنے دل کا سکون نہ پایا یہاں تک کہ اسے یاد آیا (کہ اس کی وجہ تو کپڑے کا ٹکڑا ہے جو میں نے شاہی مشعل کی روشنی میں سیا تھا) اس پر اس نے قمیص پھاڑ ڈالی تو پھر اسے دل کا سکون مل گیا۔

عملی طور پر ورع اختیار کرو ایک بار ابوسعید خرازؒ نے ورع کے متعلق گفتگو کی۔ اتفاقاً عباس بن المہتدی کا ادھر سے گزر ہوا، کہا اے ابوسعید! تجھے شرم نہیں آتی؟ تو ابوالدوانیق کی چھت کے نیچے بیٹھتا ہے اور زبیدہ کے حوض سے پانی پیتا ہے اور کھوٹے درہموں سے لین دین کرتا ہے اور پھر بھی ورع پر گفتگو کرتا ہے۔

حکایت ابوعثمان حیری سے ورع کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ابوصالح حمدون اپنے ایک دوست کے پاس اس کی حالت نزع میں موجود تھے جب وہ شخص مر گیا تو ابوصالح نے چراغ کو پھونک مار کر بجھا دیا۔ کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ اب تک چراغ کے تیل کا مالک وہ خود تھا مگر اب یہ تیل اس کے وارثوں کا ہے لہٰذا کوئی اور تیل لاؤ تب چراغ جلاؤں گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؓ کے پاس مالِ غنیمت کی کستوری لائی گئی تو انھوں نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا کہ ان کی خوشبو ہی سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور میں پسند نہیں کرتا کہ میں اکیلا اس کی خوشبو سونگھوں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے مکہ میں تانبے کا ایک برتن (سطل) ایک سبزی فروش کے پاس گروی رکھا جب انھوں نے اسے چھڑانا چاہا تو سبزی فروش دو برتن نکال کر لے آیا اور کہا جونسا چاہو

لے لو۔ احمدؒ فرماتے ہیں میں اپنا برتن پہچان نہیں سکتا۔ لہذا کہا یہ برتن بھی تیرا ہے، اور یہ درہم بھی تیرے ہیں۔ اس پر سبزی فروش نے کہا کہ آپ کا برتن یہ ہے۔ میں تو صرف آپ کو آزمانا چاہتا تھا آپ نے فرمایا اب میں اسے نہ لوں گا۔ اور برتن اس کے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔

حکایت نخعیؒ نے ایک سواری کا جانور کرایہ پر لیا۔ راستہ میں ان کا کوڑا ہاتھ سے گر پڑا۔ آپ نے اتر کر سواری کو باندھا اور واپس آکر کوڑا اٹھایا تو کسی نے عرض کی کہ کاش آپ جانور کو واپس لے آتے اور جہاں کوڑا گرا ہے وہاں سے اٹھا لیتے۔ فرمایا میں نے جانور اس شرط پر کرایہ پر لیا تھا کہ اِس طرف جاؤں گا نہ کہ اُس طرف۔

حکایت کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارکؒ نے ایک قیمتی جانور کھلا چھوڑ دیا اور خود ظہر کی نماز پڑھنے لگ گئے۔ جانور شاہی کھیتوں میں چرتا رہا۔ اس پر ابن مبارکؒ نے اس جانور کو اس شخص کے پاس چھوڑ دیا جس کے قبضے میں وہ کھیت تھے اور پھر اس پر سوار ہونا پسند نہ کیا۔

حکایت کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک مکان کرایہ پر لے رکھا تھا اس میں بیٹھ کر وہ رقعہ لکھا کرتا تھا۔ اس نے حروف کو سکھانے کے لیے دیوار سے مٹی لینا چاہی مگر فوراً دل میں خیال آیا کہ مکان تو کرایہ کا ہے۔ پھر خیال آیا کہ اتنی سی بات سے کیا ہوتا ہے۔ لہذا اس نے حروف پر دیوار سے مٹی لے کر ڈال دی۔ اس پر اس نے غیب سے ایک ندا سنی، اتنی سی مٹی کو حقیر جاننے والے کو کل قیامت کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا حساب کس قدر لمبا ہے۔

حضرت ابن مبارکؒ کا کردار کہتے ہیں کہ ابن مبارک مرو سے شام صرف اس غرض سے آئے کہ ان کے پاس ایک عاریت لیا ہوا قلم تھا جس کو انھوں نے واپس نہ کیا تھا۔

حضرت سہل بن عبداللہ کا قول

حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں جس شخص کا ساتھ پرہیزگاری نہ دے وہ اگر سالم ہاتھی کھا جائے تو بھی سیر نہ ہوگا۔

حضرت بکر بن عبداللہ کی پرہیزگاری

حضرت بکر بن عبداللہ المزنیؒ اپنے چھت کا پرنالہ کسی پر گرنے کے خیال سے راستے کو چھوڑ کر اپنے گھر کے اندر رکھتے تھے۔ آپ کے پاس ایک بلی مر گئی تو آپ نے اسے گھر میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا اور باہر ڈھیر پر نہ پھینکا کہ لوگوں کو اس کی بدبو سے تکلیف نہ ہو۔

مشتبہ مال نہ لو

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ تم مکہ کی طرف مشتبہ مال لے کر سفر نہ کرو۔ کیونکہ حرام یا مشتبہ مال کا ایک دانگ بھی رد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پانچ سو حج سے جو مشتبہ مال سے ہو، بہتر ہے۔

حضرت یزید بن دریعؒ نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کا بہت سا مال متروکہ نہ لیا اور فرمانے لگے کہ مجھے اس کے پیشہ کی حلت میں شک ہے کیونکہ وہ اُمراء کے پاس اشیاء بیچا کرتا تھا۔

حضرت طلحہ بن مصرفؒ

حضرت طلحہ بن مصرفؒ جب کوئی دیوار یا ٹٹی کھڑی کرتے تو اس کو اپنی طرف جھکا دیتے تاکہ اس کی مٹی جس سے اس کی بنا کی گئی ہے راستہ میں نہ گرے۔

فروخت میں احتیاط

حضرت یونس بن عبیدؒ چادریں اور اوڑھنیاں فروخت کیا کرتے تھے لیکن جب آسمان ابر آلود ہوتا تو ان کو فروخت نہ کرتے اور نہ بازار کو جاتے۔ کسی نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ ابر کے دن خریدار کو اکثر معیوب شے صاف نظر آتی ہے۔

خوفِ الٰہی

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا بیٹا اگر مال غنیمت سے ایک سیب منہ میں ڈال لیتا تو وہ سختی سے نکال دیتے اور فرماتے کہ میں اس کو خوفِ الٰہی کے باعث نکالتا ہوں۔ گویا کہ میں اس کو اپنے دل سے نکالتا ہوں۔

حضرت محمد بن سیرینؒ

حضرت محمد بن سیرینؒ سے پوچھا گیا کہ غنیمت میں کستوری کو تقسیم کرتے وقت ناک کو بند کر لینے والا کیسا ہے اور کیا اس میں کوئی ڈر ہے؟ آپ نے فرمایا میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہتا، یہی سوال قاسم بن محمدؒ سے ہوا، آپ نے فرمایا وہ شخص ظاہری طور پر ورع کرنے والے کی مانند ہے۔ میں اس کو ادب کے باعث ورع نہیں کہتا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اپنے غلام کی کمائی سے نہ کھاتے جبکہ اس نے کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر فروخت کی ہو، اور فرماتے کہ تو نے درود شریف پڑھ کر اس چیز کی تعریف کی ہے اسی لیے لوگوں نے اسے خریدا ہے۔ پس تجھے مناسب ہے کہ ایسا نہ کیا کرے یا خریدار کو ایسی باتیں کہنے سے پرہیز کرے کہ یہ چیز ارزاں یا خوبصورت ہے بلکہ تم خاموش رہ کر فروخت کیا کرو۔

امام ابو حنیفہؒ کا ورع

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنے ایک مقروض سے مطالبہ کے لیے گئے۔ اس آدمی کے گھر کے دروازے پر ایک درخت تھا۔ امام نے دھوپ میں کھڑے ہو کر مطالبہ کیا۔ کسی نے کہا کہ آپ درخت کے سایہ میں کیوں نہیں کھڑے ہوتے؟ آپ نے فرمایا کہ میرا اس کے مالک پر قرض ہے اور جو فائدہ بھی قرض سے حاصل کیا جائے وہ سُود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ایسے ہی منقول ہے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا ورع

حضرت فضیل بن عیاضؒ ایک دفعہ بازار میں اپنے عیال کے لیے روٹی لینے گئے تو دیکھا کہ نانبائی روٹی بیچنے کے وقت تسبیح وتہلیل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے۔ پس فضیلؒ نے اس سے کچھ نہ خریدا اور آپ مع بال بچوں کے سب بھوکے سوئے۔ یہاں تک کہ دوسرے دن ایک ایسے شخص کو دیکھا جو خاموشی سے روٹی بیچ رہا تھا۔ پس اس سے خرید کر لائے کسی نے آپ سے کہا کہ اے ابا علی! یہ کام سہل ہے آپ نے جواب دیا میں ڈرتا ہوں کہ یہ تمہاری سہل انگاری مجھے جہنم میں نہ ڈال دے۔

بکار بن قتیبہؒ کا ورع

قاضی بکار بن قتیبہؒ نے اپنی والدہ سے چادر مانگی تاکہ اوڑھ کر روٹی پکوا لائیں۔ راستہ میں ایک دوست نے آپ سے کلام کیا لیکن آپ جواب کے لیے کھڑے نہ ہوئے۔ اس نے پوچھا آپ کلام کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے کہا اے دوست! میں نے اس چادر کو روٹی پکوانے کے لیے مستعار لیا ہے نہ اس لیے کہ اسے لے کر بازار میں کسی کے ساتھ کھڑا ہوں گا اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو میرے ساتھ باتیں کرے گا تو میں اس کی اجازت لے لیتا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کا ورع

رباح القیسؒ سے کہا گیا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے ورع کے متعلق جو کچھ آپ نے دیکھا ہے سنائیں آپ نے فرمایا عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شام ہمیں کھانے پر بلایا، ہم کھا رہے تھے تو فرمانے لگے ٹھہر جاؤ! اس چراغ کا تیل عوام کا تیل ہے جس میں ان کے حساب وکتاب کے کاغذات دیکھتا ہوں۔

ورع اختیار کرنے کا نرالہ انداز

حضرت ابو علی بخورانیؒ نے ایک کرتہ خریدا اور پہنا۔ ایک آدمی نے کہا میں نے اس کرتہ کو خریدا تھا تو اس میں ایک درہم مشتبہ تھا۔ کہتے ہیں کہ آپ پانی میں داخل ہو گئے۔

اور کُرتہ اتار کر ننگے ہو گئے اور فرمانے لگے مجھے ایک کُرتہ کون صدقہ دیتا ہے کہ میں پانی سے نکلوں۔ پس لوگوں نے آپ پر کپڑا ڈال دیا۔

حکایت حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ سلطان واصلانِ حق و برہان فانیانِ ذات مطلق تھے۔ تمام مشائخ حضرت کے کمال و عرفان و محویت اور وجدان پہ متفق ہیں۔ بعض ملفوظات پیرانِ چشت میں لکھا ہے کہ جب حضرت گنج شکرؒ شکم مادر میں تھے تو حضرت کی والدہ ماجدہ کو بیر کھانے کی خواہش ہوئی۔ حضرت کے ہمسایہ میں ایک بیری کا درخت تھا۔ حضرت کی والدہ نے درخت کے مالک کی اجازت کے بغیر چند بیر توڑے، کھانا چاہتی تھیں کہ حضرت نے شکم کے اندر بیقراری کا اظہار کیا جس کی وجہ سے حضرت کی والدہ بھی بیقرار ہو گئیں اور بیر ہاتھ سے گر پڑے۔ جب حضرت بڑے ہوئے تو حضرت کی والدہ نے ارشاد فرمایا کہ فرزند! میں نے تمہارے حمل کے دنوں میں کبھی کوئی مشکوک چیز نہیں کھائی۔ حضرت نے جواب دیا کہ مالک کی اجازت کے بغیر بیری کے چند بیر آپ نے توڑے تو تھے لیکن میں نے بے چینی کا اظہار کر کے مالِ مشکوک کھانے سے آپ کو بچا لیا۔ یہ سن کر حضرت کی والدہ متحیر ہوئیں کہ میں نے تو اس کا اظہار کبھی کسی سے نہیں کیا انھیں کیسے معلوم ہوا۔

حکایت حضرت عبداللہ بن مبارک حد درجہ کے متقی تھے۔ ایک دفعہ آپ ایک منزل پر اترے۔ آپ کے پاس ایک قیمتی گھوڑا تھا۔ آپ جب نماز میں مشغول ہوئے تو گھوڑا ایک کھیت میں جا کر چرنے لگا۔ جب آپ نے یہ حالت دیکھی تو گھوڑے کو دے میں چھوڑ دیا۔ بایں خیال کہ غیر حلال چارہ اس کے پیٹ کے اندر چلا گیا اور پیادہ پا روانہ ہوئے۔

حرام کا ترک کرنا صدقہ کرنے سے بہتر ہے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ حرام مال کا ایک پیسہ چھوڑ دینا ایک لاکھ پیسہ صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رح کا واقعہ منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رح شام میں تھے۔ حدیث شریف لکھا کرتے تھے ان کا اپنا قلم ٹوٹ گیا تو کسی سے مانگ لائے، تحریر سے فارغ ہوئے تو قلم قلمدان میں رکھ دیا اور واپس کرنا بھول گئے۔ وہاں سے مَرو پہنچے تو قلم دیکھ کر یاد آیا کہ واپس کرنا تھا۔ اسی مقصد کے لیے مَرو سے شام کا سفر کیا۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رح نے عمان تک سفر کے لیے ایک جانور کرایہ پر لیا راستہ میں کوڑا ہاتھ سے گر گیا۔ جانور کو وہیں باندھا خود پیدل واپس ہو کر کوڑا اٹھایا کسی نے کہا کہ جانور ہی کو کیوں واپس نہ پھیر لیا۔ فرمایا میں آگے جانے کے لیے جانور کرایہ پر لیا ہے واپس لوٹانے کے لیے نہیں۔

ورع دو طرح کا ہے حضرت ابراہیم بن ادھم رح کا قول ہے کہ پرہیزگاری اور ورع دو طرح کا ہے۔ ایک فرض دوسرا احتیاط۔ فرض تو معاصی اور گناہوں سے بچنا ہے اور احتیاط اس میں ہے کہ شبہ والے امور سے بھی بچتا ہے اور حُزن و غم بھی دو ہیں ایک مفید ایک مضر۔ مفید تو آخرت کا غم ہے اور مضر دنیا اور اس کی زیب و زینت کا غم ہے۔ خالص و کامل ورع یہ ہے کہ اپنی نگاہ کو حرام سے محفوظ رکھے۔ زبان کو جھوٹ اور غیبت سے بچائے رکھے بلکہ بدن کے تمام اعضاء اور اجزا کو حرام سے بچائے رکھے۔

حکایت حضرت بایزید بسطامی رح کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب میں شبہ کا لقمہ منہ میں رکھتی تو آپ پیٹ میں تڑپنے لگتے۔ اور بیقرار ہو جاتے یہاں تک کہ میں اس لقمہ کو نکال کر پھینک دیتی۔ اس کلام کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ اس راستہ میں مرد کے لیے کیا بہتر ہے؟ فرمایا دولتِ مادرزاد۔ کہا گیا اگر یہ نہ ہو، تو فرمایا کہ طاقتور بدن۔ کہا گیا اگر یہ بھی نہ ہو تو فرمایا کہ موت ناگہانی بہتر ہے۔

حکایت

ایک دفعہ خلیفہ نے فقہاء کی طرف کچھ انعام ارسال کیا انھوں نے لے لیا۔ پھر اس نے دس ہزار درہم فضیل بن عیاض کے پاس ارسال کیے لیکن آپ نے ان کو لینے سے انکار کر دیا۔ اس پر آپ کی اولاد نے کہا کہ جب فقہاء نے جو تمام لوگوں کے پیشوا ہیں منظور کر لیا ہے تو آپ کیوں نہیں لیتے آپ تو آخر ہی میں ہیں؟ راوی کہتا ہے کہ آپ روپڑے اور فرمانے لگے کہ میری اور تمھاری مثال اس قوم کی ہے جس کے پاس ایک بیل ہو، اور اس سے کھیتی کرتے ہوں، پھر جب وہ بوڑھا ہو جائے تو ان میں سے کچھ لوگ کہیں کہ اس کا چمڑا اور گوشت بیکار ہونے سے پیشتر اس کو ذبح کر لو۔ اسی طرح تم مجھے بڑھاپے کے وقت ذبح کرنا چاہتے ہو تم بھوک پر صبر کرو، یہ تمھارے لیے میرے ذبح کرنے سے بہتر ہے انھوں نے عرض کی کہ ہمارے پاس آج کھانے کو کچھ نہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ نے چھری اٹھائی اور اپنے نیچے پڑے ہوئے پرانے فرش کا ایک ٹکڑا کاٹ دیا اور کہا جاؤ اس کی قیمت سے کچھ خرید کر کھالو۔

حج پر جانے میں احتیاط

حضرت امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدی علی خواصؒ کو فرماتے سنا ہے کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو اونٹوں پر کجاوے اور سائبان کے بغیر حج کرتے ہیں اور کہا کرتے تھے کہ احرام باندھنے والے آشفتہ مُو اور خاک آلودہ ہوتے ہیں یہ چیزیں ان کے منافی ہیں اور ان میں سے کوئی حج کرنا چاہتا ہو تو کئی سال تک حلال روپیہ حاصل کرتا رہتا تاکہ اسے حج میں خرچ کرے اور وہ اپنے حج میں کسی امیر یا حاکم کے مال سے مدد نہ لیتے۔

حکایت

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز چشتی نظامیؒ کو بواسیر کی وجہ سے سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ ایک شخص خمیرہ سے بھرا ہوا برتن لایا اور کہنے لگا کہ میں نے زرِ کثیر خرچ کر کے یہ چیز تیار کی ہے۔ اس نے کئی بار قسم کھا کر کہا کہ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ آپ اسے سونے سے پہلے ضرور استعمال کریں، حضر

شیخ نے فرمایا بہت اچھا۔ آخر شب ابھی صبح نہیں ہوئی تھی کہ حضرت اقدس نے اپنے خادم بشیر کو طلب فرمایا۔ جب خادم آیا تو آپ نے فرمایا کہ فلاں آدمی کو بلاؤ، وہ اس کے گھر پر جاکر بلا لایا۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ وہ خمیرہ لاؤ۔ اس نے خمیرہ لاکر آپ کے ہاتھ میں دیا۔ آپ نے فرمایا کہ زمین کھود کر اسے دفن کردو۔ اس نے ذرا تامل کیا تو آپ نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر عمل کرو۔ وہ دوڑتا ہوا گیا اور دفن کر کے واپس آگیا۔ اب وہ آدمی ڈر رہا تھا کہ شاید حضرت اقدس ناراض ہو گئے ہیں اس لیے گھر نہ گیا اور وہیں بیٹھ گیا۔ اشراق کے بعد قدم بوسی کے لیے لوگوں نے آنا شروع کیا۔ وہ بھی ان کے ساتھ بالا خانہ پر گیا۔ جب لوگ چلے گئے تو وہ خاموش کھڑا ہو گیا اور قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو نقصان دہ ہو۔ آپ ناراض نہ ہوں۔ آپ نے فرمایا مولانا! میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں سنو! مجھے ہر رات رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے لیکن آج رات نہیں ہوئی۔ مجھے خیال آیا کہ شاید یہ اسی خمیرہ کی نحوست کی وجہ ہے اور تو میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا جو زیارت میں مانع ہو۔ اس لیے میں نے اسے دور پھینک دیا۔

ورع کے درجے و اقسام

حضرت سید عبد القادر جیلانی کا ارشاد ہے کہ اللہ کو پانے کے لیے ورع یہ ہے کہ آدمی تمام چیزوں سے پرہیز کرنے لگے۔ شریعت مطہرہ جس چیز اور جس کام کی اجازت دے اسے اختیار کرے اور جن کاموں اور جن چیزوں سے روکے اسے چھوڑ دے، زہد و ورع کے تین درجے ہوتے ہیں:۔

ورعِ عوام، ورعِ خواص، ورعِ خواص الخواص۔

عوام کا زہد یہ ہے کہ حرام و مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔

خواص کا زہد یہ ہے کہ خواہشات نفسانی کی تمام چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔

خواص الخواص ... ہے کہ بندہ ہر اس شے سے جس کا وہ قصد کر سکتا ہے پرہیز

کرتا ہے۔

ورع کی دو قسمیں ہیں، ورعِ ظاہری، ورعِ باطنی

ورع ظاہری تو یہ ہے کہ امر الٰہی کے سوا کوئی کام اور کوئی بات نہ کرے۔ باطنی ورع یہ ہے کہ قلب کے اوپر سوا پروردگار عالم کے کسی دوسرے کا خیال بھی نہ گزرے۔

جس شخص کے پیش نظر ورع کی یہ باریکیاں نہیں ہیں وہ ان مراتب عالیہ تک نہیں پہنچ سکتا، زہد، ورع کی پہلی منزل ہے، جیسے قناعت کو رضا کی منزلِ اولیٰ ہے۔ ورع کا دائرہ اثر اتنا وسیع ہے کہ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے تمام چیزوں سے متعلق ہے، چنانچہ متقیوں کا کھانا پینا بھی عام انسانوں کے کھانے پینے کے برعکس ہوتا ہے۔

حصولِ ورع

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح ہی کا قول ہے کہ ورع اس وقت کامل نہیں ہو سکتا جب تک اپنے لیے ان دس صفاتِ جلیلہ کی پابندی ضروری نہ قرار دے لی جائے۔ زبان کو قابو میں رکھنا، غیبت سے احتراز کرنا۔ اللہ کا فرمان ہے۔ وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (پ ۲۶) کوئی تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کسی بھی آدمی کو اپنے سے حقیر نہ جانے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ۔ (پ ۲۶) ایک قوم دوسری قوم کی ہنسی نہ اڑائے کہ شاید وہ اس سے بہتر ہو۔ محارم پہ نظر نہ ڈالے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ (پ ۱۸) اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔ سچائی کو اپنائے۔ اللہ کا فرمان ہے وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا (پ ۸) جب تم کوئی بات کہو تو سچ اور انصاف کی کہو۔ انعامات و احسانات الٰہی کا اعتراف کرتا ہے تاکہ نفس عجب وغرور میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ (پ ۲۶) اللہ ہی نے تمھارے اوپر یہ احسان کیا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت دی۔ ہمارے اوپر اللہ کا احسانِ عظیم

ہے کہ اس نے ہمیں دولتِ ایمان بخشی۔ مالِ و متاع راہِ خدا میں صرف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا (پ ۱۹) وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں۔ وہ اپنا مال گناہ اور معصیت میں خرچ نہیں کرتے البتہ نیک راستہ میں خرچ کرنے سے باز نہیں رہتے۔ اپنی ہی ذات کے لیے بھلائی کا خواہاں نہ رہے اور کبر و غرور سے پاک رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا (پ ۲) جنت میں انھی لوگوں کو جگہ دوں گا جو دنیا میں اپنی برتری کے خواہاں نہیں ہوتے اور فساد کرنے والے کام نہیں کرتے۔ پنجوقتہ نماز کی پابندی کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ۔ (پ۲) نمازوں کی حفاظت کرو، خاص کر نمازِ عصر کی اور کمالِ عاجزی کے ساتھ رب کی بارگاہ میں کھڑا ہوا رہے۔ سنتِ نبوی اور اجماعِ مسلمین کا احترام کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ۔ بلاشک یہ میری سیدھی راہ ہے تم اس کی پیروی کرتے رہو۔

آپ نے یہ دس صفات ورع کے کامل ہونے کے بیان فرمائے ہیں، یہی وہ اہم صفات ہیں جن پر اسلامی تصوف کی مستحکم بنیاد قائم ہے۔ جن کے حاصل ہو جانے کے بعد ایک انسان انسانِ کامل بن جاتا ہے۔ خداوند دورِ حاضر کے صوفیائے کرام کو توفیق عطا فرمائے کہ ان ہدایات پر عمل کر کے اپنے زہد و ورع کو مکمل فرما لیں۔

حضرت امام حسین رضہ کی شان

حضرت امام حسین رضہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بار حضرت ابو عبد اللہ رضہ کی مجلس میں بیٹھے تھے اس وقت حضرت ابو عبد اللہ رضہ کے پاس چاقو نما ایک تیز دھار والا چھوٹا سا آلہ تھا کہ جس سے کتابت شدہ الفاظ کو کھرچ کر درست کیا جاتا تھا۔ چونکہ میری ایک کتاب میں کوئی لفظ غلط لکھا ہوا

تھا اس لیے میری خواہش تھی کہ اس لفظ کو کھرچ کر درست کر لیا جائے۔ لہٰذا اسی خیال سے میں نے وہ تیز دھار والا آلہ ابو عبداللہ سے مانگ کر اپنی کتاب کا لفظ کھرچ لیا تھا جب حضرت امام حسین رح نے وہ چاقو نما آلہ واپس کر دیا تو حضرت ابو عبداللہ نے فرمایا کہ اے امام زماں کسی سے سوال نہ کریں کہ سوال آدمی کو حقیر بنا کر ذلت سے دوچار کر دیتا ہے اور سوال کرنے والا اپنی ہمت کی بلندی سے گر جاتا ہے۔ گویا عارف اور اہل اللہ تو اس طرح سے معمولی سوالات کو بھی گوارا نہیں کرتے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رح نے ایک روز ایک باغ میں نہر کے اندر سیب بہتے ہوئے دیکھے اور یہ سمجھ کر کہ اس کی کیا قیمت ہو سکتی ہے، اٹھایا اور کھا لیا۔ کھا لینے کے بعد آپ متفکر ہوئے اور سوچنے لگے کہ کہیں یہ سیب کھا لینا ناجائز اور حرام نہ ہو۔ خدا جانے یہ سیب کس کا تھا اور کیسا تھا جو میں نے کھا لیا۔ قیامت کے روز اگر اس کی باز پرس ہو گئی تو کیا جواب دوں گا اسی فکر میں باغ کے مالک کے گھر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک لونڈی باہر نکلی۔ حضرت ابراہیم کہنے لگے میں باغ کے مالک سے ملنا چاہتا ہوں۔ لونڈی نے بتایا کہ باغ کی مالک ایک عورت ہے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا اس سے کہہ دو کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ باغ کی مالکہ باہر نکلی اور حضرت ابراہیم سے سارا قصہ سن کر کہنے لگی کہ اس باغ کا آدھا حصہ میرا ہے اور آدھا بادشاہ کا۔ میں اپنا حق تو معاف کرتی ہوں اور بادشاہ کے حق کی میں ذمہ دار نہیں۔ بادشاہ بلخ میں تھا۔ حضرت ابراہیم آدھا حصہ بخشوا کر باقی کے آدھے حصے کو بخشوانے کے لیے بلخ پہنچے اور بادشاہ سے بھی معاف کرا کے دم لیا۔ (روایات ص ۲۰۵)

حکایت ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامی نے کسی امام کے پیچھے نماز پڑھ لی۔ اور فراغتِ نماز کے بعد جب امام نے پوچھا کہ آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ پہلے میں اپنی نماز کی قضا کر لوں پھر تجھے جواب دوں گا اور جب اس نے

کہا کہ نماز کی قضا کیوں کر رہے ہو تو فرمایا کہ جو رزق پہنچانے والے ہی سے واقف نہ ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔

حکایت

حضرت حارث محاسبی کا معمول تھا کہ جب بھی آپ کسی مشتبہ کھانے کی جانب ہاتھ بڑھاتے تو انگلیاں شل ہو جاتی تھیں جس کی وجہ سے آپ کو کھانے کے اشتباہ کا پتہ چل جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ بھوک کی حالت میں جنید بغدادیؒ کے یہاں پہنچ گئے اور وہاں اتفاق سے کسی شادی میں سے کھانا آیا ہوا تھا لہذا جب وہ کھانا حارث محاسبی کے سامنے پیش کیا گیا تو ہاتھ بڑھاتے ہی انگلیاں شل ہو گئیں۔ لیکن بطور تواضع ایک لقمہ آپ نے منہ میں رکھ ہی لیا۔ اور جب وہ حلق سے نیچے نہ اترا تو باہر جا کر اگل دیا اور وہیں سے رخصت ہو گئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت جنید سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے گزشتہ واقعہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر خدا کا یہ کرم ہے کہ جب میرے سامنے مشتبہ کھانا آتا ہے تو ہاتھ بڑھاتے ہی انگلیاں شل ہو جاتی ہیں چنانچہ اس روز بھی یہی ہوا لیکن دل شکنی ہونے کے سبب میں نے ایک لقمہ منہ میں رکھ لیا مگر وہ حلق سے نیچے نہ اتر سکا اور مجھے باہر جا کر اگل دینا پڑا۔ لہذا آپ بتائیے کہ وہ کھانا کہاں سے آیا تھا، حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ پڑوسی کے یہاں سے شادی کی تقریب میں آیا تھا۔ پھر حضرت جنیدؒ نے اصرار فرمایا کہ آج میرے ہمراہ تشریف لے چلیے۔ پھر آپ کو گھر لے جا کر جَو کی خشک روٹی آپ کے سامنے رکھ دی اور آپ نے شکم سیر ہو کر فرمایا کہ فقراء کی تواضع اسی طرح کی جاتی ہے۔

مال غیر سے پرہیز

سیال شریف کے تمام چھوٹے بڑے باشندے حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معاشی تنگی کا شکوہ کر کے دعائے خیر کے طالب ہوئے۔ آپ نے فرمایا افسوس ہے دور دور سے لوگ یہاں آ کر فائدہ حاصل کرتے ہیں اور نماز روزہ اور اوراد و اشغال میں

مصروف ہوتے ہیں لیکن تم پر ابھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ ورنہ تم بھی اگر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پنجگانہ اور عبادت میں استقامت پیدا کرتے تو خدا رحم فرماتا اور تمھارا یہ حال نہ ہوتا۔ اگرچہ خدا تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے کسی کی روزی بند نہیں کرتا لیکن شامتِ اعمال کی وجہ سے ذلت اور قلت نازل کرتا ہے۔ تمھیں چاہیے کہ خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر نماز پنجگانہ قائم کرو اور مالِ غیر سے، خواہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو پرہیز کرو۔ اور خالق و مخلوق کے حقوق ادا کرنے کے لیے کمر باندھ لو، تو پھر یقیناً ان نیکیوں کی برکت سے تمھارے دن پھر جائیں گے اور مصیبتیں ٹل جائیں گی۔

......٭......

اللہ کی معرفت

اللہ کا قُرب اور معرفت حاصل کرنے کے لیے جن مشکل اور کٹھن مراحل کو عبور کرنا لازم ہے، ان کی باضابطہ تفصیل

عالم فقری

باب ۱۱

رجاء

اللہ تعالیٰ سے امید وابستہ رکھنے کو رجاء کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ سے دوستی کا تقاضا ہے کہ ہر طرح کی امید اسی سے لگائی جائے اور ہر قسم کی غرض سے بالاتر ہو کر اسی کی عبادت کی جائے کیونکہ وہ عبادت جو صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی امید پر کی جاتی ہے، اس عبادت سے بدرجہا افضل ہے جو عذاب سے خوفزدہ ہو کر کی جائے کیونکہ جب انسانی امید کا مرکز صرف پروردگارِ عالم کی ذات ہو جاتی ہے تو پھر انسان حقیقت میں اس کا بندہ بنتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے رجاء یعنی اللہ پر امید رکھنا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دوستی کی راہ میں بیشمار مشکل مقامات ہیں جن کو عبور کیے بغیر معرفت کے حجابات نہیں اٹھتے اور یہ حجابات رجاء یعنی امید اور سچی طلب سے اٹھتے ہیں اور حجابات اٹھنے کے بعد جمالِ الٰہی ہوتا ہے جو روحانیت کا اصل مقصد ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رجاء بھی معرفت حاصل کرنے کے مددگاروں میں سے ایک مددگار ہے جسے اختیار کرنے سے اللہ سے دوستی لگانے میں آسانی پیدا ہوتی ہے اور سلوک کے بعض مقامات اسی کی بدولت حاصل ہوتے ہیں۔ اس بناء پر حصولِ معرفت میں رجاء کو زبردست فضیلت حاصل ہے۔

فرمانِ الٰہی

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ   جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ بذاتِ خود اپنے

إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝

رب کے ہاں وسیلہ ڈھونڈتے ہیں ان میں کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کی امید یعنی رجاء رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تمھارے رب کا عذاب ڈر پیدا کرنے والا ہے۔ (پ ۱۵، بنی اسرائیل ۵۷)

اللہ کے مقرب بندوں کی خوبی بیان ہوئی ہے کہ وہ اللہ سے پُر امید رہتے ہیں، اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں مصائب کی صورت میں اللہ کے بندوں کو صرف اللہ کی رحمت پر امید ہوتی ہے اور یہی امید انھیں ہر خطرے سے اللہ کی مدد سے ہمکنار کرتی ہے اور قربِ الٰہی پیدا کرنے کے اسباب مہیا کرتی ہے۔ اسی وصف کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور انداز میں یوں بیان فرمایا ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں۔ اپنے رب کو ڈر سے اور امید سے پکارتے ہیں۔ اور ہمارے دیے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے یہ ان کے اعمال کی جزا ہے۔

(پ ۲۱، سجدہ ۱۶ تا ۱۷)

اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ میرے دوست وہی ہیں جو صرف میری عبادت میں ہر وقت لگے رہتے ہیں حتیٰ کہ نیند کی بھی پروا نہیں کرتے اور اپنے اللہ کو خوف اور امید کی بنا پر یاد کرتے ہیں یعنی اپنی امیدوں کا محور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو ٹھہراتے ہیں۔ ان کے اس فعل کا اجر اللہ تعالیٰ کے

ہاں سکون قلبی ہے اور یہ بہت بڑا عوضانہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے:

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝	اے بیٹو جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت نا امید نہ ہو۔ کیونکہ اللہ کی رحمت سے نا امید صرف کافر لوگ ہوتے ہیں۔ (پ ۱۳، یوسف ۸۷)

بعض حالات میں بعض کاموں کا ہونا ناممکن نظر آنے لگتا ہے مگر اللہ سے دوستی کا تقاضا ہے کہ اس کام کے ہونے کی بھی اللہ تعالیٰ سے امید رکھی جائے کیونکہ ہر کام کے ہونے کا سبب اسی کی رحمت سے ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعہ سے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام سے جدائی ہو گئی اور ان کی ملاقات بظاہر ناممکن نظر آنے لگی تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ اللہ کی رحمت سے نا امیدی کا اظہار مت کرو بلکہ اس کی رحمت کی امید کے بھروسے پر جاؤ اور یوسف علیہ السلام کو تلاش کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ہر لحاظ سے پُر امید ہے کہ اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام سے ضرور ملا دے گا۔ پس معلوم ہوا کہ ہر کام کی امید پر رکھنی چاہیے۔ اسی امید کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر یوں بیان کیا ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝	تو ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور ان کو یحییٰ عطا کیا اور ان کی بیوی کو اولاد کے قابل کر دیا بیشک وہ نیکیاں کرنے میں جلدی کرتے اور اللہ کو امید اور خوف سے پکارتے اور وہ خشیت والے تھے۔ (پ ۱۷، انبیاء ۹۰)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ذکریا علیہ السلام کی اولاد ہونے کے لیے دعا قبول کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو امید اور خوف سے پکارتے تھے، یعنی ایسا ذکر جو خوفِ الٰہی کے باعث کرتے تھے اور ایسی امید جو صرف اللہ تعالیٰ سے وابستہ کیے ہوئے تھے اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمت سے نوازا اور انھیں اولاد کی خوشخبری دی۔

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ۝

اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت سے نوازتے ہیں تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور اگر انھیں ان کے اعمال کے سبب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے ہاتھوں سے کیے پر ناامید ہو جاتے ہیں۔ (پ ۲۱، روم ۳۶)

اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی دوست کو اپنی رحمت سے نوازتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا اور آئندہ بھی ہر طرح کی امید اسی سے وابستہ رکھتا ہے اور اگر کوئی تکلیف آجائے تو صبر کرتا ہے اور اللہ پر بھروسہ کرتا ہے کہ وہ دور کر دے گا۔ مگر جو لوگ اللہ کے دوست نہیں ہوتے ان کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ جب انھیں اللہ کی رحمت سے فائدہ ہوتا ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں اور جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو مایوس ہو جاتے ہیں۔ الغرض اللہ سے دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ کسی حال میں بھی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

اے محبوب! فرما دیجیے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جان پر زیادتیاں کی ہیں وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ بیشک اللہ تمام گناہ بخش دیتا ہے۔ بیشک وہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (پ ۲۴، زمر ۵۳)

اللہ کی ذات سے مغفرت کے لیے پُرامید رہنا چاہیے۔ گناہ سرزد ہو جانے کی صورت

میں نا امید ہونا اچھا نہیں کیونکہ اللہ اپنے بندوں پر رحیم و کریم ہے اس لیے سخت گناہگار کے گناہ بھی بخش دیتا ہے کیونکہ اللہ کی رحمت کے سامنے انسانی گناہوں کی کوئی حقیقت نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ سے ہر وقت پُرامید رہنا ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۝ ۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میں اللہ کی رحمت سے کیوں نا امید ہوں: نا امید ہونا تو گمراہوں کا کام ہے۔ (پ ۱۴، حجر ۵۶)

نا امیدی، رجا یعنی امید کی ضد ہے اور نا امید ہونا گمراہی ہے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کی رحمت سے کسی صورت میں مایوس نہیں ہوتا بلکہ قدم قدم پر اللہ کی رحمت کا امیدوار رہوں۔

فضیلتِ رجاء

اللہ تعالیٰ سے پُرامید رہنے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشاداتِ مبارکہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

اللہ سے پُرامید رہو

حضرت ابوبکر، اعمش، سلام ابوشرحبیل اور سواد رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کوئی کام فرما رہے تھے ہم نے بھی اس میں آپ کی مدد کی تو آپؐ نے فرمایا تم دونوں تاحیات رزق سے نا امید نہ ہو جانا کیونکہ بچہ کو ماں جب جنتی ہے تو وہ سُرخ رنگ کا ہوتا ہے اور اس پر صحیح طور پر کھال بھی نہیں ہوتی پھر بھی اللہ تعالیٰ اسے رزق دیتا ہے۔ (ابن ماجہ)

اللہ کی رحمت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس روز اللہ تعالیٰ نے رحمت کو پیدا فرمایا تو اس کے سو حصے کیے اور ننانوے حصے اپنے پاس رکھ کر ایک حصہ اپنی ساری مخلوق کے لیے بھیج دیا پس اگر کافر بھی یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کتنی رحمت ہے تو وہ بھی جنت سے مایوس نہ ہو اور اگر مومن یہ جان جائے کہ اس کے پاس کتنا عذاب ہے تو جہنم سے وہ بھی بے خوف نہ رہے۔

ثواب کے امیدوار رہو

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا جبکہ آپ کی ایک صاحبزادی کا بھیجا ہوا آدمی حاضر بارگاہ ہوا۔ اس وقت آپ کے پاس حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل بھی رضی اللہ عنہ تھے۔ صاحبزادی کا صاحبزادہ دم بلب تھا آپ نے ان کے لیے کہلا بھیجا کہ اللہ کا ہے جو وہ لے اور اللہ کا ہے جو وہ عطا فرمائے۔ ہر ایک کا وقت مقرر ہے لہذا صبر کرنا اور ثواب کا امیدوار رہنا چاہیئے (بخاری)

امید اور خوف

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے دریافت کیا کہ تم دن میں کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟ میرے والد نے کہا سات کی، جن میں سے چھ زمین پر ہیں اور ایک آسمان پر۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا تم امید اور خوف میں کس سے رجوع ہوتے ہو؟ میرے والد نے کہا آسمان والے سے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا اے حصین! اگر تم اسلام قبول کرو تو میں تمھیں ایسی دو باتیں بتاؤں جو تمھارے لیے منفعت بخش ہوں گی۔ میرے والد نے جب اسلام قبول کیا تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب مجھے وہ باتیں بتا دیں جن کا آپ نے وعدہ فرمایا تھا۔ تو آپ نے فرمایا یہ دعا کرو خداوندا میرے دل میں ہدایت ڈال دے اور مجھے میرے نفس کے شر سے محفوظ رکھ۔ (ترمذی)

اللہ سے نجات کی اُمید

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بندہ مومن کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا علم ہو جائے تو وہ جنت کے سوا کسی چیز کی تمنا نہ کرے لیکن اگر کافر کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا علم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی جنت سے کوئی ناامید نہ ہو۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ سے نیک ظن رکھو

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کے لیے لازم ہے کہ موت کے وقت حق تعالیٰ سے نیک ظن ہو کر اس دنیا سے رخصت ہو (مسلم شریف)

حضرت واثلہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں وہیں ہوں جہاں میرا بندہ مجھے سمجھے۔ پس میرے بندوں سے کہہ دیجیئے کہ وہ جو گمان چاہیں میرے ساتھ رکھیں۔ (اور یہ اشارہ اتقی کی طرف ہے جو تمام محبت پہ فائز ہوتے ہیں۔ (ابن حبان)

قیامت کے روز اللہ کا ایک بندے سے سوال

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندے سے سوال کرے گا کہ لوگ تیرے سامنے گناہ کرتے رہے اور تو دیکھتا رہا۔ آخر تو نے محاسبہ کیوں نہ کیا؟ اور پھر اس بندے کو توفیق عطا فرمائی تو وہ جواب دے گا کہ "بار خدایا! میں خلق سے ڈرا اور تیری رحمت کا امیدوار رہا۔" اور اس پر حق تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ (کیمیائے سعادت)

حالت نزع میں اللہ کی رحمت کی اُمید

حضورؐ نے ایک شخص سے اس کی نزع کے وقت پوچھا کہ تو اپنے آپ کو اس وقت کیسے پاتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے میرے گناہ ڈراتے ہیں لیکن اس کی

رحمت کا امیدوار ہوں (اور یہ چیز میری ڈھارس بندھا رہی ہے) فرمایا ایسے وقت میں یہ باتیں اسی شخص کے دل میں یکجا ہو سکتی ہیں جسے حق تعالیٰ نے امان بخشی ہو کہ جس شے سے وہ ڈرتا ہے نہ ڈرے اور جس چیز کا امیدوار ہے وہ اسے پوری ہوتے ہوئے دکھائی دے۔

اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ فضل و کرم کی امید رکھو

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر تمھیں معلوم ہو جائے تو تم رویا بہت کرو اور ہنسی تمھیں بہت کم آیا کرے بلکہ عین ممکن ہے کہ تم جنگلوں میں نکل جاؤ اور سینہ پیٹ پیٹ کر گریہ وزاری کیا کرو۔ عین اسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیوں میرے بندوں کو میری رحمت سے ناامید کرتے ہو؟ حضورؐ اسی وقت باہر تشریف لائے اور حق تعالیٰ کے فضل و کرم کی لوگوں کو خوب خوب امیدیں دلائیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اپنے دل میں بھی میری محبت پیدا کرو اور لوگوں کے دلوں میں بھی میری دوستی کی آرزو پیدا کر دو۔ داؤد نے عرض کیا بار خدایا۔ لوگوں کے دلوں میں تیری محبت کا جذبہ کیونکر بیدار کروں؟ فرمایا کہ ہمارے فضل و کرم کی یاد ان کے دلوں میں تازہ کرو (یعنی رحمت کی امید بندھاؤ) کہ انھوں نے مجھ سے فضل و کرم کے سوا دیکھا ہی کیا ہے۔

دوسروں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ کرو

حدیث شریف میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص لوگوں کو رحمتِ خداوندی سے مایوس و ناامید کرنے میں مشغول رہا کرتا تھا۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ اس سے کہے گا کہ لے آج تجھے ہم اپنی رحمت سے ناامید کرتے ہیں جیسے کہ تو ہمارے بندوں کو کیا کرتا تھا۔

امید وسیلۂ نجات ہے

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص کو ہزار برس تک دوزخ میں رکھا جائے گا۔ پھر اس کے "یا حنّان یا منّان" پکارنے پر حق تعالیٰ حضرت جبریلؑ سے کہیگا کہ اسے باہر نکال لاؤ جب اسے نکال کر حضورِ حق میں پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال کیا جائے گا کہ اے بندے! تونے دوزخ کو کیسا پایا؟ وہ عرض کریگا کہ اس سے بدتر کوئی جگہ ہو ہی نہیں سکتی۔ حق تعالیٰ حکم دے گا کہ اسے پھر دیں (دوزخ میں) لے جاؤ اور جب اسے لے جا رہے ہونگے تو وہ مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتا جائے گا۔ حق تعالیٰ کہے گا کہ اے بندے! یہ دیکھنا کس غرض سے ہے؟ وہ عرض کریگا۔ بارِ خدایا! میرا گمان یہ تھا کہ مجھے دوزخ سے باہر جو نکالا گیا ہے تو پھر واپس اس میں نہ ڈالا جائے گا۔ اس پر حق تعالیٰ حکم دے گا کہ اسے بہشت میں لے جاؤ اور اس طرح امید اس کی نجات کا وسیلہ بن جائیگی۔

دخولِ جنّت کی امید اللہ سے رکھو

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ — اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے بلیشک قیامت کا
اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ — زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ (پ ۱۷، ع ۱)

پھر آپؐ نے فرمایا جانتے ہو یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے کہیں گے اٹھو اور انسانوں میں سے جنّت اور جہنم کا حصہ علیحدہ کر دو۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے باری تعالیٰ! جہنم کا حصہ کتنا ہے اور جنت کا حصہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم میں اور ایک جنت میں۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ رونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں امید

رکھتا ہوں کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی ہوگی۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ہر نبی کی بعثت سے پہلے جاہلیت کا زمانہ گزرا ہے یہ تعداد زمانۂ جاہلیت کے لوگوں سے پوری کی جائے گی۔ پھر بھی اگر پوری نہ ہوگی تو منافقین سے پوری کی جائے گی اور تمھاری مثال پہلی امتوں کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے اونٹ کے پہلو میں کالا تل ہو۔ پھر فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم اہل جنت کا دو تہائی ہوگے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پھر خوشی کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دو قسم کی مخلوق ایسی ہے جس طرف وہ ہوگی وہی تعداد میں زیادہ ہوگی۔ ایک یاجوج ماجوج۔ دوسرے جنوں اور انسانوں میں سے کفار و مشرکین۔ یعنی جہنم کی تعداد انھی سے پوری کی جائیگی۔

اللہ کے دیدار کے امیدوار

ایک حدیث میں ہے کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو فرشتے ان کے سامنے طرح طرح کی نعمتیں پیش کریں گے، ان کے لیے فرش بچھائیں گے۔ منبر رکھے جائیں گے اور انھیں مختلف قسم کے کھانے اور پھل پیش کیے جائیں گے۔ اس وقت جنتی حیران بیٹھے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندو! حیران کیوں ہو؟ یہ بہشت حیرت کی جگہ نہیں ہے۔ اس وقت مومن عرض کریں گے بار الٰہا تو نے ایک وعدہ کیا تھا جس کا وقت آپہنچا ہے، تب فرشتوں کو حکم الٰہی ہوگا کہ ان کے چہروں سے پردے اٹھالو! فرشتے عرض کریں گے یہ تیرا دیدار کیسے کریں گے حالانکہ یہ گنہگار تھے؛ اس وقت فرمانِ الٰہی ہوگا کہ تم حجاب اٹھادو۔ یہ ذکر کرنے والے، سجدہ کرنے والے اور میرے خوف سے رونے والے تھے اور میرے دیدار کے امیدوار تھے۔ اس وقت پردے اٹھادیے جائیں گے اور جنتی اللہ کا دیدار ہوتے ہی سجدہ میں گر جائیں گے۔ فرمانِ الٰہی ہوگا سر اٹھالو۔ یہ جنت دارِ عمل نہیں، دارِ جزا ہے اور وہ اپنے رب کو بے کیف دیکھیں گے۔ رب تعالیٰ فرمائے گا:۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ عِبَادِيْ فَقَدْ رَضِيْتُ عَنْكُمْ فَهَلْ رَضِيْتُمْ عَنِّيْ۔ میرے بندو! تم پر سلامتی ہو، میں تم سے راضی ہوں کیا تم مجھ سے راضی ہو۔

جنتی عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم کیسے راضی نہیں ہوں گے حالانکہ تو نے ہمیں وہ نعمتیں دیں جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی دل میں ان کا تصور گزرا اور یہی اس فرمانِ الٰہی کا مقصود ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

ایمان کا صلہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس بندے کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے اس کو دوزخ سے نکال دو۔ پھر ارشاد فرمائے گا مجھے اپنے جلال وعزت کی قسم کہ میں اس شخص کو جو مجھ پر دن یا رات کی کسی ایک ساعت میں بھی ایمان لائے اس کو میں اس شخص کے برابر قرار نہیں دوں گا جو مجھ پر ایمان (بالکل) نہیں لایا۔

اللہ کا درگزر فرمانا

ایک دہقانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مخلوق کا حساب کون لے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ۔ اس اعرابی نے کہا کیا وہ بذاتِ خود حساب لے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! وہ بذاتِ خود حساب لے گا۔ یہ سن کر وہ ہنسا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ہنسی کا باعث دریافت فرمایا۔ دہقانی نے کہا کہ میرے ہنسنے کا باعث یہ ہے کہ جب صاحبِ کرم کو اختیار حاصل ہوتا ہے تو معاف کر دیتا ہے اور جب وہ حساب لیتا ہے تو حساب میں درگزر فرماتا ہے۔

علامتِ رجاء

حضرت ابن ابی حاتم نے کہا کہ علی بن شہر زان فرماتے تھے کسی نے احمد بن عاصم انطاکی سے سوال کیا کہ بندے میں رجاء کے

پلائے جانے کی کیا علامت ہے؟ فرمایا جب بندے کو اللہ تعالیٰ کے احسان نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں شکر کرنے کا خیال ڈال دے جس کی وجہ سے وہ دنیا میں یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو اس پر تمام کر دے گا اور آخرت میں اسے پورے طور پر معاف۔

اللہ کے کرم پر امید

حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں (خدایا) قریب ہے کہ گناہوں کے ہوتے ہوئے تمہارے کرم پر میری امید اس پر غالب آجائے۔ جو اعمال کے ہوتے ہوئے کی جاتی ہے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں اعمال میں اخلاص پر بھروسہ کرتا ہوں مگر میں اعمال کو آفات سے کیسے بچا سکتا ہوں جبکہ میں ان آفات کی وجہ سے مشہور ہوں۔ گناہوں کے ہوتے ہوئے میرا اعتماد تمہاری عفو پر ہوتا ہے، لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو سخی مشہور ہوتے ہوئے گناہوں کو معاف نہ کرے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام پر وحی

حق تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ جانتے بھی ہو میں نے یوسفؑ کو تجھ سے جدا کیوں کر دیا؟ (اور پھر فرمایا) اس لیے جدا کیا کہ تم نے اپنے دوسرے بیٹوں سے کہا تھا کہ میں یہ اندیشہ کرتا ہوں کہ اس کو کوئی بھیڑیا کھا جائے اور (تم اپنے مشاغل میں اس سے بے خبر رہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم بھیڑیے سے تو ڈرتے تھے لیکن مجھ سے امید نہ رکھتے تھے اور اسی طرح اس کے بھائیوں کی غفلت تو تمہیں یاد رہی لیکن یہ یاد نہ رہا کہ میں حفاظت کرنے والا ہوں۔

اللہ سے ہمیشہ پر امید رہو

لوگوں نے حضرت یحییٰ بن اکثم کو خواب میں دیکھا، تو پوچھا کہ حق تعالیٰ کا سلوک آپ سے کیسا رہا؟ آپ نے جواب دیا کہ پہلے تو مجھ سے مختلف قسم کے سوال کیے جاتے رہے کہ تو نے یہ کیا کیا اور وہ

کیوں کیا؟ حتیٰ کہ میں سخت خائف اور ہراساں ہو گیا۔ تب میں نے عرض کیا کہ بارِ خدایا! مجھے تیرے بارے میں یہ خبر دی گئی تھی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کیسی خبر تھی اور تجھے کہاں سے ملی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ "میں نے عبدالرزاق سے، عبدالرزاق نے معمر سے، معمر نے زہری سے، زہری نے انس رضؓ سے۔ انسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضورؐ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اور جبرائیل نے تجھ سے سنا تھا کہ حق تعالیٰ بندہ سے وہی سلوک کرتا ہے جس کا بندے کو گمان ہوتا ہے اور جس کا وہ امیدوار ہوتا ہے اور میں امیدوار ہوں کہ تو مجھ پر رحمت کرے گا۔" حق تعالیٰ نے فرمایا "ہاں بالکل سچ کہا جبرائیلؑ نے اور بالکل سچ کہا میرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اور انسؓ اور زہریؒ اور معمر اور عبدالرزاق نے۔ اور لے میں تجھ پر رحمت کرتا ہوں"، تب مجھے خلعت عطا ہوا اور اب جنت کے غلمان خادموں کی طرح میرے آگے پیچھے چلتے پھرتے ہیں اور دُلدُل میری خدمت کو موجود ہیں اور مجھے وہ مسرت حاصل ہے جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

رجاء اور خوف کی کیفیت

مطرف بن عبداللہ رحؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے فرمایا کہ اگر پکارنے والا یہ پکارے کہ جنت میں صرف ایک ہی شخص داخل ہوگا تو مجھے یہ امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا۔ اور اگر کوئی یہ صدا بلند کرے کہ دوزخ میں ایک ہی شخص جائے گا تو مجھے خوف ہوتا ہے کہ کہیں وہ شخص میں نہ ہوں۔ مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ یہی رجاء اور خوف کی سب سے بڑی کیفیت ہے جو ابو بکر صدیق رضؓ کو حاصل تھی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کا ارشاد

آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تم اہل جنت والی آیات تلاوت کرو تو کہو: اے اللہ! مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں میرا شمار ایسے لوگوں میں نہ ہو۔ اسی طرح جس جگہ اہلِ دوزخ کا ذکر ہے وہاں ان کے اعمال کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے مگر ان لوگوں کی اچھی باتوں کا ذکر نہیں ہے

جب تم ان آیتوں پر پہنچو تو کہو کہ اے اللہ! میں امید کرتا ہوں کہ مجھے ان لوگوں میں شمار نہ کیا جائے گا۔

اے اللہ! میری امیدیں تجھ سے ہیں

ایک مرتبہ حضرت علیؓ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ سجدے میں پڑا ہوا ایک بدو نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ رو رو کر اپنے اللہ سے یہ دعا مانگ رہا تھا کہ "اے میرے مولا! میں تجھی کو حاصل کرنے کا متمنی ہوں، اے اللہ! تو مجھے اپنے تک پہنچنے کی راہ دکھا دے۔ میں دونوں جہانوں کو پس پشت ڈال کر صرف اور صرف تیری ہی طرف آتا ہوں۔ اے مولا! تو مجھے اپنی راہ میں قبول فرمالے۔ مجھے اپنی راہ میں کامیابی سے ہمکنار فرما۔ میری امیدوں کو برلا۔ میری امیدیں بھی تجھی سے ہیں"

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بدو کی یہ التجا اور دعا سن کر زار و زار رونے لگے اور بے تحاشا روتے رہے اور فرمانے لگے کہ واقعی لوگوں کی ہمتیں بہت عالی اور بلند ہوتی ہیں۔ بعض لوگ صرف نفس پرست ہو کر نفس ہی کے لیے طلب کرتے رہتے ہیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو صرف اور صرف اللہ کی طلب میں ہوتے ہیں اور وہ اپنے اللہ کو پا لیتے ہیں۔

حضرت علیؓ کا ارشاد

حضرت علیؓ سے پچاس کے قریب مشائخ یہ بات نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اے لوگو! مجھ سے پانچ باتیں خوب یاد کر لو، دو جوڑے ہیں ایک الگ ہے۔

۱۔ اپنے گناہ کے سوا کسی سے خوف مت رکھو۔

۲۔ اپنے رب کے سوا کسی سے کوئی امید مت رکھو

۳۔ کوئی شخص جب نہیں جانتا تو اسے سیکھنے سے حیا نہیں کرنی چاہیئے۔

۴۔ جب تم میں سے کسی ایک سے پوچھا جائے اور وہ نہ جانتا ہو تو یہ کہنے میں کہ میں

نہیں جانتا، حیا نہیں کرنی چاہیئے۔

۵۔ اور جان رکھو کہ صبر کا تمام امور میں وہی درجہ ہے جو بدن میں سر کا ہے۔ جب سر بدن سے جدا ہو جاتا ہے تو جسم بیکار ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی جب صبر جاتا ہے، تو سب امور مکر ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمانے لگے تمھیں کامل درجہ کا فقیہہ بتاؤں، عرض کیا گیا بتلائیے اے امیر المومنین ارشاد فرمایا جو شخص لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں کرتا اس کی بخشش سے ناامید نہیں کرتا، جو لوگوں کو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں کرتا، جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معصیت اچھی بنا کے نہیں دکھاتا، جو موحد اور عارف لوگوں کو جنت کے وارث اور گنہگاروں کو قطعی دوزخی نہیں بتاتا حتیٰ کہ خود اللہ تعالیٰ ان میں فیصلہ نہ فرما دیں۔ اس امت کے بہترین لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کبھی بے خوف نہیں ہوتے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:۔

فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ — سو خدا کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔

اور اس امت کے برے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکَافِرُوْنَ ۝ — بیشک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

اقوالِ رجاء

حضرت شاہ کرمانیؒ فرماتے ہیں۔ رجاء کی علامت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اچھی طرح عبادت کرے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ کی دعا

حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں خدایا! تمھاری امید (رجاء) میرے دل میں شیریں ترین عطیہ ہے اور میری زبان پر شیریں ترین کلام تمھاری تعریف ہے اور سب سے محبوب گھڑی میرے لیے وہ گھڑی ہوگی جس میں میں تمھیں دیکھ لوں گا۔

اقسامِ رجاء

ابن خبیق فرماتے ہیں کہ رجاء تین طرح کی ہوتی ہے:-

۱۔ ایک شخص نیک کام کرتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ وہ کام مقبول ہوگا۔

۲۔ ایک شخص برائی کرنے کے بعد توبہ کرتا ہے اور اسے مغفرت کی امید ہوتی ہے۔

۳۔ ایک جھوٹا انسان گناہ کرتا چلا جاتا ہے مگر کہتا ہے کہ مجھے مغفرت کی امید ہے۔

جس شخص کو معلوم ہو کہ اس نے بُرے اعمال کیے ہیں اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ اس کا خوف اس کی امید پر غالب ہو۔

اللہ پر خوش ہونا رجاء ہے

حضرت ابو عبداللہ بن حنیف فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی پر خوشی کا اظہار کرنا رجاء ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ، جس سے امید رکھی جاتی ہے، کی بخشش کو دیکھ کر دلوں کے خوش ہونے کو رجاء کہتے ہیں۔

خوف اور رجاء

حضرت ابو عثمان مغربی کا قول ہے کہ جس نے اپنے نفس کو صرف رجاء پر رکھا اس نے عمل چھوڑ دیا اور جس نے صرف خوف پر رکھا وہ مایوس ہو گیا۔ انسان کو کچھ رجاء اور کچھ خوف کے ساتھ ہونا چاہیے۔

رجاء کی مثال

حضرت منصور بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو علی رود باری کو فرماتے سنا کہ خوف و رجاء کی مثال پرندے کے دو پروں کی سی ہے۔ اگر دونوں یکساں ہوں تو پرندہ بھی یکساں رہتا ہے اور اس کی اڑان بھی مکمل ہوتی ہے اور جب ایک میں کمی آجائے تو اڑان میں نقص پیدا ہو جاتا ہے اور اگر دونوں جاتے رہیں

تو پرندے کی حالت نیم مردہ کی سی ہو جاتی ہے۔

نیکی کی امید رجاء ہے

حضرت امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص مستقبل کے لیے بھلائی اور نیکی کا امیدوار ہو تو اس کی یہی امید رجاء کہلاتی ہے لیکن عین ممکن ہے کہ اس کی صورت یہ ہو کر اسے (رجاء کے بجائے تمنا کہنا زیادہ مناسب ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ (تمنا بھی کہلانے کی مستحق نہ ہو بلکہ) اسے غرور اور حماقت کہنا زیادہ موزوں ہو اور احمق لوگ ان میں فرق نہیں کر پاتے اور ہر صورت کو رجاء (امید) ہی قرار دیتے رہتے ہیں۔

رجاء کی تعریفیں

بعض کہتے ہیں کہ سخی (یعنی اللہ) سے سخاوت کی امید کا نام رجاء ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جلال کو جمال کی آنکھوں سے دیکھنے کا نام رجاء ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ دل کے اللہ کی مہربانی کے قریب ہونے کو رجاء کہتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ رجاء یہ ہے کہ دل اچھے انجام پر خوش ہو۔

بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کی طرف نگاہ رکھنے کا نام رجاء ہے۔

خوف اور رجاء

حضرت واسطیؒ فرماتے ہیں کہ خوف و رجاء نفسوں کے لیے دو لگاموں کا کام دیتے ہیں تاکہ نفوس رعونت اور تکبر کو اختیار نہ کریں۔

خوف، رجاء سے بلند ہے

حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ دل کے لیے مناسب یہی ہے کہ خوف کے سوا کوئی اور چیز اس پر غالب نہ ہو کیونکہ جب دل پر رجاء (امید) کا غلبہ ہو گا تو دل خراب ہو جائے گا اس کے بعد (اپنے ایک شاگرد احمد کی طرف متوجہ ہو کر) کہنے لگے کہ صوفیاء کو خوف ہی کی بدولت بلند مرتبے ملے ہیں اگر اسے کھو دیتے تو نیچے اتر آتے۔

عدم رجاء کا نقصان

حضرت حسین بن منصورؒ فرماتے ہیں کہ دل کے لیے مناسب یہی ہے کہ خوف کے سوا کوئی اور چیز اس پر غالب نہ ہو اور جو شخص اللہ کے سوا کسی اور چیز سے ڈرتا ہے یا اللہ کے سوا کسی اور سے امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر ہر چیز کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور اس پر خوف کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور اسے ستر پردوں کے پیچھے چھپا دیتا ہے جن میں آسان ترین پردہ شک ہے جس چیز سے انھیں سخت خوف لاحق ہوتا ہے وہ ان کا انجام میں فکر کرنا ہے اور اپنے احوال کے تغیر کا خوف ہے۔

مرجی اور ناصبی

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے پوچھا کہ مرجی اور ناصبی کون ہوتے ہیں؛ فرمایا رافضی کو ناصبی کہتے ہیں اور مرجی وہ گروہ ہے جو رجاء کا قائل ہے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ مرجی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک مرجی خالص اور دوسرے مرجی غیر خالص۔مرجی خالص وہ ہے جو صرف خداوند تعالیٰ کی رحمت کی بات کرتا ہے اور مرجی غیر خالص وہ ہے جو خداوند تعالیٰ کی رحمت اور عذاب دونوں کی بات کرتا ہے اور صحیح مذہب یہی ہے۔

حکایت

حضرت بایزید بسطامیؒ سے ایک حکایت منسوب ہے کہ انھوں نے ایک بار کسی سے یہ آیت قرآنی سنی کہ تم میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو کہ اپنے ارادوں میں فقط دنیا کو ہی رکھتے ہیں اور پھر اس طرح کے لوگ بھی ہیں جو کہ صرف آخرت اور عقبیٰ کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ کو سن کر حضرت بایزید بسطامی رونے لگے اور پھر فرمایا کہ اللہ پروردگار کی جانب سے اپنے بندوں کے لیے یہ ایک گلہ ہے ایک شکوہ اور شکایت ہے کہ اے لوگو! تم نے صرف دنیا اور عقبیٰ ہی کو طلب کر کے قناعت کر لی اگر تم اپنے آپ کو اللہ سے وابستہ کر کے اللہ ہی کے سپرد کر دیتے تو اللہ تمھیں بے حساب عطا فرماتا۔ اللہ

بندے کے قریب تر ہو جاتا ہے۔ اللہ تمھاری بصارت، تمھاری سماعت اور تمھارے اعمال و افعال کی حرکات و سکنات بن جاتا ہے۔ تمھارے لیے اللہ سب کچھ ہو کر کافی ہو جاتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کا طرزِ عمل

آپ نماز کی نیت کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے کہ تیری بارگاہ میں حاضری کے لیے کونسے پاؤں لاؤں اور کونسی آنکھوں سے قبلہ کی جانب نظر کروں اور کونسی زبان سے تیرا بھید بتاؤں اور تعریف کے وہ کونسے الفاظ ہیں جن سے تیرا نام لوں لہٰذا مجبوراً حیا کو ترک کر کے تیرے حضور حاضر ہو رہا ہوں اس کے بعد نیت باندھ لیتے اور اکثر خدا تعالیٰ سے یہ عرض کرتے کہ مجھے آج جن مصائب کا سامنا ہے وہ تو تیرے سامنے عرض کرتا رہتا ہوں لیکن محشر میں اپنی بداعمالیوں سے جو اذیت پہنچے گی اس کا اظہار کس سے کرونگا لہٰذا مجھے عذاب کی ندامت سے چھٹکارا عطا کر دے۔

حضرت یحییٰ بن معاذؒ کا نظریہ

حضرت یحییٰ بن معاذ کے بعض نظریاتی مخالفین نے یہ دلیل پیش کی کہ جو شخص خدا سے ڈرتا ہے وہ امید کیونکر رکھ سکتا ہے مگر آپ نے پوری زندگی اس پر کاربند رہ کر ثابت کر دیا کہ یہ کوئی اتنا مشکل اور کٹھن کام نہیں ہے آپ کے خوف کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ جب آپ کے گھر کا چراغ بجھ گیا تو آپ محض اس خیال سے روتے رہے کہ کہیں توحیدِ خدا کی شمع بھی غفلت کے جھونکوں سے نہ بجھ جائے۔

حضرت سلیمان تونسویؒ کا قول

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک سالک کو ہمیشہ رحمت پروردگار کا امیدوار رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ ذاتِ رحمان ہے اور اسی نے خود فرمایا ہے کہ میری رحمت غضب پر سبقت لے گئی ہے اس لیے بندوں کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی ناامید اور مایوس

دہوں کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے۔

حکایت حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ میں نے ایک پہاڑ پر بہت سے بیماروں کا اجتماع دیکھا اور جب وجہ دریافت کی تو انھوں نے بتایا کہ یہاں پر ہر عبادت کرنے والا سال میں ایک مرتبہ اپنی عبادت گاہ سے باہر نکل کر بیماروں کو کچھ دم کرتا ہے جس کے بعد سب لوگ صحتیاب ہو جاتے ہیں چنانچہ میں نے بھی کچھ مدت تک ان بزرگ کا انتظار کیا اور جب وہ برآمد ہوئے تو ان کی آنکھوں کے گرد حلقے گہرے ہو گئے تھے اور وہ بہت نحیف سے دکھائی دیتے تھے پھر آسمان کی جانب نگاہ اٹھا کر تمام بیماروں پر کچھ دم کیا اور وہ سب صحتیاب ہو گئے اور جب وہ عبادت گاہ میں قدم رکھنے لگے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر عرض کیا کہ ظاہری امراض والوں کو تو شفا ہو گئی لیکن میرا باطنی مرض بھی رفع فرما دیجیے۔

میری یہ بات سن کر ان بزرگ نے فرمایا کہ اے ذوالنون! میرا ہاتھ چھوڑ دے کیونکہ اللہ تعالیٰ نگرانی فرما رہے ہیں کہ تو نے اس کا دستِ کرم چھوڑ کر دوسرے کا ہاتھ تھامنے کی خواہش کی ہے۔ یہ کہہ کر ان بزرگ نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور اپنی عبادت گاہ میں داخل ہو گئے تب مجھے احساس ہوا کہ مشکل اور مصیبت میں صرف اس ذات باری کی طرف دیکھنا چاہیے جو کل کائنات کا پالنے والا ہے۔

نصیحت لقمان ایمان موجبِ خوف ہے اس سلسلہ میں جناب لقمانؑ کا واقعہ ہے کہ انھوں نے اپنے فرزند سے کہا کہ اے بیٹے! اللہ کا خوف اس طرح کرو کہ اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جاؤ اور اس کے خوف سے زیادہ اس سے امید رکھو۔ فرزندِ لقمان نے کہا کہ مجھ سے یہ کام کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ میرے سینے میں ایک دل ہے۔ لقمانؑ نے کہا کیا تمھیں نہیں معلوم کہ مرد مومن کے سینے میں دو دل ہوتے ہیں۔ ایک دل سے وہ خوف کرتا ہے اور دوسرے دل سے امید رکھتا ہے۔

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ دونوں کا تعلق ایمان سے ہے۔

حکایت عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفیؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ دیکھا جسے تین مرد اور ایک عورت اٹھائے جا رہے تھے۔ میں نے عورت کی جگہ لے لی۔ ہم سب قبرستان پہنچے اور نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا۔ میں نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تیرا اس میت سے کیا رشتہ تھا؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا تھا۔ میں نے پھر پوچھا کیا آپ کے پڑوسی نہیں ہیں؟ کہنے لگی، ہیں تو مگر انھوں نے اسے حقیر سمجھا۔ میں نے پھر پوچھا یہ کیا تھا، عورت نے جواب دیا یہ مخنث تھا۔ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ مجھے اس پر رحم آیا۔ میں اسے اپنے گھر لے گیا اور میں نے اسے پیسے گندم اور کپڑے دیے۔ جب رات کو سویا تو خواب میں ایک شخص آیا جس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند جیسا تھا اور اس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے اس نے میرا شکریہ ادا کیا۔ میں نے پوچھا تو کون ہے؟ جواب دیا میں وہی مخنث ہوں جسے تم نے آج دفن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے بخش دیا کہ لوگ مجھے حقیر جانتے تھے لیکن میں پُرامید رہتا تھا۔

حقیقتِ رجاء

رجاء بلاشبہ محمود ہے لیکن یہ بھی نہیں کہ اس کی ہر (مناسب و نامناسب) صورت محمود ہی ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اچھے بیج تلاش کرے اور نرم زمین میں بوئے اور پھر اس زمین کو گھاس پات، خس و خاشاک اور کانٹوں جھاڑیوں سے صاف رکھے، وقت پر پانی دے سیراب کرے اور پھر اس بات کا امیدوار ہو کہ حق تعالیٰ زمین و آسمان کی آفتوں سے اسے محفوظ رکھے گا اور وقت آنے پر وہ فائدہ حاصل کر سکے گا تو اس کی یہ امید بیشک رجاء کہلائے گی لیکن اگر بیج پرانا اور ٹوٹا پھوٹا ہو یا تخم ریزی کے بعد وہ خار و گیاہ سے اسے صاف نہ رکھے یا اسے سیراب نہ کرے اور امیدوار نفع و منفعت کا ہو تو یہ امید رجاء نہیں بلکہ

غرور اور حماقت کہلانے کی مستحق ہے، اسی طرح اگر بیج عمدہ ہو، زمین نرم و صاف ہو اور بعد میں بھی اسے صاف رکھے لیکن پانی نہ دے اور اس امید پر نہ دے کہ بارش ہو جائے گی۔ (اور زمین کو سیراب کر دے گی) حالانکہ وہاں بارش کا ہونا یقینی نہ ہو اگرچہ محال بھی نہ ہو تو اس کی یہ امید، آرزو یا تمنا کہلائے گی نہ کہ رجاء۔

پس اسی طرح جو شخص ایمان صحیح کا عمدہ بیج اپنے سینے کے صحرا میں ڈالتا ہے اور سینے کو اخلاق بد سے پاک رکھتا ہے اور متواتر عبادت سے درختِ ایمان کی آبیاری کرتا ہے اور پھر نگاہِ امید سے حق تعالیٰ کے فضل و کرم کی طرف دیکھتا ہے کہ وہ آفات سے اسے دور رکھے گا اور مرتے دم تک اسی حالت کو برقرار رکھتا ہے اور دنیا سے جاتے وقت ایمان کو صحیح سلامت ساتھ لے جاتا ہے تو اسے امید (رجاء) کہا جائے گا۔ اور نشانی اس کی یہ ہے کہ مستقبل میں ہرگز کوئی تقصیر اس سے سرزد نہیں ہوتی اور اس حال کی خبرگیری سے کبھی کوتاہی واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ کھیتی کی دیکھ بھال سے غفلت کرنا نا امیدی کی نشانی ہے۔ نہ کہ امید و رجاء کی۔ لیکن اگر تخم عمدہ پھوٹا ہوا اور ٹوٹا ہوا ہو یعنی یقین صحیح نہ ہو۔ یا اگر صحیح ہو تو سینہ اخلاقِ بد سے پاک نہ ہو اور عبادت کا پانی بھی اسے میسر نہ ہو تو اس صورت میں رحمتِ حق تعالیٰ پہ نگاہ رکھنا حماقت ہے نہ کہ امید۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "احمق ہے وہ شخص جو وہی کچھ کرتا ہے جو اس کے نفس کی خواہش ہو اور رحمتِ خداوندی کا امیدوار ہوتا ہے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ کتاب (توریت) کو ان سے حاصل کیا، اس دنیائے دوں کا مال و متاع لے لیتے ہیں اور (اس گناہ کو حقیر سمجھ کر) کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی"۔

گویا یہاں مذمت کی جا رہی ہے حق تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کی کہ انبیاء کے بعد ان تک علم پہنچا اور وہ (اسے ترک کر کے) دنیا میں محو ہو گئے اور (اس کے باوجود) کہنے لگے کہ

ہم حق تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کی رحمت پر نگاہ رکھتے ہیں۔ پس ہر وہ چیز جس کے اسباب بندہ کے اختیار سے متعلق ہوں۔ تو ان (متعلقہ اسباب) کی تکمیل کے بعد رحمتِ خداوندی پہ نگاہ رکھنا تو بیشک رجاء ہے لیکن اگر ان اسباب کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا جائے تو رحمت کی امید رکھنا حماقت اور غرور کے سوا کچھ بھی نہیں اور اگر ویران اور برباد نہ کیا جائے لیکن آبادی کی بھی کوئی تدبیر نہ کی جائے تو ثمر کی امید رکھنا محض آرزو ہے اور حضورؐ نے فرمایا کہ "دین کے کام محض آرزوؤں سے نہیں سنوارا کرتے" کہ امیدِ قبول تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ توبہ کی جائے تاہم اگر کوئی شخص توبہ نہ کرے لیکن اپنے کیے پہ غمگین و ملول ہوا اور رحمت کا امیدوار رہا اور یہ آس لگائے کہ حق تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق عنایت فرمائے گا تو یہ رجاء ہے کیونکہ اس کی غمگینی اور ملال اس کی توبہ کا سبب بن سکتے ہیں اور اگر رنجور بھی نہ ہوا اور توبہ کا امیدوار ہو تو وہ مغرور و متکبر ہے۔ یعنی اس بات کا امیدوار کہ توبہ خود اس کے پاس چل کر آئے گی۔

اور اگر بلا توبہ بخشش کا امیدوار ہے تو وہ بھی ایسا مغرور و متکبر ہے اگرچہ احمقوں نے ان باتوں کو بھی امید کا نام دے رکھا ہے۔ حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ بالکل واضح ہے کہ "حقیقتاً جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہِ خدا میں ترکِ وطن کیا ہو اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو ایسے لوگ تو رحمتِ خداوندی کے امیدوار رہا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے اور رحمت کریں گے۔"

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر احمق کون ہوگا جو بیج تو بوئے دوزخ کا اور امید رکھے بہشت کی۔ اور اس مقام کا طالب ہو جو اطاعت گزاروں کے لیے مخصوص ہو حالانکہ اعمال گنہگاروں کے سے ہوں یا بغیر عمل ثواب کا امیدوار ہو۔

زید الخیل نامی ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں یہ پوچھنے آیا ہوں کہ اس چیز کی نشانی کیا ہے کہ فلاں شخص کی تو حق تعالیٰ کو بھلائی منظور ہے اور فلاں

کی بھلائی اسے منظور نہیں ہے؛ فرمایا تو ہر صبح کو جو بیدار ہوتا ہے تو تیری کیا کیفیت ہوتی ہے؟ اس نے کہا میرا حال تو یہ ہوتا ہے کہ میں نیک کاموں سے رغبت اور نیک بندوں سے محبت رکھتا ہوں۔ اگر نیک کام پیش نظر ہو تو اسے بلا تاخیر سرانجام دیتا ہوں اور اس کے ثواب پہ مکمل یقین رکھتا ہوں۔ اور اگر کوئی نیکی کا موقع ہاتھ سے جاتا ہے تو غمگین و ملول ہو جاتا ہوں اور اس بات کا متمنی رہتا ہوں کہ پھر اس کا کرنا نصیب ہو۔ حضورؐ نے فرمایا بس یہی نشانی ہے کہ حق تعالیٰ کو تیری بھلائی منظور ہے۔ کیونکہ اگر تیری برائی منظور ہوتی تو تجھے (ان نیک کاموں کی بجائے) برائیوں ہی میں مشغول رہنے دیتا اور اس بات کی قطعاً پرواہ نہ کرتا کہ دوزخ کی کونسی وادی کو تیرا مقام ہلاکت قرار دے۔ (کیمیائے سعادت ص ۹۱۸)

بیم و رجاء کی وضاحت

ایک مرتبہ حضرت یحییٰ بن معاذؒ نیشاپور میں قیام پذیر تھے کہ چند لوگ آپ کے ارادتمند ہو گئے وہ اکثر اوقات آپ کے پاس بیٹھ کر مسائل پوچھتے رہتے۔ بعض اوقات خاصے مشکل مسئلے بھی پوچھتے۔ آپ اپنی گفتگو میں اکثر بیم و رجاء کے الفاظ استعمال کرتے۔ ایک دن کچھ لوگ آپس میں کہنے لگے، پیرو مرشد دوران گفتگو ایسی باتیں کر جاتے ہیں کہ شاید انھیں ان کی معنویت کا خود بھی احساس نہ ہو۔ ایک نے پوچھا مثلاً کونسی بات؟ اس پر دوسرے نے جواب دیا مثلاً یہ کہ پیرو مرشد اکثر بیم و رجاء کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ بیم کے معنی ہیں خوف اور رجاء کے معنی امید کے ہیں۔ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب یہ دونوں لفظ مناجات میں استعمال کرتے ہیں تو ان سے ان کا کیا مطلب ہوتا ہے؟۔

اس موقع پر ایک اور شخص بولا کہ پیرو مرشد ایک روز کہہ رہے تھے کہ میں خدا سے بیم و رجاء تعلق رکھتا ہوں، معلوم نہیں کہ اس سے ان کا کیا مطلب تھا؟

آخر کار طے یہ پایا کہ یہی سوال پیرو مرشد سے براہ راست کیا جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے یحییٰ بن معاذؒ کے پاس جا کر عرض کیا کہ اعلیٰ حضرت! ہم آپ سے ایک سوال کا جواب حاصل

کرنے آئے ہیں۔

آپ نے فرمایا پھر یہ تامل کس لیے کیا جا رہا ہے جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ ڈالو۔ آپ کی جانب سے اجازت ملنے کے باوجود کسی میں سوال کرنے کی ہمت نہ تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ان کی قوتِ گویائی سلب ہوگئی ہو۔ جب یہ لوگ بدستور خاموش رہے تو یحییٰ بن معاذ نے عاجز آکر کہا یہ۔ بیم و رجا کس لیے؟ جو کچھ کہنا چاہتے ہو صاف صاف کہہ ڈالو۔

اس پر ایک آدمی ہمت کرکے بولا پیر و مرشد! ہم آپ سے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ جب آپ خدا کو مخاطب کرتے ہیں تو بیم و رجا کی بات کیوں کرتے ہیں آخر اس سے آپکی کیا مراد ہے؟

حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اس میں دشوار بات کونسی ہے؟

کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ جس بات کو آسان سمجھ رہے ہیں وہ ہمارے لیے بہت دشوار ہے اس شخص کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ دیکھو یہ کتنی سیدھی سی بات ہے کہ یہ دونوں چیزیں اسلام کے ارکان میں شامل ہیں اور جو شخص ان کو نظر انداز کرتا ہے وہ کبھی اپنے ایمان کو مستحکم نہیں رکھ سکتا۔ یاد رکھو کہ جس کے دل میں خوف ہوگا اس کے دل میں ہی جدائی کا غم ہوگا اور یوں جب وہ عبادت کرے گا تو اس کے دل میں رجا پیدا ہو جائے گا اور وہ ہمیشہ پُر امید رہے گا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی عبادت قبول ہوگی اور وہ وصل سے ہمکنار ہوگا۔ پس تم یہ سمجھ لو کہ عبادت کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ بیم و رجا اس میں شامل نہ ہوں۔ آپ کی اس وضاحت سے سوال کرنے والے مطمئن ہوگئے اور اب مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہ رہی تھی۔

حکایت

کہتے ہیں کہ ایک شخص بہت زیادہ شراب پیا کرتا تھا اس نے ایک مرتبہ اپنے ہم پیالہ لوگوں کو جمع کیا اور ایک لڑکے کو چار درہم دیئے کہ ان کے لیے پھل خرید لائے۔ بچے کا گزر منصور بن عمار کی مجلس کے دروازے پر ہوا۔ منصور ایک محتاج کے لیے کچھ مانگ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ جو کوئی اسے چار درہم دے گا اس کے لیے چار

دعائیں کروں گا۔ یہ سن کر بچے نے چاروں درہم اسے دے دیے۔ منصور نے کہا تو کیا کیا دعا کرانا چاہتا ہے؟ اس نے کہا میرا ایک آقا ہے جس سے میں نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ منصور نے دعا کی اور کہا اور کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ میرے درہموں کے بدلے اور درہم دے دے۔ انھوں نے یہ بھی دعا کر دی۔ پھر کہا اور کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میرے آقا کی توبہ قبول کرلے۔ انھوں نے یہ بھی دعا کر دی۔ اور پوچھا اور کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے، میرے آقا کو اور آپ کو اور جو لوگ یہاں موجود ہیں ان کو معاف کر دے۔ منصور نے یہ دعا بھی کر دی۔ اس کے بعد وہ لڑکا اپنے آقا کے پاس لوٹ گیا۔ آقا نے پوچھا تو نے دیر کیوں لگائی؟ اس نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ آقا نے کہا انھوں نے کیا دعا کی؟ اس نے کہا میں نے آزاد ہونے کی درخواست کی تھی۔ آقا نے کہا جاؤ تم آزاد ہو۔ دوسری دعا کونسی تھی؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان درہموں کے بدلے اور درہم دے دے۔ آقا نے کہا یہ لو چار ہزار درہم۔ پھر کہا تیسری دعا کونسی ہے؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کرے۔ اس نے کہا میں نے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ پھر کہا چوتھی کونسی ہے؟ کہا یہ کہ اللہ تمھیں، مجھے، قوم کو اور نصیحت کرنے والے کو معاف کر دے۔ آقا نے کہا یہ میرے اختیار کی بات نہیں ہے۔ جب رات ہوئی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اسے کہہ رہا ہے جو کچھ تمھارے اختیار میں تھا تو نے کر دیا، کیا تیرا خیال ہے کہ جو کچھ میرے اختیار میں ہے میں نہیں کروں گا؟ میں نے تجھے، غلام کو اور منصور بن عمار کو اور ان لوگوں کو جو وہاں موجود تھے معاف کر دیا۔

اہلِ رجاء کی خوبیاں

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو عالمِ رؤیا میں فرمایا کہ میرے بندوں میں کچھ ایسے بندے بھی ہیں، میں انھیں محبوب رکھتا ہوں وہ میرے مشتاقِ دیدار ہیں، میں ان کا مشتاقِ دیدار ہوں، وہ مجھے یاد کرتے ہیں میں انھیں یاد فرماتا ہوں وہ میری طرف دیکھتے

ہیں اور میں ان پر نگاہِ رحمت ڈالتا ہوں اگر تو ان کے راستہ پر چلے گا تو میں تجھے محبوب بناؤں گا اور اگر تو نے ان کا راستہ نہ اپنایا تو میں تجھ سے دشمنی رکھوں گا۔ اس صدیق نے پوچھا، یا اللہ! ان کی علامتیں کیا ہیں؟ رب ذوالجلال نے فرمایا کہ وہ دن ڈھلنے کا ایسا خیال رکھتے ہیں جیسے مہربان چرواہا اپنی بکریوں کا خیال رکھتا ہے۔ وہ غروبِ شمس کے ایسے مشتاق ہوتے ہیں جیسے سورج ڈوبنے کے بعد پرندہ اپنے آشیانے میں پہنچنے کا مشتاق ہوتا ہے۔

جب رات بھیگ جاتی ہے تاریکی بڑھ جاتی ہے، بستر بچھا دیے جاتے ہیں، لوگ اٹھ جاتے ہیں اور دوست دوستوں کے ساتھ خوش گپیاں کرتے ہیں تو وہ میرے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، میرے لیے چہروں کا فرش بچھا دیتے ہیں (سجدے کرتے ہیں) میرے کلام میں مجھ سے ہم کلام ہوتے ہیں، میرے انعامات کی آرزو کرتے ہیں، ان کی ساری رات گریہ و زاری کرتے، رحمت کی امید رکھتے اور خوفِ عذاب سے ڈرتے ہوئے قیام و قعود اور رکوع و سجود میں گزر جاتی ہے۔ مجھے اپنی نظرِ رحمت کی قسم! وہ میری وجہ سے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتے اور مجھے اپنی سماعت کی قسم! وہ میری محبت کا شکوہ نہیں کرتے۔ اور میں پہلے پہل انھیں تین چیزیں عطا کرتا ہوں ان کے دلوں میں اپنا نور ڈال دیتا ہوں جس سے وہ میری خبر پا لیتے ہیں جیسے میں ان کی خبر پا لیتا ہوں، دوسرے یہ کہ اگر زمین و آسمان اپنی تمام تر اشیاء کے ساتھ ان کے میزانِ عمل میں رکھ دیے جائیں تب بھی ان کے پلّے ہلکے ہوں گے اور میں ان کی نیکیاں بھاری کر دوں گا۔ تیسرے یہ کہ میں اپنی رحمت کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہوں اور وہ اس بات کو جان لیتا ہے کہ وہ جو کچھ مانگے گا میں اسے دے دوں گا۔

ابلیس کی شقاوت اور آدمؑ کی سعادت

ابو محمد مروزیؒ فرماتے تھے کہ ابلیس پانچ خصائل کی وجہ سے شقی ہوا کہ

اسؔ نے اپنے گناہ کا اقرار نہ کیا، نہ وہ گناہ پر نادم ہوا، نہ اُس نے اپنے نفس کو ملامت کی نہ توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا۔ اور فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے برعکس کیا کیونکہ وہ پانچ خصائل کے باعث سعید ہو گئے یعنی اُنھوں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا، گناہ پر ندامت کی، اپنے نفس کو ملامت کی، فی الفور توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوئے۔

خوف و رجاء کی علامت

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے اندر خوف اور رجاء کی علامتیں محسوس کرنے لگے تو اس نے مضبوط سہارا تھام لیا۔ خوف کی علامت ممنوع امور سے بچنا اور رجاء کی علامت اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خوف و رجاء کی دو علامتیں ہیں۔ رجاء کی علامت تو یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی پسند کے اعمال محض اس کی رضا کے لیے کرے۔ اور خوف کی علامت یہ ہے کہ جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس سے پرہیز کرے۔

حکایت

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص حضرت امام جعفر صادقؓ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرائیے آپ نے فرمایا کہ تو نے نہیں سنا کہ موسیٰ علیہ السلام کو لَنْ تَرَانِیْ (تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا) کہا گیا تھا اس نے کہا کہ یہ ملّتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ایک فریاد کرتا ہے کہ رَاٰی قَلْبِیْ رَبِّیْ (میرے دل نے خدا کو دیکھا) اور دوسرا شخص نعرہ لگاتا ہے کہ لَمْ اَعْبُدْ رَبًّا لَمْ اَرَہٗ۔ (میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا جس کو میں نے دیکھا نہیں) امام جعفر صادقؓ نے فرمایا کہ اس شخص کو باندھ کر دریائے دجلہ میں ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پانی اس کو نیچے لے گیا اور پھر اوپر لے آیا۔ اس نے فریاد کی یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْغِیَاثُ اَلْغِیَاثُ! (اے فرزندِ رسولِ خدا! فریاد ہے فریاد) آپ نے فرمایا اسے پانی سے پھر

نیچے لے جا۔ پانی اس کو نیچے لے گیا اور دوبارہ اسے اوپر لے آیا۔ اس شخص نے پھر پکارا یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الغیاث الغیاث (اے رسول اللہ کے فرزند! فریاد ہے فریاد) ایسے ہی چند بار آپ نے پانی کو حکم دیا کہ اسے نیچے اوپر کرتا رہ۔ پانی اسے نیچے لے جاتا اور اوپر اچھالتا۔ وہ ہر بار امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پناہ ڈھونڈتا جب اس کی امید مخلوق سے منقطع ہو گئی تو اس وقت پانی پھر اس کو نیچے لے گیا اس نے فریاد کی الٰھی الغیاث الغیاث (یا الٰہی فریاد ہے فریاد) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب اس کو نکال لو۔ چنانچہ اسے نکال لیا گیا۔ تھوڑی دیر اس کو چھوڑ دیا تاکہ اسے سکون آجائے پھر آپ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا؟ اس نے کہا کہ جب تک میں پوری طرح اللہ پر امید نہ رکھتا تھا اور اللہ کے سوا دوسرے سے مدد کا طالب رہا اس وقت تک مجھ میں اور خدا میں حجاب تھا مگر جب میں بالکل اپنے معبود کی طرف ملتجی ہوا تو اس وقت میرے دل میں ایک سوراخ کھلا۔ میں نے اس سوراخ کو دیکھا تو حق سبحانہ کا دیدار مجھے حاصل ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک اضطرار نہ ہو یہ بات حاصل نہیں ہوتی اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ۔ خدا تعالیٰ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے۔ جب وہ اس کو پکارتا ہے، جب تک تو صادق کو پکارتا رہا کاذب تھا۔ اب اس سوراخ کو محفوظ رکھ تاکہ مطلوب کو تو وہاں سے دیکھتا ہے۔

حکایت حضرت مسلم بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بحرین کے علاقہ میں گیا ایک عورت نے میری مہمان نوازی کی۔ جس کے ہاں مال و دولت بیٹے غلام سب کچھ موجود تھا مگر میں اسے غمگین محسوس کرتا تھا اس کے پاس سے رخصت ہونے لگا تو میں نے کہا کہ کوئی ضرورت یا کام وغیرہ ہو تو بتاؤ، کہنے لگی کہ کبھی دوبارہ ہمارے شہر میں آنا ہو تو میرے پاس ہی قیام کرنا ہو گا۔ میں یہ سن کر رخصت ہو گیا اور کئی سال تک غائب رہا پھر ایک دفعہ وہاں گیا تو اس کے دروازے پر کوئی دربان نہ تھا۔ اجازت لے کر اندر گیا تو وہ عورت خوشی

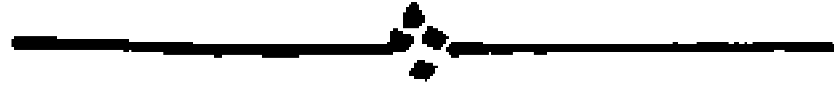
سے ہنس رہی تھی۔ میں نے ہنسی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگی کہ تیرے بعد ہم نے سمندر کے راستے جو مال بھی کہیں بھیجا وہ غرق ہو گیا اور خشکی کے راستے جو بھیجا وہ بھی ہلاک ہوتا رہا۔ بیٹے فوت ہو گئے، غلام وغیرہ سب جاتے رہے۔ میں نے کہا اللہ تم پر رحم کرے، ان دنوں میں نے تجھے غمگین دیکھا تھا اور آج تو مسرور نظر آ رہی ہے؟ کہنے لگی ہاں! جن دنوں دنیاوی خوش حالی میں تھی تو ڈرتی رہتی تھی کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے میری نیکیوں کا بدلہ دنیا میں نہ چکا دیا ہو اب جبکہ میرا مال ختم ہو گیا، بیٹے فوت ہو گئے اور غلام جاتے رہے تو مجھے امید ہونے لگی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں میرے لیے خیر کو جمع کر رکھا ہے اس لیے میں خوش ہوں۔

ہر حال میں اللہ سے وابستگی

حضرت ابو عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ جنت اور جہنم میں انتخاب کا مجھے اختیار دیں تو میں جہنم کو خوشی قبول کر لوں گا اور میری عرض ہو گی کہ اے پروردگار! تمام اہلِ جہنم کے بجائے مجھ اکیلے ہی کو اس جہنم میں ڈال دے اور اس کے بجائے اہلِ جہنم کو جنت عطا فرما دے۔ تمام انسانوں کے عذابوں کا بوجھ مجھ پر ڈال دے۔ میں اس بوجھ کو خوشی اٹھانے کے لیے تیار ہوں اے ربِ جلیل! میں نے اپنے دل سے یہ فیصلہ کر لیا ہے اور اے قدرت والے خدا! اس حالت میں صرف اور صرف میری زبان کو قوتِ ذکرِ الٰہی سے فیض یاب رکھ تاکہ دل تیری معرفت سے خالی نہ ہونے پائے۔

اس خاص بیان کے زمرے میں حضرت عبداللہ بن عزیز فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبداللہ سے کئی بار یہ کہتے ہوئے سنا کہ خواب کے عالم میں قیامت قائم ہو گئی ہے۔ میری التجا اور دعا کے مطابق منادی کی گئی کہ عبداللہ کہاں ہے اور کیا اسے اپنا وعدہ اور بیان یاد ہے۔ اس پر میں نے برملا ایک بار پھر اپنے اسی وعدے اور بیان پر قائم رہتے ہوئے اقرار کیا کہ بنی نوعِ انسان کے بدلے میں مجھ اکیلے ہی کو دوزخ میں ڈال

دبا جائے۔ پھر منادی نے کہا کہ اب تمھارا پھر ایک امتحان لیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی دوزخ کی ہیبت اور دہشت کی اذیت چکھانے کے لیے میرے سینے پر ایک ہاتھ مارا، مجھ پر شدید دہشت اور ہیبت طاری ہوئی لیکن پھر بھی میں اپنے وعدے پر قائم رہا اور پھر عالمِ خواب منقطع ہوگیا۔



باب ۱۲

محاسبہ

اعمال کو رضائے الٰہی کے تابع رکھنے کے لیے اپنے آپ کی خبر گیری کرنے کو محاسبہ کہا جاتا ہے۔ یہ بات انسان کے پیشِ نظر ہے کہ آخرت میں انسانی اعمال کا حساب ہو گا نیکیوں اور بدیوں کا حساب ہو کر وہ جزا یا سزا پائے گا اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کا حساب بڑا سخت ہے اس سے بچنے کے لیے صوفیاء نے ایک عمل یہ اختیار کیا کہ اس بڑے حساب سے بچنے کے لیے دنیا میں اپنے اعمال کا حساب کے ذریعے احاطہ کیا جائے تا کہ انسان خبردار رہے کہ وہ خسارے میں تو نہیں۔ اس عمل کو اہلِ تصوف نے محاسبے کا نام دیا ہے اس لیے ہر انسان کو چاہیئے کہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے کیونکہ جو شخص دنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے گا آخرت میں اس کا حساب آسان رہے گا اور انجام بخیر ہو جائے گا اور جس نے محاسبہ کی طرف توجہ نہ دی تو وہ خسارے میں رہے گا۔

حکمِ محاسبہ

جو اعمال انسان سر انجام دے رہا ہو اس کے بارے میں گاہے بگاہے غور کرے کہ ان میں کوئی ایسا عمل تو نہیں جو اللہ کی رضا کے منافی ہے ایسے عمل کو ترک کر دے اور اس کی جگہ نیک عمل کثرت سے کرے پھر ہر حال میں اپنے احوال سے واقف رہے۔ اطاعت میں شکر کرے اگر کوئی معصیت ہو جائے تو استغفار کرے تا کہ ہر حال میں نیکیوں میں کثرت رہے اور روزِ حساب نیکیوں کے باعث بخشا جائے۔ اہلِ تصوف نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل

آیت سے محاسبے کا حکم اخذ کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ٥

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو کہ ہر شخص اس پر غور کرے جو اس نے کل کے لیے آگے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے۔ (پ ۲۸، حشر ۱۸)

آخرت کی فکر میں غور کرنا کہ اس نے اللہ کی بارگاہ میں کیا بھیجا ہے جو کل کو اس کے کام آئے گا محاسبہ کہلاتا ہے تاکہ ہر شخص اپنا محاسبہ کرتا ہے کہ اس نے اپنی عاقبت کے لیے کتنے نیک عمل جمع کیے ہیں۔ آج کی خوشیوں میں کھو کر کل کی فکر نہ کرنا عقلمندی نہیں، بلکہ نادانی ہے اور نادانی آخر برے انجام کا پیش خیمہ ہوتی ہے اس لیے ہر شخص کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے۔

حضرت عمرؓ نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا ہے کہ حساب لیے جانے سے پہلے اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ٥

بیشک اہل تقویٰ کو جب شیطان چھوتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں تو پھر وہ فوراً صاحب بصیرت ہو جاتے ہیں (پ ۹، اعراف ۲۰۱)

احادیث محاسبہ

عمل سے پہلے انجام سوچیں حدیث میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کیا تو وصیت چاہتا ہے اس نے عرض کیا ہاں! آپ

نے فرمایا کہ جب تو کسی امر کا قصد کرے تو اس کے انجام کو سوچ لے۔ اگر وہ اچھا ہو تو کر اور اگر بُرا ہو تو اس سے باز آ۔ (احیاء العلوم)

نفس کا حساب

حدیث میں ہے کہ عاقل کے لیے چار ساعتیں ہونی چاہئیں، ایک ساعت نفس کے حساب کے لیے ہونی چاہیئے۔ (احیاء العلوم)

محاسبے کا مفہوم

حضرت جندب قسری رضؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز فجر ادا کی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں ہے لیس ہونا نہ چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے ذمہ اور تمہارے اعمال کے بارے میں کوئی بات دریافت نہ کرے کیونکہ جو کچھ وہ دریافت فرمائے گا یا طلب کرے گا وہ اس کو اس کی شان کے مطابق حاصل ہوگی (اور بندے کو اس سے مفر نہ ہوگا) اور اس عمل کی پاداش میں بندے کو منہ کے بل جہنم میں ڈالدے گا۔ (مسلم شریف)

فرمودات محاسبہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا طرز عمل

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میرے بابا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا میں عمر رضؓ سے زیادہ کسی کو دوست نہیں رکھتا ہوں۔ پھر فوراً ہی کہا اے عائشہ رضؓ! میں نے ابھی ابھی کیا کہا تھا، میں نے ان کے الفاظ ہُو بہو دہرا دیے (کہ میں عمر رضؓ سے زیادہ کسی کو دوست نہیں رکھتا ہوں) فرمایا نہیں! یہ تو میرے منہ سے نکل گیا ورنہ میرا مطلب یہ تھا کہ زندہ انسانوں میں مجھے عمر رضؓ سے زیادہ کوئی شخص عزیز نہیں" تو دیکھیے کہ کس طرح جناب صدیق اکبر رضؓ نے دم نزع میں بھی زبان کی اس چھوٹی سی لغزش کا محاسبہ کرکے چھوڑا۔ اور جب دیکھا کہ یہ درست نہیں تو فوراً اس میں اصلاح کرلی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ خدا اور رسولؐ سے زیادہ دوست کون ہو سکتا ہے۔

محاسبہ نفس

حضرت عمر فاروق رضؓ ہمیشہ زور دیا کرتے تھے کہ اے لوگو! پیشتر اس کے کہ تمہارے اعمال کو ترازوئے عدل میں ڈالا جائے تم خود ہی ان کا وزن کر لو تاکہ کمی بیشی کا اندازہ کر کے اس کی کوئی تدبیر اس زندگی میں ہی کر لو ورنہ بعد میں پھر یہ موقع کہاں۔ حضرت عمرؓ رات کو جب گھر تشریف لاتے تو ایک دُرّہ زور سے خود اپنے پاؤں پہ مارتے اور اپنے آپ سے کہتے کہ بتا تُو نے آج کیا کچھ کیا ہے اور یوں اپنے نفس کا شدت کے ساتھ محاسبہ فرماتے تھے۔

حضرت انسؓ کا قول

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرتؓ کو باغ میں تنہا کھڑے دیکھا کہ منہ سے کچھ کہہ رہے ہیں میں نے دیوار کی اوٹ میں ہو کر سنا تو اپنا محاسبہ کرتے ہوئے فرما رہے تھے واہ جی واہ! لوگ تمھیں امیر المومنین کہتے ہیں تو کہیں اس پہ بھول نہ بیٹھنا بلکہ تمھیں خدا کی قسم ہے کہ ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو ورنہ اپنے آپ کو عذاب و سزا کے لیے تیار رکھو۔

عجیب انداز سے محاسبہ

اور حضرت ابوطلحہؓ کے حال میں مروی ہے کہ جب ان کو نماز میں پرند کا خیال ہوا تو سوچ کر اپنا باغ صدقہ کر دیا یعنی اس فعل کی اتنی ندامت ہوئی کہ باغ دے ڈالا اس توقع پہ خدائے تعالیٰ اس کے عوض میں اور دے گا۔

نفس کو اپنا غلام بناؤ

ابن سلامؓ نے لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھا رکھا تھا اور بازار میں سے گزر رہے تھے۔ لوگوں نے کہا یہ کام تو آپ کے غلاموں کے کرنے کا ہے۔ فرمایا ہاں! میں بھی تو یہ کام غلام ہی سے لے رہا ہوں کیونکہ میں نے نفس کو اپنا غلام بنا لیا ہے اور یہ گٹھا اسی کی آزمائش کے لیے اٹھا رکھا ہے کہ دیکھوں وہ کیسے محسوس کرتا ہے۔

خواجہ حسن بصریؒ کا قول

حضرت حسن بصریؒ نے کہا کہ مومن اپنے نفس پر نگرانی کرنے والا ہے وہ اپنے نفس سے حساب لیتا ہے۔ مزید فرمایا کہ مومن کے سامنے ناگہانی طور پر کوئی چیز آجاتی ہے وہ اسے پسند آتی ہے اور کہتا ہے خدا کی قسم! میں تجھے چاہتا ہوں اور تو میری ضرورت ہے لیکن تجھے حاصل کرنے کا میرے پاس کوئی حیلہ نہیں ہے۔ تیرا حاصل کرنا بہت دور ہو گیا ہے، میرے اور تیرے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی ہے اور پھر کوئی کوتاہی اس سے ہو جاتی ہے تو وہ ہوش میں آجاتا ہے اور کہتا ہے میں نے اس سے کیا حاصل کرنا چاہا، میرا اور اس کا کیا تعلق؛ میں انشاء اللہ اس کی طرف کبھی رجوع نہیں کروں گا۔

مومن ایک ایسی قوم ہیں جن کو قرآن نے قید کر رکھا ہے اور ان کے اور ان کی ہلاکت کے درمیان حائل ہو چکا ہے۔ مومن دنیا میں دین کا قیدی ہے وہ اپنی گردن آزاد کرانے کی کوشش نہیں کرتا نہ کسی چیز سے بے خوف ہوتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔ وہ جانتا ہے کہ اسے اپنے کان، آنکھ، زبان اور اعضاء کے سلسلہ میں پابند کیا گیا ہے اور ان سب کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

حکایت

حضرت ابو علی دقاق کا واقعہ ہے کہ ایک اور بزرگ نے آپ کو خواب میں بے قراری کی حالت میں روتے ہوئے دیکھا تو ان سے پوچھا کیا آپ دوبارہ اس دنیا میں آنا چاہتے ہیں تو آپ نے ہاں میں جواب دیا لیکن ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں اپنی بھلائی کے لیے دنیا میں آنا نہیں چاہتا بلکہ مخلوق کو اللہ کی طرف راغب کرنے کے لیے واپسی چاہتا ہوں اور ان کو یہاں کے حالات سے باخبر کرنے کی خواہش ہے۔ پھر کسی بزرگ نے خواب میں سوال کیا کہ وہاں آپ کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اول تو اللہ تعالیٰ نے میرے تمام اچھے برے اعمال کا حساب کیا اس کے بعد سارے گناہ معاف کر کے مجھے مغفرت میں بٹھا دیا۔ اور جنت عطا فرما دی۔

حکایت ایک مرید بصرے میں گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے تھا اور اسی دوران اس کو اپنے کسی گناہ کا خیال آگیا جس کی وجہ سے تین یوم تک اس کا چہرہ سیاہ رہا اور تین یوم کے بعد جب وہ سیاہی دور ہو گئی تو حضرت جنیدؒ کا مکتوب پہنچا کہ بارگاہِ الٰہی میں مؤدبانہ قدم رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ تیرے چہرے کی سیاہی دھونے میں مجھے تین یوم دھوبی کا کام کرنا پڑا ہے۔

نفس سے حساب لو ادر میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ بندہ متقین سے نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے نفس سے اس طرح حساب نہ کرے جس طرح شریک سے کیا کرتے ہیں اور دو شریک آپس میں حساب بعد عمل کے کیا کرتے ہیں۔

حکایت کہا گیا ہے کہ توبہ بن صمہ رقہ کا باشندہ اپنے نفس سے روزانہ حساب لیتا تھا۔ ایک دن اس نے حساب کیا تو وہ ساٹھ سال کا ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے سالوں کے دن گنے تو وہ اکیس ہزار پانچ سو دن ہوئے۔ وہ چیخ پڑا اور کہا ہائے افسوس! اگر مجھ سے ایک دن کا ایک ہی گناہ ہوا تو میں اللہ کے سامنے اکیس ہزار پانچ سو گناہ لے کر جاؤں گا؟ حالانکہ ہر روز کئی ہزار گناہ ہو جاتے ہیں۔ پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا اور فوت ہو گیا اس وقت لوگوں نے ایک غائبانہ آواز سنی کہ جنت الفردوس کی دوڑ کیسی اچھی رہی۔

محاسبے کا طریقہ محاسبے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ شروع دن میں ایک ایسا وقت لازمی طور پر ہونا چاہیئے جس میں انسان اپنے نفس سے شرط کرے کہ میں فلاں کام کروں گا اور فلاں کام نہیں کروں گا۔ تیز آدمی کو چاہیئے کہ ہر روز رات کو سوتے وقت اپنے دن بھر کے اعمال کا حساب اپنے نفس سے طلب کرے اور دیکھے کہ اصل سرمایہ میں کیا کچھ نفع یا نقصان ہوا ہے اور اس سے پوری طرح آگاہ ہو جائے۔ جس طرح شریک تجارت سے بڑی سختی کے ساتھ حساب کتاب کیا جاتا ہے تاکہ اسے غبن یا خیانت کا موقع نہ ملے اور وہ نقصان نہ پہنچا سکے۔ اسی طرح اپنے نفس سے پوری شدت اور مبالغہ سے

حساب طلب کرے کیونکہ یہ نفس بڑا ہی چالاک، حیلہ گر اور فریبی ہے اور ایسا مکار کہ اپنی غرض کو تیرے سامنے طاعت و بندگی بنا کر پیش کرے گا تاکہ تو اسے بھی نفع ہی میں شمار کرے حالانکہ ہوتا وہ سراسر نقصان ہے بلکہ یہ طرز محاسبہ تمام مباحات کے بارے میں اختیار کرنا لازم ہے اور نفس سے پوچھنا چاہیئے کہ تو نے فلاں عمل کیوں کیا اور کس کے لیے کیا؛ اور پھر اس میں اگر کوئی نقص یا خامی نظر آئے تو اس میں نفس کو قصوروار ٹھہرائے اور اس کی ذمہ داری اس کے سر ڈالتے ہوئے اس سے تاوان طلب کرے اور جب تک تاوان وصول نہ ہو جائے اسی کے کھاتے میں یہ قرض رکھے۔

حکماء کا قول حکماء کا قول ہے جس نے اپنی نگاہ کو آوارہ چھوڑ دیا اس نے بے انتہا شرمندگی اٹھائی، یہ آزاد نگاہی انسان کو بے نقاب کر دیتی ہے، اسے ذلیل وخوار کرتی ہے اور جہنم میں طویل مدت تک رہنے کو اس پر واجب کر دیتی ہے، اپنی نظر کی حفاظت کر، اگر تو نے اسے آوارہ چھوڑ دیا تو برائیوں میں گھر جائے گا اور اگر تو نے اس پر قابو پالیا تو تمام اعضائے بدن تیرے مطیع ہو جائیں گے۔

خود کو حرام سے بچاؤ کسی انسان کو حرام چیزوں کی طرف نگاہ نہیں ڈالنی چاہیئے کیونکہ نظر ایک ایسا تیر ہے جو خطا نہیں ہوتا اور یہ ایک زبردست قوت ہے۔ فرمانِ نبوی ہے نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے جس نے خوفِ خدا کی وجہ سے اس کو حرام سے بچا لیا اللہ تعالیٰ اسے ایسا ایمان عطا کرے گا جس کی لذت وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کرے گا۔

حضرت میمون کا تاثر حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی حریص نہیں تھا لیکن مجھے ان کو حاکم کی حیثیت سے دیکھنے کی بہ نسبت ان کو مردہ دیکھنا زیادہ پسند تھا۔

کان اور آنکھ کا محاسبہ

افلاطون سے پوچھا گیا کہ دل کے لیے زیادہ نقصان پہنچانے والی چیز کان ہے یا آنکھ؟ اس نے کہا یہ دونوں دل کے لیے پرندے کے دو پروں کی طرح ہیں، وہ انھی کی قوت سے اڑتا ہے۔ جب ان میں سے کوئی پر ٹوٹ جاتا ہے تو وہ اڑنے میں بہت دشواری محسوس کرتا ہے۔

ذی عقل کو تنبیہ

جناب محمد بن ضور کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی عقل کے لیے یہ سزا رکھی ہے کہ وہ ہر اس چیز کے دیکھنے پر مجبور ہوتا ہے جس سے وہ نفرت کرتا ہے۔

غور طلب باتیں

مجاہد کا قول ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ صبح کو شام کی فکر نہ کرو اور شام کو دوسری صبح کی فکر نہ کرو۔ موت سے پہلے زندگی کو اور بیماری سے پہلے تندرستی کو غنیمت سمجھ کیونکہ پتہ نہیں کل تمھارا کیا حال ہوگا۔

حضرت فضیل بن عیاض رح کا قول

حضرت فضیل بن عیاض رح فرماتے تھے کہ کسی شخص کو امراء کے پاس آنا جانا اور ان سے میل جول رکھنا زیبا نہیں۔ ہاں امیرالمومنین عمر بن الخطاب رض جیسا کوئی امیر ہو تو مضائقہ نہیں لیکن ہمارے جیسے لوگوں کو امراء کے پاس جانا مناسب نہیں اس لیے کہ ہم ان کو بالمشافہ نصیحت نہیں کر سکتے اور نہ ان کے ظلم و تعدی اور ان کے حریری فرش اور پردوں وغیرہ کو برا کہہ سکتے ہیں۔

حضرت ابن سماک رح کی نصیحت

حضرت ابن سماک رح فرماتے تھے کہ ایک دن میں والیٔ بصرہ کے پاس گیا تو اس نے مجھے کہا کہ اے ابن سماک! مجھے کچھ نصیحت کر۔ میں نے اس سے کہا کہ تف ہے تجھ پر اور ان پر بھی جنھوں نے تجھے لوگوں کے حقوق پر حاکم بنایا ہے کیونکہ اگر وہ نیک ہوتے تو دیر لوگ تم سے

رُکے رہتے۔

اپنے نفس سے حساب لو

دین میں اصل سرمایہ فرائض ہیں، نوافل اور فضائل منافع ہیں اور گناہ خسارہ، پہلے اپنے نفس سے فرائض کا حساب کرے اور اگر وہ گناہ کا ارتکاب کر چکا ہو تو اسے سزا دے تاکہ جو کمی ہوئی ہے وہ پوری ہو جائے۔

زبان کا محاسبہ

آدمی اپنے نفس سے غفلت برتتا ہے، اسے بے لگام اور بے حساب چھوڑے رہتا ہے حالانکہ اپنے ایک گناہ کے بدلے اگر ایک پتھر کسی وسیع کمرے میں ڈالنے لگے تو تھوڑے ہی عرصے میں وہ کمرہ پوری طرح بھر جائے یا مثلاً اگر حساب لکھنے والے فرشتوں کو ان کی لکھوائی (اُجرت) ادا کرنے لگے تو اس کا سارا مال اسی اُجرت کی نذر ہو جائے اور پھر یہ انداز ملاحظہ ہو کہ اگر چند مرتبہ سبحان اللہ کا ورد کرے تو تسبیح ہاتھ میں ہوتی ہے اور رٹتا پھرے گا کہ میں نے سو مرتبہ سبحان اللہ کہا لیکن اسی زبان سے جو فضول بکواس کرتا ہے اور لغو و بیہودہ باتیں دن بھر بکا کرتا ہے انھیں شمار کرنے کے لیے کوئی تسبیح یا پیمانہ اس کے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔ حالانکہ اگر رکھے تو اسے پتہ چلے کہ ایک سو کیا ہزار ہا باتیں بالکل لغو اور بیہودہ وہ زبان سے نکال چکا ہے۔ اب اگر ان کے باوجود وہ یہی خیال کرتا ہے کہ نیکی کا پلہ ہی بھاری ہو گا تو اسے امید نہیں بلکہ حماقت اور بیوقوفی کہیں گے۔

حکایت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں کوفہ کے نزدیک ایک مقام سے گزرا۔ میں نے دیکھا کہ ایک گھر میں کئی فاسق شراب پی رہے ہیں اور زاذان نامی ایک گویا بربط بجا رہا تھا اور بہت عمدہ آواز میں گانا گا رہا تھا، کہتے ہیں کہ میں نے آواز سن کر کہا کیا ہی اچھی آواز ہے کاش اس آواز سے قرآن پڑھا جاتا۔ عبداللہ بن مسعودؓ اپنے سر پر چادر اوڑھ کر چلے گئے۔ زاذان نے آپ کے الفاظ سن لیے تھے

اس نے لوگوں سے پوچھا یہ کون تھا، لوگوں نے بتایا کہ یہ آنحضرتؐ کے صحابی عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ پھر پوچھا اس نے کیا کہا تھا؟ لوگوں نے جواب دیا وہ کہتے تھے کتنی اچھی آواز ہے کاش اس آواز سے قرآن پڑھا جاتا۔ یہ سن کر زاذان کے دل میں ہیبت پیدا ہوئی، اٹھ کھڑا ہوا، بربط کو زمین پر مار کر توڑ دیا، اُسے شدت سے اپنے بُرے اعمال کے محاسبے کا احساس ہوا اور دوڑتا ہوا عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گیا، اپنی گردن میں پگڑی ڈال لی اور ان کے قدموں میں گر کر رونے لگا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے گلے لگا لیا اور خود بھی رونے لگے۔ پھر عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ جس شخص سے خدا محبت کرتا ہے میں کیوں اسے اپنا دوست نہ بناؤں۔ اس کے بعد زاذان انھی کی خدمت میں رہنے لگا۔ قرآن سیکھا دوسرے علوم بھی حاصل کیے اور ایسا کمال ہاتھ آیا کہ وقت کا امام ہوگیا۔

حکایت

ایک زاہد نے کسی شخص کو دیکھا وہ ایک لڑکے سے ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ زاہد نے اس سے کہا اے عقل کے اندھے بے تجھے کراماً کاتبین اور محافظ فرشتوں سے بھی شرم نہیں آتی جو تیرے اعمال لکھ کر انھیں محفوظ کرتے جا رہے ہیں اور تیری ان برائیوں کے گواہ بن رہے ہیں اور تیری ایسی پوشیدہ برائیوں سے واقفیت حاصل کر رہے ہیں جن کو تو لوگوں کے سامنے کرنے سے گھبراتا ہے۔

ایک عابد اور فاحشہ کا واقعہ

بنی اسرائیل کی کتب میں آیا ہے کہ ایک گانے والی عورت نہایت خوبصورت اور بدکار تھی۔ وہ ایک تخت پر ہمیشہ ناچتی رہتی تھی اور اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ جو بھی اُدھر سے گزرتا اس کی نگاہ اس پر پڑتی اور وہ اس پر فریفتہ ہوجاتا۔ چنانچہ وہ کم از کم دس دینار لیے بغیر اس شخص کو پاس نہ آنے دیتی تھی۔ ایک دن ایک اسرائیلی عابد وہاں سے گزرا اس کی نظر اس پر جا پڑی اور وہ بھی فریفتہ ہوگیا۔ چنانچہ وہ آہیں بھرتا بھرتا تھا، اپنے نفس سے خوب جنگ کی آخر اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ

خدا کی بارگاہ میں دعا کرے کہ یہ خیال اس کے دل سے نکل جائے مگر اس عورت نے اس کے دل پر ایسا گہرا اثر ڈالا تھا کہ زائل نہ ہوسکا۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ اپنا سارا مال و اسباب فروخت کر کے اس سے جو وصول ہو اس کے ذریعہ عورت تک رسائی حاصل کرے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ جب روپیہ لے کر اس کے پاس گیا تو عورت نے کہا کہ میری مطلوبہ رقم میرے وکیل کے پاس جمع کرا دو اور فلاں وقت آجاؤ۔ چنانچہ اس نے روپیہ جمع کرا دیا اور وقت مقررہ پر اس کے پاس آیا۔ وہ عورت اس وقت بناؤ سنگھار کر کے تخت پر بیٹھی تھی۔ عابد بھی اس کے پاس تخت پر بیٹھ گیا اور اس کے ساتھ دل لگی کرنے لگا۔ اچانک اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر نازل ہوئی اور اس کی اطاعت و عبادت کے عوض خدا نے اسے اس بدی سے بچا لیا۔ وہ اس طرح کہ عابد کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگرچہ میں لوگوں سے پوشیدہ ہوں مگر خدا تو مجھے دیکھتا ہے اگر میں نے حرام کاری کی تو میرے تمام اعمالِ حسنہ غارت ہو جائیں گے۔ اس خیال کے آتے ہی خوفِ الٰہی سے اس کا چہرہ فق ہو گیا، عورت نے معلوم کر لیا، پوچھا تجھے کس کا خوف ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ مجھے اجازت دے کہ میں فوراً یہاں سے چلا جاؤں۔ عورت نے کہا تجھ پر افسوس ہے کہ کتنے لوگ تو اس بات کی خواہش کرتے ہیں جو تجھے حاصل ہوئی ہے اور تو اس سے منہ موڑتا ہے، آخر کیوں؟ عابد نے جواب دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مال میں نے تیرے وکیل کو دے دیا ہے وہ تجھ پر حلال ہے (تیرا ہو گیا) اور میں جاتا ہوں۔ عورت نے کہا معلوم ہوتا ہے تو نے اس کا ذائقہ کبھی نہیں چکھا اس نے جواب دیا ہاں! نہیں چکھا۔ عورت نے پوچھا تم کہاں رہتے ہو؟ اور تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا نام اور پتہ بتایا اور اپنی حالت پر روتا اور افسوس کرتا ہوا وہاں سے چل دیا۔ خدا کی قدرت کہ اس عابد کے سبب سے اس عورت کے دل میں خوفِ الٰہی غلبہ پانے لگا وہ دل میں کہنے لگی کہ اس شخص نے پہلی مرتبہ برائی کا ارادہ کیا تھا کہ خدا کے خوف سے ڈرنے

لگا اور ایک میں ہوں کہ اتنی مدت سے برائی کر رہی ہوں اور ابھی تک خدا سے نہیں ڈری۔ مجھے تو اس عابد سے کہیں زیادہ ڈرنا چاہیئے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کی، پھٹے پرانے، میلے کچیلے کپڑے پہن لیے، لوگوں کو اپنے پاس آنے سے روک دیا، پھر جہاں تک ہو سکا اللہ کی عبادت میں لگی رہی۔ کچھ مدت بعد اسے خیال آیا کہ اگر میں اس عابد کے پاس جاؤں تو شاید وہ مجھ سے نکاح کر لے اور میں اس کی خدمت میں رہ کر دین کی باتیں سیکھوں اور خدا کی راہ میں وہ میری مدد کرے۔ چنانچہ وہ اپنا مال اور خادم ساتھ لے کر پتہ پوچھتی ہوئی عابد کے گاؤں پہنچی اور عابد کو پہچان لیا اور اسے پرانا واقعہ یاد آگیا جس کے ساتھ ہی اس کی چیخ نکل گئی اور اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ عورت کہنے لگی میں تو اس کی تلاش میں ماری ماری بڑی مشکل سے یہاں پہنچی تھی اور اس نے مجھے دیکھتے ہی جان دے دی۔ پھر اس نے پوچھا عابد کے خاندان میں کوئی ہے جو مجھ سے نکاح کرے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس کا ایک مفلس بھائی ہے۔ جس کے پاس کچھ نہیں۔ عورت نے کہا کہ اس کی پروا نہیں، زندگی گزارنے کے لیے میرے پاس مال موجود ہے۔ چنانچہ اس نے اس کے بھائی سے نکاح کر لیا اس صالح شخص کے یہاں اس عورت سے سات بیٹے پیدا ہوئے جو سب کے سب بنی اسرائیل کے بزرگ ہوئے۔

ہلاکت کے اسباب

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں، چار چیزیں ایسی ہیں کہ آدمی جب ان میں زیادتی کرتا ہے تو وہ اس کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہیں اور اسے ذلیل کرتی ہیں یعنی جماع، شکار، جوئے اور گناہوں کی کثرت۔

گناہوں سے بچو

محمد بن واسع اپنے دوستوں سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم گناہوں میں ڈوب چکے ہیں اگر تم میں سے کسی کو میرے گناہوں کی ہوا بھی لگ جائے تو وہ میرے پاس بیٹھ نہ سکے۔

اللہ سے رحم کی اپیل مامون کے پاس لوگ آخری وقت میں عیادت کے لیے گئے تو مامون اپنے خادموں کو کہہ رہا تھا کہ میرے لیے گھوڑے کی جھول بچھاؤ اور اس پر خاکستر پھیلاؤ۔ چنانچہ انھوں نے تعمیل کی، پھر وہ اس پر لوٹنے لگا اور کہا اے دائمی ملک کے بادشاہ! فانی ملک کے بادشاہ پر رحم کر۔

اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہو عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج فرماتے ہیں کہ اپنے نفس میں برائیوں کی تلاش کرتے رہو۔ کیونکہ کل قیامت میں ہر شخص اپنے اپنے ہم جنس کے ساتھ اٹھے گا۔ سو جو شخص ہر قسم کے گناہوں میں پڑا ہوگا اس کا حشر ہر جماعت کے ساتھ ہوگا۔ آپ اکثر اپنے نفس پر عتاب کرتے رہتے اور اس کو ڈانٹتے رہتے اور فرماتے کہ جب منادی قیامت میں آواز دے گا اے فلاں گناہ والو! کھڑے ہو جاؤ! تو اے اعرج تو بھی ان کے ساتھ کھڑا ہوگا۔ اور پھر کہے گا اے فلاں گناہ والو! کھڑے ہو جاؤ تو اے اعرج تو ان کے ساتھ بھی کھڑا ہوگا۔ پھر پکارے گا اے فلاں گناہ کا ارتکاب کرنے والو! کھڑے ہو جاؤ! تو اے اعرج تو ان کے ساتھ بھی کھڑا ہوگا۔ غرض اے اعرج! میرا گمان ہے کہ اس دن تجھے ہر جماعت کے ساتھ اٹھنا ہوگا۔

ارشادِ نبوی اوزاعیؒ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قرابتی کو گناہ کرتے دیکھتے تو فرماتے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے ارشاد کی مخالفت کرکے آپ کی قرابت پر مغرور نہ ہونا کیونکہ آپ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے فرمایا اے فاطمہؓ! اپنے آپ کو جہنم سے بچا کیونکہ میں تجھے اللہ کے ہاں کچھ کام نہیں آسکتا۔

زندگی بھر عمل ضروری ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی صفیہؓ اور بیٹی فاطمہؓ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اے صفیہؓ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی! اور اے فاطمہؓ بنتِ محمدؐ!

تم دونوں اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ کیونکہ میں تم کو اللہ کے ہاں کچھ کام نہیں آسکتا۔ نیز حدیث میں وارد ہے کہ نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ ذہن سے نہیں اترتا اور جزا دینے والے کو فنا نہیں اب جیسا چاہے کر۔ جیسا کرے گا ویسا ہی بدلہ ملے گا۔

حضرتِ خواجہ حسن بصریؒ کا ارشاد

حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے اے ابن آدم فی سبیل اللہ خرچ کر اور یہ مت ڈر رساں درندے جو تیرے گرداگرد ہیں یعنی اولاد، بیویاں، دوسرے وارث اور خادم تجھے دھوکے میں نہ ڈالیں کیونکہ تیری اولاد تیرے وارثین شیر کی طرح تیرے ساتھ چھینا جھپٹی کرتے ہیں کہ تیرا مال صرف اسی کے قبضے میں رہے نہ وہ تیری طرف سے اس میں سے صدقہ دے گی اور نہ تجھے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں خرچ کرنے دے گی اور تیری بیوی تو کتیا کی طرح کبھی دم ہلا کر چاپلوسی کرتی ہے اور کبھی بھونکتی ہے اور وہ دوسرے وارث، سو بخدا ان کو ایک درہم جو تیرے مرے پیچھے ملے گا وہ تیری زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔ رہا تیرا خادم سو وہ لومڑی کی طرح ہر وقت حیلہ سازی اور چوری میں لگا رہتا ہے پس ان میں سے کسی کے ساتھ محبت کی خواہش کرکے ان کی خاطر مال کو ذخیرہ مت کر اور اپنی پشت کو بوجھل نہ بنا کیونکہ وہ تیرے ساتھ خیانت پر کمربستہ ہیں۔ جب تجھے لحد میں رکھیں گے تو وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ کر اپنے کپڑوں کو خوشبو لگائیں گے اور عورتوں سے معانقہ کریں گے اور کھائیں پئیں گے اور تیرے مال کو ضائع کریں گے اور تو اس کے بدلے محاسبہ میں گرفتار ہو گا۔

عمل بالقرآن کے لیے مطالبہ نفس

سیدی شیخ ابوالمسعود الجارحیؒ نے مجھے بتایا کہ میں اپنے شیخ طریقت سید احمد مرحومیؒ کی ملاقات سے پہلے بیس سال تک متواتر ایک قرآن دن کو اور ایک رات کو ختم کرتا ہوں۔ پھر جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بات کی خبر دی تو انھوں نے کہا تو نے کچھ بھی حاصل نہیں کیا کیونکہ تو ختموں کی تعداد سے خوش ہوتا رہا اور اپنے نفس سے اس پر عمل کرنے کا مطالبہ

نہیں کیا۔ اس نے کہا ہاں ٹھیک ہے، پھر انھوں نے مجھے حکم دیا کہ ہر ایک آیت میں تدبر کرو اور اس پر عمل کرنے کے لیے اپنے نفس سے مطالبہ کرو پس اس کے بعد میں پہلے کی نسبت سے دسویں حصہ تک بھی نہیں پڑھ سکتا۔

ہر روز محاسبہ کرو

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے فرمایا ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ ہر رات یہ فکر کرے کہ دن کو کیا کیا ہے اور ہر روز یہ خیال کرے کہ رات کو کیا کیا ہے یعنی اپنا محاسبہ کرتا رہے اگر دین کے کاموں میں ترقی نظر آئے تو حق تعالیٰ کا شکر بجالائے اور اس کام پر استقامت سے ڈٹ جائے اور اگر خدانخواستہ دین کے کاموں میں نقصان یا خرابی نظر آئے تو توبہ کرے اور پھر اس کام کے نزدیک نہ جائے جو شخص ایسا عمل کرے گا کل قیامت کے دن حساب کتاب سے محفوظ رہے گا اس کے ساتھ کوئی محاسبہ نہ کیا جائے اگر محاسبہ کیا بھی جائے گا تو بہت مختصر اور آسان ہوگا کیونکہ اس نے دنیا میں رہ کر اپنا محاسبہ کرلیا ہے، دوسری بار اس سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔ جس شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح کوئی آدمی راستے میں جارہا ہے اور قوی امید رکھتا ہے کہ اس کا پاؤں نہیں پھسلے گا لیکن پھر بھی وہ پھسل جاتا ہے اور گرجاتا ہے لیکن اس کے فوراً بعد کھڑا ہو جاتا ہے لیکن اس گرنے سے وہ پشیمان ہوتا ہے اور دوسری بار گناہ نہ کرنے کا عزم کرلیتا ہے اور سلامت نکل جاتا ہے اس وجہ سے اس کا وہ گرجانا گرنا نہیں ہوتا اور اس کو اس سے ملامت کیا جاتا ہے۔

محاسبہ اور مراقبہ

حضرت سید کبیر احمد رفاعیؒ نے فرمایا ہے کہ محترم! اس قدر ڈرنا چاہیئے کہ یہ محاسبہ بن جائے اور اس قدر محاسبہ کرنا چاہیئے کہ وہ مراقبہ (نگرانی) ہو جائے اور ایسا مراقبہ ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور فکر میں مداومت حاصل ہو جائے۔

ہمارے دور میں وہی ایماندار قابلِ رشک ہے جس نے اپنے دور کو سمجھ لیا، اپنی

زبان کی حفاظت کی، اپنی حالت کو پختہ رکھا اور نیک لوگوں میں سے رہا۔

میں نے شیخ عبدالملک خرنوتی قدس سرہٗ سے عرض کیا، مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اے احمد! دوسری جانب التفات رکھنے والے کو رسائی حاصل نہیں ہوتی، شک کرنے والے کو فلاح حاصل نہیں اور جو اپنا نقصان نہ سمجھے ان سب کے اوقات برباد ہیں ایک برس تک حضرت شیخ کی اس نصیحت کو دہراتا رہا جب بھی میرے دل کو کھٹکا آتا میں اس نصیحت کو یاد کرتا تو وہ جاتا رہتا۔

دوسرے سال میں نے حضرت شیخ کی اطاعت میں باہر آنے کا ارادہ کیا تو دوبارہ عرض کیا میرے آقا! مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اے احمد! طبیب کو بیماری کس قدر بُری بات ہے۔ عقلمند کو جہالت کس قدر بیہودہ ہے اور دوستوں پر ستم کس قدر غلط کام ہے۔

میں باہر آیا اور ایک سال تک اپنے سامنے اس نصیحت کو دہراتا رہا اور اس وصیت سے مستفید ہوا۔

حق بات یہ ہے کہ ایک عارف، عالم، اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اور اپنے آپ پر محاسبہ اور مراقبہ کے ذریعے کس قدر عظیم سیاسی بصیرت سے کام لیتا ہے جب کوئی کلام کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کی پڑتال کر کے زبان ہلاتا ہے اگر اس میں بھلائی دیکھے تو بات کرتا ہے ورنہ منہ بند کر لیتا ہے اسی لیے کہ روایات میں ہے۔

حکایت حماد قرشی کا فرمان ہے کہ ایک بار ادائیگی حج کے دوران میں نے ایک عمدہ سا رومال لیا پھر اس رومال کے دو حصے کر کے ایک حصہ پہن لیا، اور دوسرا حصہ اوڑھ لیا، پھر جب دورانِ حج میری ضروریات بڑھیں تو اس قیمتی رومال کے خریدنے کی طرف میرا دھیان گیا۔ اس گمان کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے ایک ایسی وادی دکھائی جو چاندی سے بھری ہوئی تھی۔ یہ چاندی اللہ کی جانب

سے میرے لیے اشارہ تھا اس اشارے پر میں بے حد پریشان ہوا۔ اور اللہ کے حضور میں التجا کی کہ اے زمین و آسمان کے مالک و خالق! مجھے صرف تیری ہی طلب درکار ہے۔ مجھے اپنی طلب سے باہر نہ فرما، مجھے اپنے عزیز دوستوں کے اسی گروہ میں شامل رکھ جو تجھ سے تیرے سوا کچھ طلب نہیں کرتے، مجھے تیری راہ سے روکنے والی ہر شے اور ہر چیز سے گزر جانے کی ہمت عطا فرما۔ مجھے دنیاوی وسوسوں اور خواہشوں سے کلی طور پر پاک اور مبرّا کر دے۔ میں تیری ہی راہ میں تیرے ہی لیے آتا ہوں تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ مجھے اپنی ملکیت ہی میں پناہ دے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کا ارشاد

ایک مرتبہ حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کی مجلس میں محاسبے کے موضوع پر گفتگو شروع ہوئی۔ سید تنبیھے شاہ نے عرض کیا کہ بُری خصلتوں سے کس طرح بچا جا سکتا ہے؟ خواجہ شمس العارفینؒ نے فرمایا، سالک کو چاہیئے کہ سوتے وقت محاسبہ کرے کہ صبح سے اس وقت تک میں نے کون کون سے نیک کام اور کون کون سے بُرے کام کیے ہیں۔ اگر نیکی بڑھ جائے تو الحمد للہ کہے اور اگر بدی بڑھ جائے تو استغفار پڑھے تاکہ قیامت کے دن اسے آسانی رہے۔

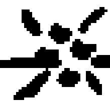
کتاب "عین العلم" میں مذکور ہے کہ دن کے آخری حصے میں یا ہر ساعت کے آخری حصے میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہا کرو۔ محاسبہ یہ ہے کہ اچھے یا بُرے اعمال کے بعد ان کا جائزہ لیا جائے

حضرت عمر فاروق رضؓ کا ایک قول ہے کہ اپنے نفس کا محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ خود تمھارا محاسبہ کیا جائے۔

حضرت سلطان باہوؒ کا قول

حضرت سلطان باہورحؒ کا فرمان ہے کہ اے باہو! تو نہ زاہد و متقی اور نہ پرہیزگار

اور عاشق حقیقی ہے اور نہ استغراق فنا فی اللہ کے ساتھ قائم اللیل ہے اور اے باہو تو اپنے نفس پر تجسّس اور محاسبہ کرتا رہ ۔ اور اس کا قہر سے جہاد کر کے غازی بن ۔ اور ہر دم خدا تعالیٰ سے راضی رہ کر "یار با یار ، اغیار با اغیار" (یار تو یار کے ساتھ مشغول ہوتا ہے اور غیر غیروں کے ساتھ) کی مثال صادق آئے اور ہرگز سرکشی کے لیے حیلہ و حجت نہ کر ۔



خزینۂ اخلاق

ہم مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ دُنیائے اخلاق کی بنیاد کتاب و سنت اور سیرتِ اولیاء ہے لہٰذا غیروں نے جو اخلاق سیکھا ہے وہ مسلمانوں سے سیکھا ہے ۔ دوسری طرف ہم اپنی کتابوں میں غیر مسلم ہندو، سکھ، عیسائی اور یہودیوں کے اقوال درج کر کے ان کو اسلام کے ہم پلّہ ثابت کرتے ہیں، لیکن اس کتاب میں صرف قرآن، احادیث، اولیاء اور اکابرین کا اخلاق پیش کیا گیا ہے تاکہ مسلمان سرمایہ مسلمانی کو پہچان سکے ۔

باب ۱۳

امر بالمعروف

امر بالمعروف کا مطلب نیکی کا حکم دینا ہے۔ یوں تو دوسروں کو نیکی اور بھلائی کی طرف رغبت دلانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ یعنی جسے جو بات بھی دین کی معلوم ہوا سے دوسروں تک پہنچا دے جیسا کہ ماں باپ کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو نیک اعمال یعنی نماز و روزہ کی تلقین کریں ایسے ہی خاوند پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نیکی کی دعوت دے۔ اور مالکوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے نوکروں کو نیکی اور بھلائی کی طرف رغبت دلائیں۔ مگر اولیاء اور صوفیاء پر اس فریضے کا اطلاق عام لوگوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کا فرض ہے کہ جب ان کا تزکیہ نفس ہو جائے، ان کا علم عین الیقین تک پہنچ جائے، سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے مقامِ فنا سے نکل کر منزلِ بقا پر فائز ہو جائیں یعنی عارف کامل بن جائیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ اب وہ دوسروں کو امر بالمعروف کی دعوت دیں۔ قول و فعل اور اخلاق و محبت سے دوسروں کی اصلاح کریں، خدمتِ خلق اور دکھی انسانوں کی مدد سے لوگوں کے دلوں میں اللہ کے بندوں کا تقدس قائم کریں تاکہ لوگ نیک اعمال اپنائیں، اور برائیوں سے بچیں۔

منازلِ ولایت میں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی منزل بڑی اہم ہے کیونکہ عام آدمی کے وعظ و تبلیغ سے اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا کہ اللہ کے بندوں کا ہوتا ہے کیونکہ ان کے کہنے میں اللہ کی مدد شاملِ حال ہوتی ہے ان کی نگاہ کیمیا اثر ہوتی ہے وہ جس حق کی طرف دعوت دینے ہیں دل سے دیتے ہیں ان کی تبلیغ میں رضائے الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

وہ خود عمل کی کٹھیالی سے نکلے ہوتے ہیں، ان کی رگ رگ میں حب الٰہی اور عشق رسول ہوتا ہے ان کی باتیں عمل اور محبت کا آئینہ ہوتی ہیں، ان کی دعائیں بارگاہ رب العزت میں قبول ہوتی ہیں اس لیے ان کی ہر بات اثر کرتی ہے اور ان کی تبلیغ عام علماء کی نسبت مؤثر ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام کی اشاعت میں اولیاء اور صوفیاء کا خاطر خواہ حصہ ہے۔

درحقیقت دین اسلام کا اصل مقصد یہی ہے کہ اہل دنیا کو نیکی کی ترغیب دی جائے اور بُری باتوں سے روکا جائے۔ اپنوں اور غیروں میں اسلام کا چرچا کیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی لیے مبعوث فرمائے گئے تاکہ اہل دنیا کو راہِ حق کی طرف بلائیں۔ آپ نے یہ فریضہ بڑے کمال سے سرانجام دیا۔ عقائد و عبادات اور اخلاق و معاملات کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صورت میں مکمل کر دیا۔ صالح اعمال جن کو ایک مسلمان نے سرانجام دینا ہے ان تمام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے واضح کر دیا ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام برائیوں اور گناہوں سے بھی مطلع کر دیا ہے جن سے ہر مسلمان کا بچنا ضروری ہے۔ نیز زندگی کے ہر شعبے کے اصول اور ضابطے بتا دیے تاکہ مسلمان دنیا کا ہر کام بہتر طریقے سے کر سکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ فریضہ آپؐ کے صحابہؓ نے انجام دیا، ان کے بعد یہ فرض اولیاء اور صوفیاء نے سنبھال رکھا ہے اگرچہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ دین اسلام کی جو باتیں وہ جانتا ہے دوسروں تک پہنچا دے مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ بننا چاہے اس کے لیے اشد ضروری ہے کہ وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اور اس کے دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے کوشاں رہے رات دن میں جو موقع پائے اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص علم رکھتے ہوئے بلا عذر فریضہ تبلیغ سے کوتاہی کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے لیے ہے غیر مسلموں کو دینِ اسلام کے بنیادی اصولوں سے آگاہ کیا جائے تاکہ مذہب اسلام کی حقانیت سے

واقف ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں۔ مسلمان بھائیوں کو دین کے اصولوں کی طرف راغب کیا جائے۔ جو نیک کام وہ نہیں کرتے ان کی طرف ان کی توجہ دلائی جائے تاکہ نیکیاں پھیلیں اور برائی کا خاتمہ ہو۔

احکامِ الٰہی

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔

(صالحین) اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک کاموں کی ترغیب دیتے ہیں اور برائیوں سے منع کرتے ہیں اور نیک اعمال میں جلدی کرتے ہیں اور ایسے اوصاف والے ہی صالحین ہیں۔ (پ ۴۔ آل عمران ۱۱۴)

صالحین یعنی اولیاء اور صوفیاء کا وصف ہے کہ وہ استقامتِ ایمان کے بعد تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔

تقاضائے دوستی مسلمانوں کی آپس میں دوستی کا تقاضا ہے کہ وہ آپس میں امر بالمعروف کی دعوت دیتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے اور نماز پڑھتے، اور زکوٰۃ دیتے اور خدا اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر خدا رحم کرے گا۔ اور

سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ بیشک خدا غالب حکمت والا ہے۔

(پ ۱۰، توبہ ۷۱)

اولیائے کاملین پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا سایہ ایک حلقہ کی صورت میں ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ اللہ کی پناہ میں ہوتے ہیں اور اللہ کی توفیق سے نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل طور پر اتباع کرتے ہیں لہٰذا جو بندہ ان کی صحبت میں جاتا ہے وہ بھی اسی رحمت کے حلقے میں داخل ہو جاتا ہے۔ جونہی وہ اس رحمت کے قریب ہوتا ہے تو اللہ کے بندوں کی توجہ سے دل کی کیفیت بدلتی ہے، دل برائیوں کو ترک کر دیتا ہے۔ اور نیک اعمال کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ اولیاء کی نظر کیمیا سے لوگ نیکیاں کرنے لگتے ہیں۔

اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور انداز میں یوں بیان فرمایا ہے:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، تسبیح و تحمید کرنے والے (خدا کی راہ میں) سفر کرنیوالے رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے نیکی کی طرف رغبت دلانے والے، برائی سے باز رکھنے والے اور اللہ نے جو حدیں باندھ رکھی ہیں ان کی حفاظت کرنے والے اور ایسے مومنوں کے لیے خوشخبری ہے۔ (پ ۱۱، توبہ ۱۱۲)

اللہ کے بندوں کی یہ خوبی ہے کہ وہ تائب، عابد، حامد، سیاح، ساجد، امر بالمعروف کی تلقین کرنے والے اور برائیوں سے منع کرتے والے ہوتے ہیں اور اس طرح وہ اللہ کی حدوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔

فلاح پانے والی جماعت

امتِ مسلمہ فلاح پانے والی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ	اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو لوگوں
اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	کو نیکی کی دعوت دے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ	اور برے کاموں سے منع کرے، یہی لوگ نجات
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝	پانے والے ہیں۔ (پ ۴، آل عمران ۱۰۴)

مسلمان دنیا کی بہترین امت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے منتخب کر رکھا ہے کیونکہ اس امت کی خوبی یہ ہے کہ مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں، پھر خاص کر اس امت سے اولیاء اور صوفیاء اللہ تعالیٰ کی قربت والے بندے ہیں جو اللہ کو بہت پسند ہیں کیونکہ انھوں نے اللہ کی عبادت اور اطاعت سے اللہ کی معرفت کا مقام حاصل کیا ہوتا ہے اور وہ تبلیغ کا فریضہ بڑے احسن انداز سے سرانجام دیتے ہیں اس لیے یہ امت فلاح پائے گی اس بات کی اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر یوں تائید فرمائی ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ	تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کیے
لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	گئے ہو، نیک کام کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ	روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ	(پ ۴، آل عمران ۱۱۰)

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے امت خیر کا خطاب دیا ہے کیونکہ لوگوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ یہ امت بہت اچھی طرح ادا کرتی ہے۔

حضرت لقمانؑ کی بیٹے کو نصیحت

قرآن کریم میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی اس نصیحت کا یوں ذکر کیا ہے جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی:-

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ	پیارے بیٹے! نماز پڑھ اور نیکی کی ترغیب دے۔

وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ — اور برائی سے روک، اور جو مصیبت تجھے پہنچے اس پر صبر کر۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ (پ ۲۱، لقمان ۱۷)

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹا نماز قائم کرو تاکہ تم میں اچھی خوبیاں پیدا ہوں اس کے بعد خود نیک اعمال پر گامزن ہو کر دوسروں کو نیکی کی طرف بلاؤ اور برے کاموں سے ان کو روکو۔ اس فریضہ کی ادائیگی میں بیشمار مصیبتوں سے واسطہ پڑے گا ان کو صبر سے برداشت کرو۔ اس طرح تمہارا شمار با عظمت لوگوں میں کیا جائے گا۔

نیکی اور تقویٰ میں تعاون

نیکی اور تقویٰ میں تعاون کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے کہ:۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۝ — اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں باہم مدد کیا کرو اور گناہوں اور لوگوں پر زیادتی کرنے میں باہم مدد نہ کیا کرو۔ (پ ۵، مائدہ ۲)

نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا درحقیقت دوسروں کو نیکی کی طرف مائل کرنا ہے اور یہ بات امر بالمعروف میں شمار ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نیکیوں میں تعاون اور گناہوں میں عدم تعاون کا حکم دیا ہے۔

نیکی کا حکم دو

درگزر کرنے اور نیکی کا حکم دینے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ — درگزر اختیار کرو، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔ (اعراف ۱۹۹)

تبلیغ میں جو لوگ دکھ اور تکلیف دیں ان سے درگزر کرو اور انھیں مسلسل نیک کام کرنے کا حکم دیتے رہو اور اگر کوئی لوگوں میں جاہل ہو تو اس سے الجھنے کی کوشش نہ کی جائے۔

بلکہ اسے دعوتِ دین دے کر ان سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔

ارشاداتِ نبویؐ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مندرجہ ذیل ہیں:۔

تبلیغ کا ثواب حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہدایت کی طرف بلانے والے کے لیے اس کی پیروی کرنے والوں کے برابر ثواب ہے جبکہ ان کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں ہوتی اور برائی کی طرف بلانے والے کو اتنا ہی گناہ ہوتا ہے جتنا اس کی پیروی کرنے والوں کو ہوتا ہے جبکہ ان کے گناہوں سے بھی کچھ کمی واقع نہیں ہوتی۔ (مسلم)

دین کو سمجھو اور سمجھاؤ حضرت ابوموسیٰ رضہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا گیا ہے وہ بارش کی طرح ہے جو زمین پر برستا ہے۔ اس میں سے اچھے ٹکڑے نے بارش کو قبول کیا تو گھاس اور بہت سبزہ اگایا۔ کچھ حصہ سخت تھا جس نے پانی کو روکا پس اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ لوگوں کو نفع بخشا انھوں نے اس نے خود بھی پیا، دوسروں کو پلایا اور کھیتی باڑی کی۔ ایک اور حصہ زمین جس کو پانی پہنچا، چٹیل میدان تھا، نہ وہ پانی کو روکتا ہے اور نہ ہی گھاس اگاتا ہے۔ یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے دین کو سمجھا اور اس چیز کے ساتھ (لوگوں کو) نفع پہنچایا۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا۔ اس نے خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی سکھایا۔ اور اس کی مثال بھی یونہی ہے جس نے اس کی طرف توجہ نہ کی، اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو قبول نہ کیا جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا۔ (مسلم)

اسلام کی دعوت دینے کا حکم

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل میں یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو اس سے محبت ہے۔ لوگوں نے رات بحث مباحثہ میں گزاری کہ جھنڈا کس کو دیا جائے گا۔ بوقتِ صبح بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے ہر شخص کو امید تھی کہ جھنڈا اسے عطا کیا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا علی بن ابی طالبؓ کہاں ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو پیغام بھیجو۔ چنانچہ وہ لائے گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا اور ان (کی صحت) کے لیے دعا فرمائی۔ چنانچہ وہ تندرست ہو گئے، گویا کہ انھیں درد تھا ہی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جھنڈا مرحمت فرمایا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا میں ان سے اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک کہ وہ ہماری مثل نہ ہو جائیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ باوقار طریقے پر جاؤ یہاں تک کہ ان کی زمین پر اترو، پھر انھیں اسلام کی طرف بلاؤ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عائد شدہ فرائض سے ان کو خبردار کرو۔ پس قسم بخدا! اگر اللہ تعالیٰ تمھارے ہاتھوں ایک آدمی کو بھی ہدایت عطا فرمائے تو یہ سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

تبلیغ دین میں تعاون

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ اسلم کے ایک نوجوان نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں لیکن میرے پاس سامانِ جہاد نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ فلاں شخص کے پاس جاؤ اس نے سامان تیار کیا لیکن بیمار ہو گیا۔ چنانچہ وہ شخص آیا اور کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم نے جو سامانِ جہاد تیار کر رکھا ہے مجھے دیدو اُنھوں نے اپنی بیوی سے کہا اے فلاں! میرا تمام تیار شدہ سامانِ جہاد انھیں دے دو اور

اس سے کچھ بھی نہ روکنا۔ اللہ کی قسم! تم اس سے کچھ نہیں روکو گی تو اس میں ہمارے لیے برکت ہوگی۔ (مسلم)

بُرائی کو روکنے کا حکم

حضرت ابو سعید خدری رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے بدل ڈالے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اور یہ بھی نہ کر سکے تو دل ہی سے بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ (مسلم)

امر بالمعروف کا فریضہ

حضرت حذیفہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تمھیں لازماً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا ہوگا ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے پھر تم اسے پکارتے رہو گے لیکن تمھاری دعا قبول نہ ہوگی (ترمذی)

تبلیغ نہ کرنے کی سزا

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا، ایک آدمی قیامت میں لایا جائے گا، پھر اسے جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا تو اس کی آنتیں باہر نکل پڑیں گی تو وہ انھیں لے کر اس طرح چکر کاٹے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر کاٹتا ہے۔ اہل جہنم اس کے پاس جمع ہوں گے اور کہیں گے اے فلاں! تجھے کیا ہوا، کیا تو بھلائی کا حکم نہ دیتا تھا اور برائی سے نہ روکتا تھا؛ وہ کہے گا ہاں میں بھلائی کا حکم دیتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا اور برائی سے روکتا تھا لیکن خود اس کا مرتکب ہوتا تھا۔ (بخاری ومسلم)

نیکی کی طرف بلانے کا اجر

حضرت ابوہریرہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی کو نیکی کی طرف بلایا تو اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اس عمل کرنے والے کو ملا ہے اور اس عمل کرنیوالے

کے اجر میں کمی نہیں کی جائے گی اور اگر کسی شخص نے کسی کو برائی کی طرف متوجہ کیا تو اس کو بھی اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا گناہ برائی کرنے والے کو ہوگا اور اس کے گناہ میں سے اس کا گناہ مجرا نہیں کیا جائے گا۔ (مسلم)

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ لوگوں کی ہیبت تجھے حق بولنے سے نہ روکے جب معلوم ہو تو کہہ دے۔ (ترمذی)

بھلائی کے کام کرو

ابو بردہ بن ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مجھ سے فرمایا کیا تمھیں معلوم ہے کہ میرے ابا جان نے تمھارے ابا جان سے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ میرے ابا جان نے تمھارے ابا جان سے کہا تھا کہ اے ابو موسیٰ! کیا یہ بات آپ کو خوش کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہمارا مسلمان ہونا، ہجرت کرنا، جہاد کرنا اور دیگر سارے اعمال بجالانا باقی رکھا جائے۔ اور جتنے عمل ہم نے حضورؐ کے بعد کیے ہیں ان کو برابری پر چھوڑ دیا جائے۔ آپ کے والد ماجد نے میرے والد ماجد سے کہا کہ خدا کی قسم نہیں! ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جہاد کیا، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، بھلائی کے کتنے ہی کام کیے اور بکثرت لوگوں نے ہمارے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا۔ ہم ان پر بھی امید رکھتے ہیں۔ میرے والد محترم نے کہا لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں عمرؓ کی جان ہے، میں تو یہی چاہتا ہوں کہ ہمارے وہی برقرار رکھے جائیں اور جتنے کام بھی ہم نے حضورؐ کے بعد کیے ہیں ان میں برابری کی سطح پر نجات پا جائیں۔ میں نے کہا کہ آپ کے والد ماجد کا انداز فکر میرے والد محترم سے بہتر تھا۔ (بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ

حضرت عیاض بن حمار مجاشعیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنے خطبے میں فرمایا آگاہ رہو کہ تمھارے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھیں وہ باتیں سکھاؤں جو تمھیں معلوم نہیں، جن میں سے آج مجھے یہ تعلیم دی ہے۔ ہر وہ مال جو میں نے بندے کو دیا حلال ہے

اور میں نے سب بندوں کو خدا کی طرف رجوع کرنے والا بنایا ہے۔ بندوں کے پاس شیطان آتے ہیں اور انھیں ان کے دین سے پھیر دیتے ہیں اور وہ چیزیں ان پر حرام کر دیتے ہیں جو میں نے ان پر حلال کی ہیں اور انھیں حکم دیتے ہیں کہ میرے ساتھ شرک کریں جس کے لیے کوئی دلیل نہیں اتاری گئی اور اللہ نے زمین والوں کی طرف دیکھا تو عرب و عجم والوں کو مبغوض رکھا۔ سوائے باقی اہل کتاب کے۔ اور فرمایا کہ میں نے تمھیں بھیجا ہے کہ تمھارا امتحان لوں اور تمھارے ذریعے امتحان لوں اور تمھارے ساتھ میں نے کتاب اتاری ہے جس کو پانی نہیں دھوتا جس کو تم سوتے اور جاگتے پڑھتے ہو بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ قریش کو جلادوں میں عرض گزار ہوا کہ پھر تو وہ میرا سر کچل دیں گے اور اسے روٹی بنا چھوڑیں گے۔ فرمایا کہ تم انھیں وطن سے نکال دو جیسے تمھیں نکالا تھا ان سے جہاد کرو ہم جہاد کی طاقت دیں گے۔ خرچ کرو کہ ہم تمھارے اوپر خرچ کریں گے۔ تم ایک لشکر بھیجو تو ہم اسی کے برابر پانچ بھیجیں گے۔ اور فرمانبرداروں کو لے کر نافرمانوں کو قتل کرو۔ (مسلم)

سرورِ دو عالم کا فرمان

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رض سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت سے تبلیغ کرو۔ اگرچہ ایک آیت ہو اور بنی اسرائیل سے (مروی ان کے واقعات) بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں اور جس نے جان بوجھ کر مجھ سے جھوٹ منسوب کیا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے (بخاری شریف)

اللہ کے عذاب کی وجہ

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالےٰ خواص کو عوام کے گناہوں کے سبب سے عذاب میں مبتلا نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ کوئی برائی ان میں دیکھیں اور وہ اس کے روکنے پر قدرت رکھنے کے باوجود اس برائی کو نہ روکیں تو البتہ اللہ انھیں عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے

(احمد)

نفع بخش عمل

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کا ہر کلام اس کے لیے وبال ہے اس کو اس کا کوئی نفع نہیں ملتا سوائے نیکی کے حکم کرنے اور برائی سے روکنے اور ذکر الٰہی کے۔ (ابن ماجہ)

اللہ کی عدالت میں پڑوسی کا دعویٰ

ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص اپنے پڑوسی کے خلاف بارگاہِ خداوندی میں دعویٰ کرے گا۔ یا اللہ! دنیا میں یہ میرا پڑوسی تھا اور اس نے میرے ساتھ خیانت کی، دوسرا شخص جواب میں عرض کرے گا اے اللہ! تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم! میں نے نہ کبھی اس کے مال میں کوئی خیانت کی اور نہ اس کے اہل میں۔ مدعی (دعویٰ کرنے والا) عرض کرے گا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ اس نے میرے مال اور اہل کے بارے میں کوئی خیانت نہیں کی لیکن یہ مجھے گناہوں اور برائیوں میں مبتلا دیکھتا تھا مگر پھر بھی مجھے سنبھالنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اسی جرم کی بنا پر اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں بھیج دے گا۔

حدیثِ قدسی

حدیث قدسی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے اے انسان! اس جیسا نہ بن جو توبہ میں تاخیر کرتا ہے، امیدیں طویل رکھتا ہے اور بغیر کسی عمل کے آخرت کی طرف لوٹتا ہے، باتیں نیکوں کی کرتا ہے، عمل منافقوں جیسا کرتا ہے اگر اسے دے دیا جائے تو قناعت نہیں کرتا اگر نہ دیا جائے تو صبر نہیں کرتا، وہ دوسروں کو برائیوں سے روکتا ہے مگر خود نہیں رکتا۔ (مکاشفۃ القلوب)

افضل عمل

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا مشرکین سے جنگ کے بغیر بھی جہاد ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! اے ابوبکرؓ! اللہ تعالیٰ کے ایسے مجاہدین بھی زمین پر ہیں جو کہ ان شہداء سے افضل ہیں جو زندہ ہیں، انھیں روزی ملتی ہے۔ یہ زمین پر چل رہے

ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ آسمان کے فرشتوں کے سامنے فخر فرماتا ہے ان کے لیے جنت سجائی جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا نیکی کا حکم کرنے والے، برائی سے روکنے والے، اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دشمنی رکھنے والے۔ پھر ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے (بندہ بلند ترین مکان میں ہوگا جو شہداء کے مکانات سے بلند ہوگا۔ ہر مکان کے تین سو دروازے ہوں گے۔ یاقوت اور سبز زمرد کے ہر دروازے پر روشنی ہوگی۔ ایسا آدمی تین لاکھ حوروں سے نکاح کرے گا جو انتہائی پاکباز اور خوبصورت ہونگی۔ جب بھی وہ کسی ایک کی طرف دیکھے گا تو وہ کہے گی کہ آپ نے فلاں دن اللہ کا ذکر کیا اور آپ نے اس طرح نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا۔ الغرض جب بھی کسی حور کی طرف دیکھے گا تو وہ نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کی وجہ سے اس کا ایک اعلیٰ مقام بتائے گی۔ (مکاشفۃ القلوب)

مسلمان کا فرض نیکی کا حکم دینا ہے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ مجھے ایسا عمل سکھا دیجیے جو جنت میں داخل کر دے۔ فرمایا تم نے کلام مختصر کیا مگر سوال معناً وسیع ہے۔ غلام آزاد کرو اور گردن چھڑاؤ۔ عرض کی کہ دونوں ایک نہیں ہیں؟ فرمایا نہیں، کیونکہ نہیں ہے آزاد کرنا مگر جب تم آزاد کرنے میں اکیلے ہو۔ اور گردن چھڑانا یہ ہے کہ تم اس کی قیمت میں مدد دو۔ اور دودھ دینے والا جانور دینا اور ظالم ذی رحم پر بھی مہربانی کرنا۔ اگر یہ نہ کر سکو تو بھوکے کو کھانا کھلانا۔ پیاسے کو پانی پلانا۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔ اگر یہ بھی نہ کر سکو تو اپنی زبان پر نہ لاؤ، مگر اچھی بات۔ (بیہقی، شعب الایمان)

مظلوم کی مدد کی تلقین

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ظلم سے قتل کیا جا رہا ہو تو تو اس کے پاس مت کھڑا ہو،

کہ جو کوئی اس موقع پر موجود رہتے ہوئے اس کی آفت کو نہ ٹالے (اس کو قتل ہونے سے نہ بچائے) اس پر لعنت برستی ہے۔ اور اگر کوئی شخص ظلم سے پیٹا جا رہا ہو تو اس کے پاس کھڑا نہ ہو کہ جو کوئی اس کے پاس کھڑا رہے اور اس پر سے ظلم کو نہ روکے تو اس پر لعنت برستی ہے۔ (بیہقی)

حق بات کہنے کی تاکید

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مقام پر موجود ہو تو اسے حق بات کہنے سے باز نہیں رہنا چاہیئے۔ کیونکہ حق بات کہنے سے وقت مقررہ سے پہلے اسے موت نہیں آئے گی اور نہ ہی رزقِ مقررہ سے محروم ہو گا۔ (بیہقی)

برائیوں کو ناپسند کرو

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب زمین میں اللہ کی نافرمانیاں ہو رہی ہوں تو جو شخص وہاں موجود ہو اور انھیں ناپسند کرے تو وہ گویا ان (نافرمانوں) سے الگ ہے مگر جو شخص وہاں موجود نہ ہو لیکن ان کو پسند کرتا ہو تو وہ گویا ان میں شامل ہے۔ (ابوداؤد)

قربِ قیامت کے مبلّغ

حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانے میں میری امت کے لوگوں کو ان کی حکومتوں کی طرف سے سخت تکلیفیں پہنچیں گی۔ ان حالات میں نجات صرف وہی شخص پا سکے گا جو اللہ کے دین کو سمجھے اور پھر دین کی روشنی میں زبان، ہاتھ اور دل تمام قوتوں کے ساتھ اس ظالم کے خلاف جدوجہد کرے۔ یہ وہ شخص ہے جو پوری طرح سبقت لے گیا۔ دوسرا وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا اور اس کی تصدیق کی۔ تیسرا وہ شخص جو اللہ کے دین کو پہچانے اور اس پر اسی طرح چپ رہے کہ جب کہیں بھلائی ہوتی دیکھے تو خوش رہے اور کہیں برائی ہوتی دیکھے تو ناخوش رہے۔ یہ سب اپنی اندرونی حالت کے باعث نجات پا جائیں گے۔ (بیہقی)

ترکِ تبلیغ ناپسندیدہ عمل ہے

حضرت سیدنا قتادہؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ آپؐ مکہ شریف میں تھے۔ کہنے لگا کہ آپ ہی ہیں جو اللہ کا رسول ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہاں! سائل نے پوچھا اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے؟ ارشاد فرمایا اللہ پر ایمان لانا۔ پوچھا پھر کونسا؟ ارشاد ہوا۔ صلہ رحمی کرنا یعنی رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔ عرض کیا پھر کونسا؟ ارشاد فرمایا بھلائی کی تلقین کرنا اور برائی سے روکنا۔ پھر پوچھا کہ حق تعالیٰ کے یہاں سب سے ناپسند عمل کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا شرک کرنا۔ سائل نے عرض کیا، پھر کونسا؟ آپؐ نے فرمایا قطع رحمی کرنا یعنی رشتہ داروں سے تعلقات توڑنا۔ سائل نے پوچھا اس کے بعد کونسا عمل بُرا ہے؟ آپؐ نے فرمایا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دینا۔ (تنبیہ الغافلین ص ۹۵)

اظہارِ عمل کا اجر

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں چھپ کر کوئی عمل کرتا ہوں مگر وہ کسی طرح ظاہر ہو جاتا ہے جس پر میرا جی بھی خوش ہوتا ہے، کیا مجھے اس میں اجر ملے گا؟ فرمایا تجھے اس کے چھپانے کا اور اظہار کا بھی اجر ملے گا۔

حضرت ابو اللیث سمرقندیؒ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ عمل ظاہر ہو جاتا ہے لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں تو اس طرح اس کو دو اجر ملیں گے۔ ایک اپنے عمل کا، دوسرا لوگوں کے لیے نمونہ بننے کا۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص کسی اچھے کام کی طرح ڈالتا ہے تو اس اچھائی کا تو اجر ملے گا ہی اس کے علاوہ ان تمام لوگوں کا بھی جو قیامت تک اس اچھائی کی پیروی کریں گے اور جو شخص کسی برائی کو چالو کرتا ہے تو اس پر اس برائی کا وبال بھی ہوگا اور ان لوگوں کا بھی جو قیامت تک اس کے پیچھے چلیں گے۔ اگر وہ شخص محض اپنی نیکی کے اظہار پر خوش ہو رہا ہے نہ کہ اس پر کہ لوگ ان کی

چل پڑے ہیں تو اس صورت میں اس کے اجر کے ضائع ہونے کا ڈر ہے

اچھی بات کا حکم کرو اور بُری بات سے روکو ایک حدیث پاک میں وارد ہے کہ بنی اسرائیل نے جب گناہ کیے ان کے علماء نے منع کیا مگر وہ باز نہ آئے پھر علماء ان کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل بھی انھیں جیسے کر دیے۔ اور حضرت سیدنا داؤد و عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے ان پر لعنت کی۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اس کے بعد غم خوار امت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم! تم یا تو اچھی بات کا حکم کرو گے اور بری بات سے روکو گے اور ظالم کے ہاتھ پکڑ لو گے اور ان کو حق پر روکو گے اور حق پر ٹھیراؤ گے یا اللہ تعالیٰ تم سب کے دل ایک طرح کے کر دیگا۔ پھر تم سب پر لعنت کر دیگا جس طرح ان سب پر لعنت کی۔ (ابوداؤد)

احوال و آثار

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب! اس شخص کا بدلہ کیا ہوگا جس نے اپنے بھائی کو بلایا۔ اسے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا؟ رب نے فرمایا اس کے ہر کلمہ کے بدلے سال کی عبادت لکھ دی جاتی ہے اور میری رحمت کو اسے جہنم میں جلاتے ہوئے حیا آتی ہے۔

حضرت یوشع بن نون کی طرف وحی اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں تیری قوم سے چالیس ہزار نیک آدمی اور ساٹھ ہزار بدکار ہلاک کروں گا۔ یوشع علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ! بدکار تو ہلاک ہوئے مگر نیک کیوں ہلاک ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیونکہ وہ میری ناراضی کے مواقع پر ناراض نہیں ہوتے بلکہ ان لوگوں کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔

حکایت سکیم بن منصورؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد منصور بن عمارؒ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ تو اُنھوں نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ پر کرم کیا اور مجھے بخشش دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا اے بدعمل! تجھے معلوم ہے کہ میں نے تجھے کیوں بخش دیا؟ میں نے عرض کیا نہیں! میرے رب نے فرمایا کہ تم نے ایک اجتماع میں اپنے رقت آمیز بیان میں حاضرین کو رُلا دیا تھا اور اس مجلس میں میرا ایک ایسا بندہ بھی تھا جو تمام عمر کبھی بھی میرے خوف سے نہیں رویا تھا مگر تمھارا بیان سن کر وہ بھی رونے لگا۔ تو میں نے اس بندے کی گریہ وزاری کی وجہ سے رحم فرما کر اس کو اور تمام اجتماع میں شامل لوگوں کو بخشش دیا اور اسی لیے تمھاری مغفرت بھی ہوگئی۔

(شرح الصدور)

حضرت لقمانؑ کا قول لقمان علیہ السلام فرماتے تھے یہ جھوٹ ہے کہ بُرائی بُرائی سے رُکتی ہے۔ اگر یہ سچ ہوتا تو آگ آگ سے بجھائی جاتی۔ کیا ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو بجھا سکتی ہے بلکہ برائی نیکی ہی سے رُکتی ہے جیسے آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے۔

نافرمانوں سے مخالطت حضرت ابوامامہؓ فرماتے تھے کہ اس امت میں سے بعض لوگ قیامت کو بندر اور خنزیر کی شکل میں اٹھیں گے کیونکہ وہ نافرمانوں سے میل جول رکھتے ہیں اور ان کو روکتے نہیں حالانکہ وہ انھیں روکنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ (میں کہتا ہوں) جب نافرمانوں سے مخالطت کرنے والوں کا یہ حال ہو حالانکہ وہ خود فاعل نہیں ہیں، تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کے اعضاء گناہ سے نہیں رکتے۔ ہم اللہ سے اس کی مہربانی طلب کرتے ہیں۔

مداہن کون ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی مرجائے اور ہمسائے اس کو بُرا نہ کہیں تو سمجھ لو کہ وہ مداہن تھا (میں کہتا

ہوں) فی الحقیقت مداہن وہ ہے جو لوگوں کو ایسی باتوں سے خوش کرے جن سے اس کے دین میں خلل ہو جیسا کہ مدارات لوگوں کو ایسی باتوں سے راضی کرنا ہے جن سے اس دنیا کو نقصان پہنچے۔ پس پہلی صورت حرام ہے اور دوسری مستحب۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دعوت دینا

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قیصر روم سے مقابلے اور اس کی فوج کی کثرت کے سلسلے میں یزید بن ابی سفیان کو لکھا "تمھارے خط سے خبر ملی کہ مسلمانوں کی فوج کا قیصر روم کے دل میں ایسا خوف چھایا ہے کہ وہ فلسطین، دمشق اور حمص سے بھاگتا ہوا اب انطاکیہ چلا گیا ہے۔ ہم کو وہ وقت یاد ہے جب ہم رسول اکرمؐ کے ہمراہ تھے تو خداوند تعالیٰ نے (جس کے ہم شکر گزار ہیں) ایک طرف تو مشرکوں کے دلوں میں خوف بھر دیا تھا، دوسری جانب فرشتوں کو بھیج کر ہماری مدد کی تھی۔ جس دین کے قیام کے لیے کل اللہ تعالیٰ نے رعب و ہیبت سے ہماری مدد کی تھی اسی دین کی ہم آج بھی دعوت دے رہے ہیں۔

امر بالمعروف کی ضرورت

امیرالمومنین عمر بن الخطابؓ فرماتے تھے عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں سے صالح وہ ہوگا جو نہ تو امر بالمعروف کرے اور نہ کسی کو برائی سے روکے۔ پس لوگ کہیں گے ہم نے اس سے نیکی ہی نیکی دیکھی ہے کیونکہ اس نے کبھی اللہ تعالیٰ کے لیے غضب نہیں کیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کا قول

امیرالمومنین حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے تھے کہ جو شخص میرے پاس میرے عیوب کا تحفہ لائے میں اس کے لیے اللہ کی رحمت کا طالب ہوتا ہوں۔

قرب قیامت کی علامت

امیرالمومنین حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اس میں برائی کو برا

کہنے والے تمام لوگوں کے دسویں حصے سے بھی کم ہوں گے اس کے بعد یہ دسواں حصہ بھی چلا جائے گا تو پھر کوئی بھی برائی کو برا کہنے والا نہ رہے گا۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کا ارشاد

حضرت حذیفہ بن یمانؓ فرماتے تھے کہ لوگوں پر عنقریب ایک زمانہ آئے گا جس میں لوگوں کی صحبت گدھے کے مردار کے مانند ہو گی بلکہ ان کے نزدیک گدھے کا مردار، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے مومن کی ہم نشینی سے زیادہ پسندیدہ ہو گا۔

حضرت عمرؓ کا فرمان

حذیفہ بن یمانؓ فرماتے تھے کہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس گیا تو میں نے ان کو متفکر اور غمگین دیکھا۔ میں نے دریافت کیا یا امیر المومنین آپ مغموم کیوں ہیں؟ آپ نے فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں کوئی گناہ کر بیٹھوں اور تم میں سے کوئی بھی میری تعظیم کے خیال سے مجھے اس سے نہ روکے حذیفہؓ نے فرمایا بخدا اگر ہم آپ کو حق سے دور دیکھیں گے تو ضرور روکیں گے اور اگر آپ نہ رکے تو آپ کو تلوار سے قتل کر دیں گے۔ پس حضرت عمرؓ خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میرے دوست ایسے بنائے ہیں کہ اگر میں کجروی کروں گا تو وہ مجھے سیدھا کر دیں گے۔

جنت الفردوس کے حقدار

حضرت سیدنا کعب الاحبارؓ فرماتے ہیں کہ جنت الفردوس خاص اس شخص کے لیے ہے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرے۔ (تنبیہ المغترین)

حضرت ابو درداءؓ کی نصیحت

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی ظالم سلطان مسلط کر دے گا جو نہ تمہارے کسی بڑے کی عزت کرے گا اور نہ چھوٹوں پر رحم کرے گا۔ پھر تم میں سے نیک لوگ اس پر بددعا کریں گے مگر وہ قبول نہ ہو گی اور تم

امداد طلب کرو گے تو تمھاری امداد نہ ہوگی اور استغفار کرو گے تو وہ بھی منظور نہ ہوگی۔

بڑا گناہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک بڑا گناہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو بطور نصیحت کہے کہ تو اللہ سے ڈر اور وہ اس کا جواب دے کہ تو اپنے آپ کو سنبھال۔

فعلِ بد کو روکو حضرت انس بن مالکؓ فرماتے تھے کہ جو کوئی سُنے کہ فلاں شخص فعلِ بد کا مرتکب ہے اور پھر وہ اسے نہ روکے تو قیامت کے روز وہ کٹے ہوئے کانوں والا بہرا ہوگا۔

بُرائی نہ روکنے میں ذلّت ہے حضرت جریر بن عبداللہؒ فرماتے تھے کہ کسی قوم میں ذی عزت لوگ اگر ایسی برائی کو نہ روکیں جس پر وہ قدرت رکھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل کر دیتا ہے۔

اہلِ ہیبت کون ہوتا ہے؟ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ آج کے زمانے میں کوئی ایسا شخص نہیں جس سے لوگ شرمندہ ہوں۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیونکر؟ آپ نے فرمایا، انسان اس سے شرمندہ ہوتا ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے اور جو ایسا نہ کرے اس کی ہیبت نہیں ہوتی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا ارشاد حضرت فضیل بن عیاضؒ سے کسی نے کہا کہ آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں ایسا کروں تو مجھے اس کی وجہ سے تکلیف پہنچے جس کو میں برداشت نہ کر سکوں اور مجھے اپنے امر بالمعروف کرنے پر نادم اور رنجیدہ ہونا پڑے۔

مومن کے مصائب حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے تھے کہ دنیا میں مومن کے لیے

تین مصیبتیں ہیں۔ (۱) اس کی نماز کا فوت ہونا (۲) اس کے نیک دوست کا مرنا (۳) اور اسلام میں بدعت کا پیدا ہونا۔

حضرت اویس قرنیؒ کا قول

حضرت اویس قرنیؒ فرماتے تھے، مومن کا حق پر قائم ہونا اس کے لیے دنیا میں کوئی دوست نہیں چھوڑتا اور جب بھی کوئی شخص لوگوں کو نیک بات کی ہدایت کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے تو اس کو بڑی بڑی تہمتیں لگاتے ہیں اور اس کی عزت خراب کرتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا طریقہ تبلیغ

حضرت سفیان ثوریؒ بازار میں جاتے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے تھے۔ پھر اس کو ترک کر دیا، لوگوں نے اس کا باعث دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ دین میں ایک رخنہ ہوا تھا جس کو ہم نے بند کرنا چاہا لیکن اب تو سمندر چل نکلا ہے اس کو روکنے کی کون طاقت رکھتا ہے۔

امر بالمعروف کہاں لازم ہے؟

سفیان بن عیینہؒ فرماتے تھے کہ جس کام پر امت کا اتفاق ہو جائے اس میں امر بالمعروف کرنا لازم ہے اور جس میں علماء کا اختلاف ہو اس میں لازم نہیں۔

امر بالمعروف کرنے کا اہل کون؟

سفیان ثوری سے کسی نے کہا کیا وہ شخص بھی امر بالمعروف کرے جسے یقین ہو کہ اس کی بات قبول نہ ہو گی؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! تاکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ معذور ہو جائے

تبلیغ نہ کرنے والے عابد کا انجام

مالک بن دینارؒ فرماتے تھے، مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی فرمائی کہ فلاں فلاں گاؤں پر عذاب کرو، تو فرشتوں نے بڑی عاجزی سے التجا کی کہ اے اللہ اس میں فلاں عابد تیرا نیک بندہ ہے۔ اللہ نے فرمایا اسے عذاب دے کر مجھے اس کی زاری

سنا ؤ کیونکہ اس کا چہرہ میرے محرمات کو دیکھ کر کبھی متغیر نہیں ہوا۔

مداہن کون؟

سفیان ثوری فرماتے تھے کہ جب تم کسی شخص کو ہمسایوں کا محبوب اور لوگوں کے نزدیک نیک دیکھو تو جان لو کہ وہ مداہن ہے۔

حضرت سفیان ثوری کا قول

سفیان ثوری اپنے دوستوں کو فرماتے تھے کہ تم میری اقتداء نہ کرو ورنہ ہلاک ہو گے کیونکہ میں ایک مداہن نیک و بد عمل کو ملانے والا اور گنہگار ہوں۔

حضرت ابو عبداللہ کی نصیحت

حضرت ابو عبداللہ اپنے ایک وعظ میں اپنے بیٹے کے لیے یوں نصیحت فرماتے ہیں کہ اے میرے پسر عزیز! اگر تم اللہ کی بارگاہ میں موجود ہو تو پھر تم پر لازم ہے کہ تم اپنے اللہ ہی سے محبت کرو۔ اسی کی اطاعت کرو اسی کو یاد کرو، اس کے لیے دنیا کی ہر شے کو مکمل طور پر ترک کر دو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی میں طلب دنیا سراسر ایک ندامت ہے۔ اس طلب میں شرمندگی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اللہ سے لو لگانے سے آخرت خود بخود تمہارے تابع ہو جاتی ہے تو اے میرے پیارے لختِ جگر! جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اسے ہر طرح سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اللہ ہی اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کسی دوسرے کا محتاج ہونے سے محفوظ رکھتا ہے اس لیے اے پسر عزیز! اللہ کا ہو کر کسی دوسرے یا دوسری چیز میں مشغول ہو جانا ایک ظلم ہے۔ جو اللہ کا ہو جاتا ہے وہ اس ظلم سے بھی بچتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عارف دنیا و آخرت کے کسی شغل میں الجھ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ دنیا اور وہ آخرت آخر تو اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں۔ اللہ ان پر قادر و غالب ہے۔ جب انسان اللہ کا ہو جاتا ہے تو معرفت کے حوالے سے بڑی بلندی پر ہوتا ہے اس کی رفعت کامل ہوتی ہے۔ وہ انسان کامل بن جاتا ہے اور معرفت اور رفعت سے عارف ہو جاتا ہے اور ایسا عارفِ کامل غیر اللہ کے ترک کے حوالے سے دونوں جہانوں سے نابینا اور نابلد ہو جاتا ہے۔

حضرت شبلیؒ کا وعظ ایک مرتبہ حضرت شبلی وعظ فرما رہے تھے اس موقع پر جب حضرت نوری نے وہاں پہنچ کر السلام علیکم یا ابو بکر کہا تو انھوں نے جواب دیا وعلیکم السلام یا امیر القلوب۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بے عمل عالم سے اللہ تعالیٰ خوش نہیں ہوتے لہذا اگر تم با عمل عالم ہو تب تو اپنا وعظ جاری رکھ سکتے ہو، دوسری صورت میں تمھیں منبر سے نیچے اتر آنا چاہیئے۔

یہ سن کر جب حضرت شبلیؒ نے آپ کے قول پر غور کیا تو انھوں نے محسوس کیا کہ عمل میں یقیناً کوئی کمی ہے۔ چنانچہ وہ منبر سے نیچے اتر کر گوشہ نشین ہو گئے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد لوگوں نے انھیں مجبور کر کے دوبارہ منبر پر لا کھڑا کیا۔

ادھر یہ اطلاع جب ابوالحسن نوری تک پہنچی تو وہ دوبارہ وہاں پہنچے اور فرمانے لگے، شبلی! جب تم نے مخلوق سے چھپنے کی کوشش کی تو وہ تعظیماً تمھیں دوبارہ منبر پر لے آئے لیکن میں نے مخلوق خدا سے رابطہ رکھتے ہوئے جب انھیں ہدایت کا راستہ دکھایا تو انھوں نے مجھے پتھر مارنے سے بھی گریز نہ کیا۔

یہ سن کر حضرت شبلیؒ نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کی ہدایت اور میری پوشیدگی کا مفہوم کیا ہے؟ حضرت نوریؒ نے فرمایا کہ میری ہدایت تو یہ تھی کہ میں نے خدا کے لیے مخلوق سے رابطہ قائم کیا اور تمھاری پوشیدگی کا مفہوم یہ ہے کہ تم خالق و مخلوق کے درمیان حجاب و واسطہ بنے رہے جبکہ تمھیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ تم دونوں کے درمیان حجاب و واسطہ بن سکو اور مجھے کسی واسطہ کی ضرورت نہیں اسی لیے میں تمھیں کارآمد بندہ تصور کرتا ہوں۔

حکایت ایک روز اچانک ابو حفص کسی بات پر ابو عثمان سے ناراض ہو گئے۔ آپ نے بہتیری منت سماجت کی اور التجائیں کرتے ہوئے سفارش کی کہ حضور میرا قصور تو بتائیں مگر ابو حفص نے کوئی وجہ بیان نہ فرمائی۔ لہذا اس کے بعد ابو عثمان نے آپ ہی کے آستانے کے برابر ایک دیوار کی اوٹ میں رہنا شروع کر دیا۔ آپ دیوار میں ذرا سا سوراخ کر کے کبھی کبھار

اپنے پیر و مرشد کا دیدار بھی کر لیتے۔ ادھر جب ابوحفص کو آپ کی اس دیوانگی کا علم ہوا تو انھوں نے دوبارہ ابوعثمان کو اپنے قریب رہنے کی اجازت فرمادی۔ کافی عرصہ کے بعد آپ کو یہ مقام حاصل ہوگیا کہ آپ ابوحفص کی موجودگی میں اپنے مریدوں اور محبوں میں وقت گزارنے لگے۔ گویا پیر و مرشد کی جانب سے ابوعثمان کو اجازت مل گئی تھی کہ وہ اپنے طور پر رشد و ہدایت کا کام شروع کردیں۔

تبلیغ میں رضائے الٰہی کو مدنظر رکھو

حضرت عکرمہ راوی ہیں کہ ایک آدمی ایک درخت کے پاس سے گزرا۔ جس کی لوگ پوجا کرتے تھے۔ اس کو طیش آیا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس درخت کی پوجا کر رہے ہیں۔ ایک دن کلہاڑا پکڑا اور گدھے پر سوار ہو کر اس درخت کی جانب چل دیا کہ اسے کاٹ ڈالے۔ راستے میں ابلیس لعین انسانی شکل میں ملا اور پوچھنے لگا کہ کدھر جا رہے ہو۔ یہ شخص بولا، میں نے ایک درخت دیکھا ہے کہ لوگ اس کی پوجا کرتے ہیں میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ گدھے پر سوار ہو کر وہاں جاؤں گا اور اسے کلہاڑے سے کاٹ ڈالوں گا۔ ابلیس کہنے لگا بھلا تجھے اس سے کیا غرض اس درخت کا خیال چھوڑ اور اس کے پجاریوں کو دفع کر ان کو خود خدا ہی سمجھ لے گا۔ دونوں میں تکرار ہونے لگی حتیٰ کہ دست و گریبان ہو گئے۔ ابلیس لعین عاجز آ گیا اور یہ شخص اپنے ارادے پر پکا رہا۔ یہ دیکھ کر ملعون شیطان کہنے لگا کہ تو واپس ہو جا میں تجھے روزانہ چار درہم دیا کروں گا، روزانہ اپنے بستر کا کنارہ اٹھا کر لے لیا کرنا یہ شخص سن کر کہنے لگا کہ سچ کہتے ہو؟ وہ بولا میں بالکل اس کا ضامن ہوں۔ یہ شخص واپس آ گیا اور حسب وعدہ دو تین دن تک چار درہم یومیہ وصول کرتا رہا۔ اس کے بعد ایک دن چادر اٹھائی تو نیچے سے کچھ نہ ملا۔ اور اگلے روز بھی کچھ نہ ملا۔ تو پھر کلہاڑا لے کر گدھے پر سوار ہو کر چلا۔ ابلیس پھر انسانی شکل میں سامنے آیا اور کہنے لگا کہاں کا ارادہ ہے؟ یہ شخص بولا ایک درخت کی لوگ پرستش کرتے ہیں اسے کاٹنے جا رہا ہوں۔ ابلیس کہنے لگا اب تو یہ کام نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تیرا پہلی بار کا جانا اللہ تعالیٰ کے لیے تھا اگر تمام زمین و آسمان والے بھی جمع ہو جاتے تو تجھے

نہ روک سکتے تھے اور اب تیرا جانا محض خود غرضی کا ہے کہ درہم نہیں ملے تو اٹھ کر چل دیا ہے خبردار اگر ذرا بھی آگے بڑھا تو تیری گردن مار دوں گا۔ یہ شخص چپکے سے واپس لوٹ گیا اور درخت کا خیال چھوڑ دیا۔

حضرت ابو اسحاق فزاری

حضرت ابو اسحاق فزاریؒ ہارون رشید کے پاس گئے یہ بات یوسف بن اسباط رحؒ کو معلوم ہوئی تو آپ نے ابو اسحاق کو بُرا کہا اور فرمایا تم اس شخص کے پاس کیونکر گئے جس کے ہاں حریری فرش بچھے ہیں۔ ابو اسحاق نے کہا اے یوسف! انھیں صرف حریر کی خبر پہنچی ہے، خون، زنا اور لوگوں کے مال کہاں گئے؟ کیا ہوا ہم تو اس کے پاس ایک ضرورت کو گئے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی عالم کسی ظالم کے پاس جائے مگر اس سے کسی قسم کا سوال نہ ہو تو وہ راحت میں ہے مجھ سے بھی کسی بات کا سوال نہ ہوا اور میں اس کے پاس بیٹھا رہا۔ اگر مجھ سے سوال ہوتا کہ یہ فرش حرام ہے؟ تو میں کہہ دیتا کہ ہاں حرام ہے۔ (میں کہتا ہوں) یہ جواب محلِّ نظر ہے۔ واللہ اعلم۔

حکایت

ایک مرتبہ حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ میری تیس برس کی ہدایت کا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف ایک شہزادہ صحیح معنوں میں ہدایت یافتہ ہو سکا اور وہ اس طرح کہ ایک دفعہ وہ میری مسجد کے سامنے سے گزر رہا تھا تو میں اس وقت یہ جملہ کہہ رہا تھا کہ کمزور کا طاقتور سے جنگ کرنا نہایت احمقانہ فعل ہے۔ یہ سن کر شہزادے نے کہا کہ میں آپ کے جملے کا مفہوم نہیں سمجھا۔ فرمایا اس سے زیادہ احمق کون ہو سکتا ہے جو خدا سے جنگ کرے۔ یہ سن کر وہ چلا گیا اور دوسرے دن آکر وہ مجھ سے پوچھنے لگا کہ وصالِ خداوندی کے لیے کونسی راہ اختیار کی جائے؟ میں نے کہا دو راہیں ہیں۔ ایک چھوٹی اور دوسری طویل چھوٹی تو یہ ہے کہ خواہشات دنیا اور معصیت کو چھوڑ دے اور طویل راہ یہ ہے کہ خدا کے سوا سب سے کنارہ کش ہو جائے۔ اس نے کہا کہ میں یہی طویل راہ اختیار کر رہا ہوں اور اس

کے بعد اپنی عبادت و ریاضت سے ابدالین کے مقام پر پہنچ گیا۔

حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں بیابانوں کی خاک چھانتا ہوا جب نواحِ عراق میں پہنچا تو میں نے ایسے ستر فقراء کو دیکھا جو راہِ مولیٰ میں اپنی جان نچھاور کر چکے تھے لیکن ان میں ایک ایسا فرد باقی تھا جس میں زندگی کے کچھ آثار موجود تھے اور جب میں نے اس سے واقعہ کی نوعیت دریافت کی تو اس نے کہا کہ اے ابراہیم! بس محراب اور پانی کو حقِ حیات بنا کر آگے جانے کی سعی نہ کرو ورنہ مجبور ہو جاؤ گے اور قربت کا تصور بھی چھوڑ دو، ورنہ اذیت اٹھاؤ گے کیونکہ کسی کی تاب و طاقت نہیں کہ سلامت روی کی حالت میں گستاخی کا مرتکب ہو سکے۔ اور اس دوست سے بچو جو حاجیوں کو کفارِ روم کی مانند بذریعہ جنگ تہِ تیغ کر دیتا ہے اور ہم اس بیان میں یہ عہد کر کے آئے تھے کہ کسی سے سروکار نہیں رکھیں گے۔ محض توکل علی اللہ کے سہارے تیم ہو گئے اور جب قطع مسافت کرتے ہوئے بیت اللہ کے قریب پہنچے تو حضرت خضر سے شرفِ نیاز حاصل ہو گیا اور ہم نے آپ کی ملاقات کو مبارک فال تصور کرتے ہوئے اپنی سعی کے بار آور ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا لیکن اسی وقت ندا آئی کہ اے عہد شکنو! اے فریب کارو! کیا تمہارا یہی عہد تھا کہ مجھ کو فراموش کر کے دوسروں سے راہ و رسم بڑھاؤ سن لو کہ میں تمہیں اس جرم کی سزا میں موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ چنانچہ اے ابراہیم ادھم یہ تمام فوت شدہ لوگ اسی کے قہر کا شکار ہو گئے اور اگر تم بھی خیریت چاہتے ہو تو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا اور حضرت ابراہیم نے حیرت زدہ ہو کر اس شخص سے پوچھا کہ تم کیسے زندہ بچ گئے تو جواب دیا کہ ابھی نیم پختہ ہوں اور اب انھیں کی طرح پختہ ہو کر جان دینا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ بھی جاں بحق ہو گیا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

ایک عالم کی حکایت

مالک بن دینار فرماتے تھے، منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عالم لوگوں کو وعظ سنایا کرتا تھا اس کے گھر مرد و زن جمع ہوتے اور وعظ سنتے۔ اس عالم کا ایک نوجوان لڑکا تھا اس نے ایک دن ایک خوبصورت عورت کی طرف اشارہ کیا جو اس کے باپ نے دیکھ لیا اور کہا اے بیٹے!

صبر کرو۔ راوی کہتا ہے کہ وہ اپنے تخت سے فوراً منہ کے بل گر پڑا، یہاں تک کہ اس کے بعض جوڑ بھی ٹوٹ گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی کو وحی فرمائی کہ فلاں عالم کو خبر کر دو کہ میں اس کی نسل سے کبھی صدیق پیدا نہیں کروں گا۔ کیا میرے لیے صرف اتنا ہی ناراض ہونا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو کہہ دے کہ اے بیٹے! صبر کر۔

عجیب اندازِ تبلیغ ایک دفعہ حضرت حاتم اصمؒ کی ملاقات قزوین کے قاضی لطنافسی سے ہوئی۔ آپ نے دیکھا کہ ان کا طرزِ بود و باش اور لباس بڑا امیرانہ ہے اور ان کا مکان قسم قسم کے قیمتی سامان سے بھرا پڑا ہے۔ حاتم نے ان سے کہا کہ حضرت! آپ عالمِ دین ہیں، مجھے وضو کا صحیح طریقہ بتا دیجیے۔ قاضی نے بتا دیا۔ آپ نے کہا میں آپ کے سامنے وضو کر کے دکھاتا ہوں اگر کوئی غلطی ہو جائے تو درست کر دیجیے گا۔ قاضی نے کہا بہتر۔ حضرت حاتم اصمؒ نے ابتدا میں تین تین بار ہر عضو کو دھویا۔ جب پاؤں دھونے لگے تو تین کے بجائے چار دفعہ دھوئے۔ قاضی نے فوراً ٹوکا کہ تم نے غلطی کی۔ پوچھا، کیا غلطی ہوئی۔ قاضی نے کہا کسی عضو کو تین بار سے زیادہ دھونا پانی کو بے کار ضائع کرنا ہے۔ اور یہ اسراف کی تعریف میں آتا ہے۔

حضرت حاتمؒ نے سر اٹھایا اور فرمایا سبحان اللہ قاضی صاحب! میں غریب تو ایک چلّو پانی بہا کر اسراف کا مجرم ہو گیا اور جناب کا یہ ٹھاٹھ باٹھ اور سامان کس زمرے میں آتا ہے۔ قاضی صاحب نے شرمندہ ہو کر گردن جھکا لی۔

فاسق کی مخالفت کرنا اللہ کے قرب کا سبب ہے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ فاسق کی مخالفت کرنا اللہ تعالیٰ کے قرب کا سبب ہے (میں کہتا ہوں) اس سے مراد اس کے ساتھ دل سے رنجیدہ ہونا ہے اور ظاہراً مخالفت مناسب نہیں تاکہ اس کو راہِ راست پہ لایا جا سکے۔ اور اس کو صفاتِ فسق سے نفرت دلائی جا سکے، کیونکہ فاسق ہر داعی الی اللہ کی گمشدہ چیز ہے۔ پس اس کو

غور کرو۔ واللہ اعلم!

حکایت

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اوچ شریف پنجاب کے بڑے جلیل القدر ولی اللہ ہوئے ہیں ان کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ مکہ میں تشریف فرما تھے کہ آپ کو ایک روز مکہ کے شیخ عبداللہ یافعی نے کہا کہ اگرچہ دہلی کے بہت سے درویش اور اہلِ دل وفات پا چکے ہیں لیکن ان کی برکت کا اثر اب بھی دہلی پر ہے اور خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی وہاں موجود ہیں۔ ان کی ذات بابرکات منعتمات میں سے ہے لہذا آپ ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیں۔ مخدوم صاحب نے یہ بات سنی تو ان کے دل میں خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی کی ملاقات کا اشتیاق اس قدر زیادہ پیدا ہوا کہ وہ مکہ معظمہ سے سیدھے دہلی تشریف لائے اور خواجہ صاحب سے ملاقات کی۔ خواجہ چراغ دہلی نے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ امام عبداللہ یافعی کے ارشاد سے تمھارے اندر جو حُسنِ ظن ہمارے لیے پیدا ہوا ہے اس نے ہمیں تمھارے دیدار سے مشرف کیا ہے۔

مخدوم صاحب نے عرض کی کہ امام یافعی پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائیں! جن کے ارشاد کی بنا پر مجھے اس بارگاہ ولایت کی حاضری کی سعادت میسر آئی۔ مخدوم صاحب کو خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی نے خاندانی حیثیت کا خرقہ خلافت عطا فرمایا اور بے انتہا نوازشیں فرمائیں اور آپ کو ہندوستان میں رشد و ہدایت اور تبلیغ و اشاعت کے کام کرنے کا حکم دیا۔ مخدوم صاحب ہندوستان کے کونے کونے میں نیکی اور ہدایت کے کاموں کے لیے تشریف لے جاتے رہے۔ آپ لوگوں کو سلوک و معرفت کی تعلیم شریعت کے مطابق دیتے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بڑی شدت سے پابند رہتے تھے۔ غیر شرعی امور پر بڑی سختی سے تنبیہ کرتے تھے آپ نماز باجماعت کی سختی سے تاکید فرمایا کرتے تھے اور تارکِ جماعت کو بدعتی کہتے تھے، اپنے آستانے اُوچ شریف پر آپ خود جماعت کرایا کرتے تھے اور لوگ سینکڑوں کی تعداد میں ہر نماز میں آپ کے مقتدی ہوا کرتے تھے اور اس روح پرور منظر کو بہت

کم لوگوں نے دیکھا ہوگا جو آپ کی مسجد میں نماز کے وقت ہوتا تھا۔

حکایت کہا جاتا ہے کہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ کے زمانے میں شرق پور کے لوگوں کو مقدمہ بازی کی اتنی عادت تھی کہ ہر کوئی اپنے مخالف پر جھوٹے سچے مقدمے بنا کر ایک دوسرے کو عدالتی کارروائیوں میں الجھائے رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا وہ بڑا زمیندار اور اول درجے کا مقدمہ باز تھا اس نے میاں صاحب سے عرض کی کہ میں نے اپنے ایک بزرگ کی فاتحہ دلوانی ہے۔ چنانچہ میرے گھر آپ تشریف لے چلیں تو یہ بات میرے لیے بڑی سعادت کی باعث ہوگی۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ جس بزرگ کی تم فاتحہ دلوانا چاہتے ہو اس کی روح تو تم سے سخت نالاں اور ناراض ہے پھر تم اس کی فاتحہ دلوا کر کیا کرو گے؟

وہ شخص سخت حیران ہوا اور بولا کہ آپ کی بات تو غلط نہیں ہو سکتی، ممکن ہے کہ وہ بزرگ واقعی مجھ سے ناراض ہوں مگر اتنا کرم تو کیجئے کہ مجھے بتلائیے کہ وہ کیوں ناراض ہیں اور ان کی ناراضگی کس طرح دور ہو سکتی ہے؟

میاں صاحب نے فرمایا، دور ہونے کو کیا نہیں ہو سکتا تم سب سے پہلے اس جھوٹی سچی مقدمہ بازی سے توبہ کر لو۔ ناجائز کمائی کا سلسلہ بند کرو۔ جھوٹ بولنا بند کرو، خدا کی عبادت خلوص دل سے کرنی شروع کر دو اور استغفار جتنی زیادہ سے زیادہ کر سکتے ہو کرو۔ تو جب تم سے اللہ میاں راضی ہو جائے گا تو اللہ کا ولی بھی تم سے راضی ہو جائے گا۔

اس شخص نے فوراً وعدہ کیا کہ میں ان تمام احکام کی پیروی کروں گا۔ میاں صاحبؒ نے فرمایا وعدہ میرے ساتھ نہ کرو بلکہ اللہ کے ساتھ کرو اور پھر دیکھنا تم جس طرح وعدہ نبھاؤ گے اسی قدر اللہ تعالیٰ تمھارے مراتب بلند کرتا جائے گا۔ اس کے بعد اس شخص نے مقدمہ بازی ترک کر دی۔

حکایت منقول ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک شخص کو لایا جائیگا پھر اس کی بیوی اور اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر کیا جائے گا، وہ

عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب! اس شخص سے ہمارے حقوق کے بارے میں پوچھا جائے۔ کیونکہ اس نے ہمیں ہمارے دین کی باتیں نہ سکھائیں اور ہمیں حرام روزی کھلاتا تھا اور ہم بے علم تھے۔ لہذا اس (بدنصیب) کو حرام روزی کمانے کے سبب پیٹا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کا گوشت جھڑ جائے گا اس کے بعد انھیں میزان پر لے جایا جائے گا اور فرشتے پہاڑ کے برابر مرد کی نیکیاں لائیں گے تو عیال (اولاد وغیرہ) میں کا ایک شخص بڑھے گا اور کہے گا میرا دین کم ہے اور وہ اس کی نیکیوں میں سے لے جائے گا۔ پھر دوسرا عیال کا شخص آئے گا وہ بھی اس کی نیکیوں سے اپنی کمی پوری کرے گا۔ غرضیکہ وہ سب (اہلِ خاندان) اس کی نیکیاں لے جائیں گے۔ پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف رخ کرکے کہے گا۔ آہ! میری گردن پر اب وہ گناہ رہ گئے ہیں جو تمھارے لیے میں نے اٹھائے۔ اور فرشتے کہیں گے یہ وہ (بدنصیب) شخص ہے جس کے گھر والے اس کی تمام نیکیاں لے گئے اور یہ ان کی وجہ سے جہنم میں چلا گیا۔ (قرۃ العیون)

عبدالملک بن مروان

عبدالملک بن مروان اپنی رعیت کو کہا کرتے تھے کہ اے گروہِ رعیت! انصاف کرو کہ تم ہم سے تو یہ درخواست کرتے ہو کہ ہم ابوبکر صدیق رض اور عمر فاروق رض کی روش اختیار کریں اور تم خود ان کی رعیت کی سیرت اختیار نہیں کرتے پس ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کی ایک دوسرے کے مقابلہ میں اعانت کرے۔ آمین۔

حضرت حسن بصری رح کا قول

حضرت حسن بصری رح فرماتے تھے جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ کسی بندہ سے محض اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اس سے ناراض نہ ہو تو وہ اپنے اس دعویٰ میں کہ وہ اللہ کے لیے اس سے محبت رکھتا ہے، جھوٹا ہے۔

ترغیبِ اطاعت

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے پر بذریعہ القاء واضح فرمایا کہ اے میرے بندے! میں ہی نے تجھے یہ ساری

رفعتیں اور فضیلتیں بخشی ہیں اور پھر میں نے ہی تجھے اپنی عبادت کرنے کی توفیق دی ہے اور یہ بھی کہ میں نے تمہارے معاملے میں کسی کی سفارش یا طرفداری کے بغیر اپنی رحمتوں سے نمایاں کیا ہے۔ ان نعمتوں اور فضیلتوں کے بعد میں نے یہ تقاضا کیا کہ تو صرف میرے ہی ذکر میں محو اور مشغول ہو جا اور صرف یہی نہیں بلکہ تجھ سے یہ بھی توقع رکھی کہ تو اپنے اس عمل میں کسی بھی طرح کے بدلے یا جزا اور معاوضے کی ترازو میں اسے نہ تولے۔

حکایت

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے بیان فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے دریائے دجلہ کے کنارے ایک جھونپڑی دیکھی جس میں ایک بزرگ رہتا تھا جب میں جھونپڑی میں آیا تو سلام کہا، سلام کا جواب اس نے اشارے سے دیا اور اشارے ہی سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ کچھ دیر میں بیٹھا تو مجھ سے مخاطب فرمایا، اے درویش! تقریباً چالیس سال سے میں نے گوشۂ تنہائی اختیار کیا ہے۔ جس طرح تم جہان میں سفر کر رہے ہو اسی طرح میں سفر کرتا تھا۔ میں نے ایک دنیادار بزرگ کو ایک شہر میں دیکھا جو خلقِ خدا کو لین دین میں ستاتا تھا۔ میں نے اسے کچھ نہ کہا، نہ اسے باز رکھا۔ میں دیکھ کر چلا آیا۔ فرشتے نے آواز دی، اے درویش! اگر حق کی خاطر اس دنیادار کو کہہ دیتا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور خلقت سے زیادتی نہ کر۔ تو وہ تیرے کہنے سے باز آجاتا لیکن تو اس بات سے ڈر گیا کہ وہ دنیادار جو تجھ پر مہربانی کرتا تھا شاید نہ کرے۔ جب سے میں نے غیب کی آواز سنی، مارے شرم کے کئی سال سے اس کٹیا میں رہتا ہوں اور قدم باہر نہیں رکھتا، میں اس اندیشے میں ہوں کہ اگر قیامت کو مجھ سے اس معاملے کی بابت پوچھا گیا تو کیا جواب دوں گا۔ پس اے درویش! اس روز سے میں نے قسم کھائی ہے کہ میں کسی طرف نہیں نکلوں گا تاکہ کسی فعل کو دیکھ کر اس کا گواہ نہ بننا پڑے۔

حکایت

مالوہ کے حکمران سلطان محمود خلجی نے ملک دکن پر حملہ کیا۔ احمد آباد بیدر کا محاصرہ کر کے وہاں کی عمارتوں کو نذرِ آتش کر دیا اور رعایا کو بہت بری طرح تباہ و برباد کر دیا۔ مسلم و غیر مسلم عوام پر بے دریغ مصائب و تشدد کے دروازے کھول دیئے

اس کے باوجود اس کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنی محنت کی کمائی سے اپنی غذا اور لباس کا بندوبست کرتا اور حلال ذرائع سے اپنی ضروریات پوری کرتا تھا۔ وہ جائز طریقے سے حاصل کردہ چاول گھی، گیہوں اور کپڑا وغیرہ اپنے ساتھ رکھتا اور مطبخ کے لیے لکڑی کے تختوں پر مٹی بچھا کر سبزیاں اگاتا اور انھیں استعمال کرتا۔ جب سلطان محمود خلجی کو احمد آباد بیدر میں طویل قیام کے دوران سبزیوں کی قلت محسوس ہوئی تو اس نے شاہ خلیل کے مجاور مولانا شمس الدین کرمانیؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ میرے پاس ترکاری ختم ہوگئی ہے۔ اس وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ لکڑی کے تختوں پر اس قدر سبزی اگانا جو شاہی مطبخ کے لیے کافی ہو بہت مشکل ہے اگر کسی شخص کے پاس حلال کے روپے سے خریدی ہوئی زمین موجود ہو تو مجھے بتلائیے تاکہ میں اسے معقول قیمت ادا کرکے اس سے سبزیاں خرید لیا کروں۔

مولانا شمس الدین نے کہا اے بادشاہ! تو ایسی بات نہ کہہ جسے سن کر تیرا مذاق اڑایا جائے۔ مسلمانوں کے ملک پر حملہ آور ہو کر ان کے مال و اسباب کو تباہ کرنا، ان کی آبادیوں کو ویران کرنا، ان کے گھروں کو جلانا اور اس کے باوجود کپڑے اور ترکاری کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں حلال و حرام کی باتیں کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے؟ یہ سب کچھ خدا ترسی سے بہت دور ہے۔

یہ سن کر بادشاہ لاجواب اور مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے، کچھ دیر کے لیے سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا آپ سچ فرماتے ہیں، لیکن جہاں بانی اور ملک گیری ان باتوں کے بغیر بہت مشکل ہے (تاریخ فرشتہ)

اصلاحی باتیں

سید محمد علی شاہ لکھنوی بڑے زاہد تھے۔ چھ سال تک اجمیر شریف میں خواجہ معین الدین کی درگاہ پہ پانی بھرتے رہے پھر حضرت گنج شکر کے روضہ مبارک کی زیارت کے لیے پاکپتن آئے۔ اسی سال خواجہ تونسوی بھی پاکپتن گئے وہاں شاہ صاحب نے آپ کی خدمت میں اپنا حال بیان کیا۔ خواجہ صاحب نے واپس جانگی

کے وقت سید موصوف کو بھی ساتھ لے لیا۔ راستے میں حضرت نے فرمایا اے سید! کوئی ذوق و شوق کی چیز سنا۔ سید صاحب نے کوئی چیز شروع کر دی۔ اس وقت خواجہ تونسوی پر ذوق و وجد کا زبردست غلبہ تھا۔ آپ کے زیر ران گھوڑی تھی۔ اس کے تمام بدن سے پسینہ بہنے لگا کتنی دفعہ آپ نے فرمایا یہی شعر پڑھو۔ شاہ صاحب نے کئی دفعہ وہی شعر پڑھا۔ پھر تونسہ شریف پہنچ گئے۔ یہاں حضرت تونسوی نے شاہ صاحب سے پوچھا تمھاری خواہش کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا میری خواہش ہے کہ آپ مجھے بیعت سے مشرف فرمائیں۔ فرمایا تمھارے وجود میں چند چیزیں بیعت کے منافی ہیں۔ جب تک تم انھیں دور نہیں کرو گے منزلِ مقصود تک نہیں پہنچو گے۔ ایک تو یہ کہ تمھیں تولی منصب حاصل ہے اور جس شخص کو یہ منصب حاصل ہو اسے دوسرے حقیر نظر آتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ تم قاری بھی ہو اور جو قاری ہو وہ عام طور پر دوسروں کو غلط خوان سمجھتا ہے۔ تیسرا یہ کہ تمھیں علمی فضیلت بھی حاصل ہے اور جو عالم ہو اسے دوسرے لوگ جاہل دکھائی دیتے ہیں۔ چوتھا یہ کہ تمھیں اپنے حسب و نسب پر بھی فخر ہے کہ سید ہو۔ اور جو سید ہو وہ کہتا ہے کوئی شخص خواہ کتنا ہی پڑھ لکھ لے سید نہیں بن سکتا۔ جب شاہ صاحب نے یہ باتیں سنیں تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ درویشوں نے انھیں بہت سمجھایا کہ حضرت صاحب یہ باتیں محض تلقین کے لیے فرما رہے ہیں۔ تم ہوشیار ہو کر سنو۔ سید موصوف نے عرض کیا کہ میں تمام مذکورہ اوصاف کو بالائے طاق رکھ کر کامل ارادت کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ خواجہ تونسوی نے جب شاہ صاحب کو طالبِ صادق پایا تو انھیں بیعت کر لیا اور پھر ان کی استعداد کے مطابق ایک الگ حجرے میں بٹھا کر اوراد و اذکار کی تلقین کر دی پھر کچھ مدت کے بعد خلافت دے کر روانہ کر دیا۔

اس کے بعد شاہ صاحب ڈیرہ غازی خان چلے گئے اور وہاں شہر کے گلی کوچوں میں گھومتے رہتے۔ دنیا داروں کی طرف مطلق رجوع نہ کرتے۔ بیسیوں مرتبہ نواب بہاول خاں آپ کی زیارت کے لیے آیا لیکن کچھ عرض نہ کر پایا۔ ایک دن لوگوں نے شاہ صاحبؒ سے عرض

کیا کہ کوچہ و بازار میں اس طرح پھرنے سے کیا فائدہ؟ اگر آپ ایک جگہ مستقل طور پر بیٹھ جائیں تو یہ اچھا ہے۔ شاہ صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

ہرگز نہ شوی شیرِ بیابانِ طریقت
تا سگ شدہ در کوچہ و بازار نہ گردی

ضمناً میں نے عرض کیا کہ اس شعر کا حاصل مطلب کیا ہے؟ فرمایا خدا کے حضور عجز و نیاز کا درجہ بلند ہے۔ خدا کے بندے اپنے آپ کو اس کے حضور میں کتے سے منسوب کرتے ہیں۔ اور سب سے کمتر سمجھتے ہیں پھر وہ شیر کے درجہ کو پہنچتے ہیں۔

حکایت ذکر خیر میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک ہندو بڑھیا عورت بانگر کی رہنے والی تھی۔ حضرت توکل شاہ انبالوی نقشبندیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس کے بیٹے نے کوئی خون کر دیا تھا اور اس مقدمہ میں وہ گرفتار تھا۔ عرض کیا کہ حضور میرے بیٹے کے لیے دعا فرمائیں کہ وہ چھوٹ جائے۔ خون کے مقدمہ میں وہ گرفتار ہے۔ حضور کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی اہل مقدمہ دعا کی استدعا کرتا تو آپ یوں فرمایا کرتے کہ خداوند احق حق کرنا۔ اس بڑھیا کی استدعا سن کر مرید بھیجا کہ اس سے پوچھو کہ واقعی اس کے بیٹے نے خون کیا ہے یا اس پر یونہی تہمت لگی ہے۔ بڑھیا بولی، حضرت جی! حاکم کے سامنے تو میرے بیٹے نے انکار کر دیا ہے مگر تم بھگوان کے پیارے ہو، بھگوان جھوٹ سے برا مانتے ہے۔ خون تو واقعی میرے بیٹے ہی نے کیا ہے۔ وہ رحم کرنے والا ہے۔ آپ دعا فرمائیں۔ مرید نے واپس آ کر سارا قصہ حضور سے عرض کر دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا خداوند احق حق کرنا۔ کیونکہ ظالم پر رحم کرنا مظلوم پر ظلم کرنا ہے اور ظالم پر سختی مظلوم پر رحم ہے۔ پھر حضور نے ایک یہ تقریر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہے اس کے دربار میں امیر غریب فقیر گدا سب یکساں ہیں اور اس کی رحمت سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ اسی طرح فقیر لوگوں کو بھی چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت رحیمی کا برتاؤ اس کے بندوں کے ساتھ کیا کریں۔ قیامت کے دن بعضے فقیر اس واسطے پکڑے جاویں گے کہ انھوں نے

حق ناحق نہیں دیکھا ناحق والے کے لیے دعا کر دیا کرتے تھے۔ اس کی صفت رحیمی کا برتاؤ نہیں کیا تھا۔ فقیر کو چاہیئے کہ جس قدر لوگ اس کے پاس آئیں سب کو رحم کی نظر سے دیکھیں جب اس کے پاس کوئی دعا کرانے آئے تو حق ناحق کا خیال رکھے کہ ناحق والے کے حق میں اس واسطے دعا نہ کرے کہ وہ نذریں وغیرہ بہت لاتے یا خدمت زیادہ کرتے ہیں اور فقیر کو چاہیئے کہ بیعت کے وقت بھی امیر و غریب سب پر یکساں نظر رکھے۔ یہ نہ ہو کہ جو امیر ہو اسے مرید کر لے اور غریب کو نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی اصل نعمت کا دسترخوان بڑا وسیع ہے۔ ایک اصل نعمت تو اللہ تعالیٰ کی کلمہ طیبہ ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط اس کلمہ میں اس کی تمام مخلوقات شریک ہے۔ امیر وزیر، بادشاہ غریب، تیلی، سید، جولاہا، پٹھان اور جو کوئی مسلمان ہو سب کے واسطے یہی ایک کلمہ ہے۔ یہ بات نہیں کہ امیروں اور بادشاہوں کے واسطے کوئی چھوٹا سا کلمہ ہو جس میں کچھ محنت نہ کرنی پڑے اور فقیروں اور غریبوں کے واسطے بڑا سا کلمہ ہو جس میں زیادہ دیر لگے اور محنت بہت کرنی پڑے بلکہ سب کے واسطے ایک ہی کلمہ ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہہ دیا وہ بہشتی ہو چکا۔ اور اسی اصل نعمت کے دسترخوان میں سے ایک نماز ہے اس میں بھی سب برابر ہیں۔ یہ نہیں کہ چھوٹی ذات والوں کو زیادہ رکعتیں پڑھنی پڑتی ہوں، اور بڑی ذات والوں کو کم، یا امیروں بادشاہوں کے واسطے تھوڑی نماز ہو اور غریبوں کے لیے زیادہ۔ بلکہ سب کے ذمہ یکساں ہے۔ پھر جماعت ہے کہ امیروں اور بادشاہوں کے واسطے کوئی الگ جگہ امتیاز کی نہیں بلکہ امیر، غریب، بادشاہ، فقیر، محتاج سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں، کسی کی مجال نہیں کہ ایک دوسرے کو کسی جگہ سے ہٹا سکے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صفت رحیمی کا برتاؤ کر کے دکھا دیا کہ جب جنگ اُحد میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو وحشی غلام نے شہید کر دیا تو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا از حد رنج تھا کیونکہ آپ کو ان سے بیحد محبت تھی اور آپ ان کو شیر خدا فرمایا کرتے تھے۔

باوجود اس قدر رنج کے جب وحشی غلام نے خدمتِ بابرکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! مجھے مسلمان کریں اور میرا ایمان قبول فرمائیں تو حضورؐ نے گذشتہ رنج کا کچھ خیال نہ فرمایا اور حکم دیا کہو "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" جب وہ مسلمان ہو چکا تو فرمایا تیرا ایمان قبول ہو چکا مگر تو ہماری نظر سے الگ رہ کیونکہ تیرے اوپر نظر پڑنے سے میرے دل میں چچا کا غم تازہ ہو جاتا ہے۔ جب وہ چلا گیا تو فرمایا جو شہید ہوا وہ بھی، جس نے شہید کیا وہ بھی دونوں بہشتی ہیں۔ (اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں اَلْقَاتِلُ وَ الْمَقْتُولُ هُمَا فِي الْجَنَّةِ یعنی شہید کرنے والا اور شہید دونوں جنتی ہیں) حضرت حمزہؓ کا جنتی ہونا تو بسبب شہادت کے ظاہر ہے اور وحشی غلام کا اس وجہ سے ہے کہ وہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایمان لایا اور کلمۂ شہادت پڑھا اور آپ نے اس کا ایمان قبول فرمایا۔ یہ کمال درجہ کا رحم فرمایا۔ اس واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ارشادِ باری ہے اِرْحَمُوْا تُرْحَمُوْا۔ رحم کرو تم بھی رحم کیے جاؤ گے۔ یعنی تم بندوں پر رحم کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا اور جو رحم نہ کرے گا بندوں پر، اللہ تعالیٰ سے بھی رحم کا مستحق نہ ہوگا۔

صاحبِ ارشاد کا کام امر بالمعروف ہوتا ہے

ایک مرتبہ حضرت سائیں توکل شاہؒ انبالوی نقشبندی نے فرمایا کہ جو صاحبِ ارشاد ہوتا ہے اس کی ہر بات میں جان پڑ جاتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے اس کی پرورش ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ کوئی صاحبِ ارشاد کسی علاقہ پر متعین ہوئے مگر وہاں کے لوگ ہدایت قبول نہیں کرتے تھے نہ سنتے تھے۔ موسم قحط سالی کا تھا۔ انھوں نے یہ تجویز کی کہ بہت سے مزدور بلائے کہ ہمارا کام کرو اور اپنی مزدوری لو۔ وہ آگئے تو آپ نے فرمایا کہ نماز پڑھو اور یہ تسبیح کر لیا کرو۔ آٹھ دن تک یہ کام کرواکے ان کو مزدوری دے کر رخصت کر دیا کرتے اور فرماتے اب تمھاری مرضی ہے چاہے کرو چاہے نہ کرو۔ دوسرے ہفتہ

میں اور بیس بیس مزدور اپنے ہاں رکھ لیے اور ان سے بھی یہی کام کرایا کرتے۔ غرض آٹھ دن تک رکھتے اور مزدوری دینے کے بعد رخصت فرما دیا کرتے اور آئندہ کو اور نئے بھرتی کر لیتے۔ جو مزدور ان کے پاس جاتے ان سے نہ نماز قضا ہوتی نہ وظیفہ اور وہ اپنا کام و مزدوری وغیرہ بھی برابر کیے جاتے اور اس میں ان کو خوب لذت آتی۔ اگر کسی کی نماز یا وظیفہ کبھی قضا ہو جاتا تو آ آ کر دعا کراتے کہ ہمارا معمول قضا ہو گیا آپ دعا فرمائیں۔ تھوڑے عرصہ میں بہت ہی ہدایت ہو گئی اور خلقت کو خوب فیض پہنچا اور تمام لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ شخص ولی اللہ ہیں، سب معتقد ہو گئے اور خوب مخلوق الٰہی کو فیض پہنچایا۔ صاحب ارشاد میں یہ تاثیر ہوتی ہے کہ جس جگہ وہ بیج بووے وہیں جم جاتا ہے اور خوب پھلتا پھولتا ہے۔ سو چاہیئے کہ خدا کا نام صاحب ارشاد سے سیکھے اور صاحب ارشاد ہی کی صحبت میں بیٹھے۔ قطب ارشاد ظلِ نبوت کا ہوتا ہے یعنی خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا ہے (یہ صاحبِ ارشاد حضرت خواجہ عزیزاں علی رامیتنی رحؒ تھے)

حکایت

خلیفہ ہارون رشید حج کو جاتے ہوئے کوفہ میں چند روز ٹھہرے پھر جب وہاں سے کوچ کیا۔ اس کی شاہانہ سواری نہایت شان وشوکت سے حضرت بہلول مجذوب کے پاس سے گزری حضرت بہلولؒ نے ہارون رشید کو دیکھا تو آگے بڑھ کر کہا اے امیرالمومنین! مجھ سے ایک حدیث سنتے جاؤ سنو۔ حضرت عبداللہ عامریؓ فرماتے ہیں کہ ایک سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے گئے تو منیٰ میں آپ کی سواری اس صورت میں گزری کہ آپ ایک اونٹ پر سوار تھے اور آپ کے پیچھے ایک سادہ سا کجاوہ تھا اور حضور کی یہ سواری بغیر کسی دنیوی دبدبہ کے گزری۔ پس اے ہارون رشید! تم بھی بغیر کسی تکبر و دبدبہ کے انتہائی تواضع سے گزرو۔ یہ حدیث سن کر ہارون الرشید رونے لگا کہا اے بہلول! کچھ اور امر بالمعروف کی تلقین کرو۔ بہلولؒ نے فرمایا اے امیرالمومنین! جس شخص کو اللہ نے مال وجمال عطا فرمایا ہو اور وہ شخص مال میں سے فی سبیل اللہ خرچ کرے اور جمال میں عفت قائم رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے مقبولوں میں شامل کر لیتا ہے اور اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ہارون رشید نے کہا اَحۡسَنۡتَ

یا بہلول ۔ پھر کہا اے بہلول! اگر تم پر کسی کا کچھ قرض ہو تو بتائیں تاکہ میں ادا کر دوں۔ اس کے جواب میں حضرت بہلول نے کہا بادشاہ! قرض قرض کے ساتھ کیسے ادا ہو سکتا ہے کیونکہ تم اپنے نفس کے مقروض ہو، بہتر ہے کہ آپ کے نفس پر جو خدا کا قرض ہے اس کی ادائیگی کا فکر کرو میرے قرض کا فکر نہ کرو۔ ہارون رشید نے کہا اچھا آپ کے نام کوئی جاگیر کر دوں تاکہ تمھاری گزر اوقات آسان ہو جائے۔ بہلول نے آسمان کی جانب منہ اٹھایا اور کہا اے امیر المومنین! میں اور آپ دونوں ہی خدا کے بندے ہیں پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا ایک بندے کو یاد رکھے اور دوسرے کو فراموش کر دے۔ (روض الریاحین)

ہمارا اخلاق

ایسی اچھی عادتیں اور اخلاق جن سے انسان کی دُنیا و آخرت سنور جائے اور اُن کو صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بنا دے

عاصم فقری

عالم فقری صاحب کی وظائف پر دیگر کتب

وظائف اسماء الحسنٰی

وہ کونسا مسئلہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنٰی کے ورد سے حل نہیں ہو سکتا۔
اسماء الحسنٰی کے مکمل فضائل، خواص، کا منفرد مجموعہ

فقری اسم اعظم

اسم اعظم ہی واحد راز ہے جس سے بندے پر روحانیت کے راز کھول دیئے جاتے ہیں۔ وہ معرفت کے راستے میں داخل ہو جاتا ہے عالم فقری صاحب نے اسم اعظم کے فضائل و خواص اور اُن کی تاثیر کو نہایت مفصل انداز سے بیان کیا ہے۔

فقری اعمال قرآنی

قرآن کریم نے دین و دنیا کی ہر مشکل کو حل کر دیا ہے۔ عالم فقری صاحب نے نہایت محنت اور عرق ریزی سے پورے قرآن مجید سے چن چن کر وظائف اور اُن کا مکمل طریقہ کار بیان کیا ہے۔

ادارہ پیغام القرآن

40 اُردو بازار لاہور

اللہ کے حضور سچی توبہ کرنے کی رہنما کتاب

اللہ میری توبہ

عالم فقری

مسلک اہلِ سنت کے شرعی مسائل کا مکمل مجموعہ وضابطہ

سُنّی بہشتی زیور (کامل)

حصہ اوّل تا گیارہ

عالم فقری

منازلِ ولایت

جن باتوں پر انسان عمل کر کے اللہ کا بندہ بن جائے، ان کا
نادر، آسان اور دل کو روشن کرنے والا مکمل طریقہ کار

عالم فقری

اللہ سے دوستی

ولی اللہ بنانے والے اعمال و اوصاف کا ایسا باکمال
مجموعہ جن پر عمل پیرا ہو کر انسان اللہ کا ولی بن جائے

عالم فقری

تقاضہ محبت یہی ہے کہ محبوب کائنات ﷺ کی ہر ادا کو محبت سے اپنایا جائے۔ اُنکی ہر ایک ادا پر دل فدا کیا جائے۔ جان قربان کی جائے جو کام بھی حضور ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کریں گے وہ اللہ کے ہاں قبول ہو گا۔

آداب سنت

عالم فقری

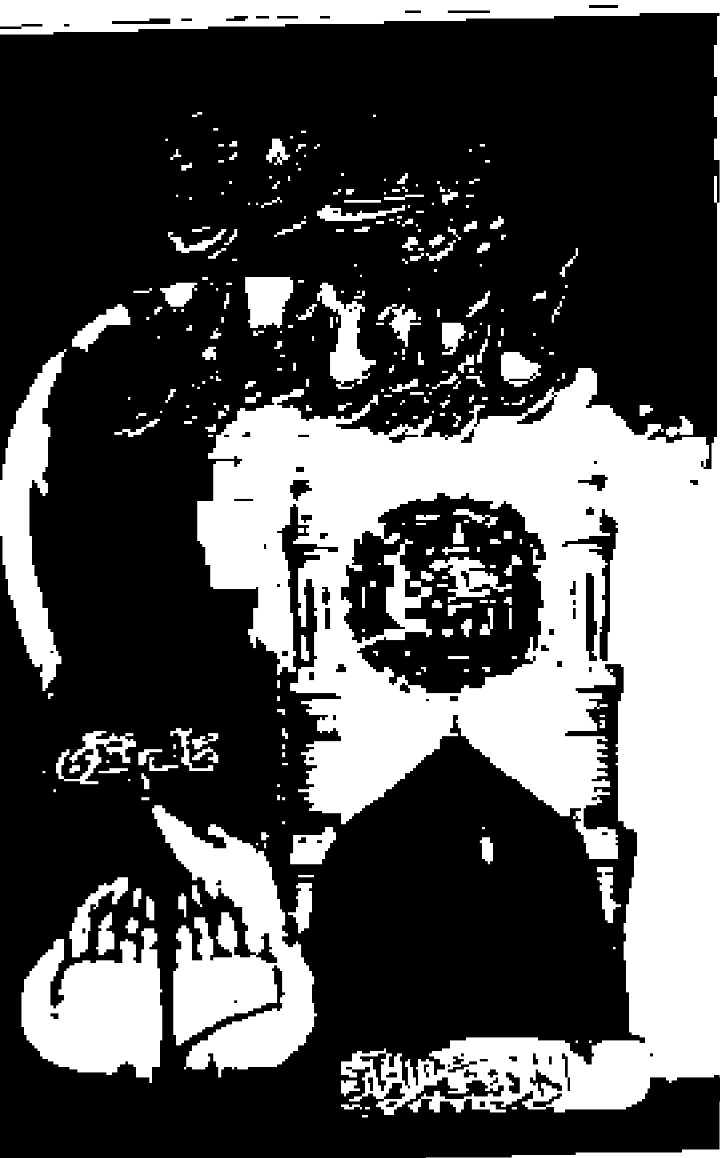
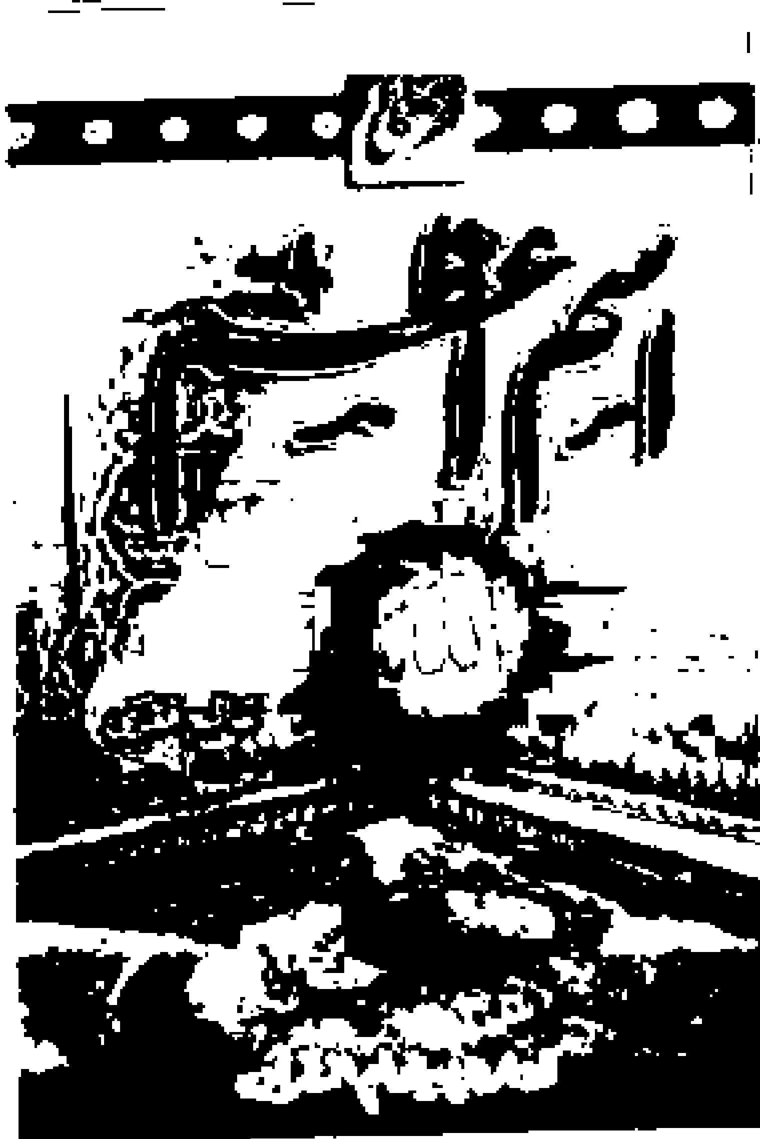
اِس کتاب میں نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق معاشرتی زندگی کے آداب انفرادی و اجتماعی آداب' آداب گفتگو' کھانے کے آداب' رسول اکرم ﷺ کی خوراک' پینے کے آداب' مہمان نوازی کے اطوار' سونے کے آداب' دیگر سنتوں کو احادیث کی کتب سے منتخب کر کے نہایت آسان انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔

صفحات 592 قیمت 165 روپے صرف

ناشر

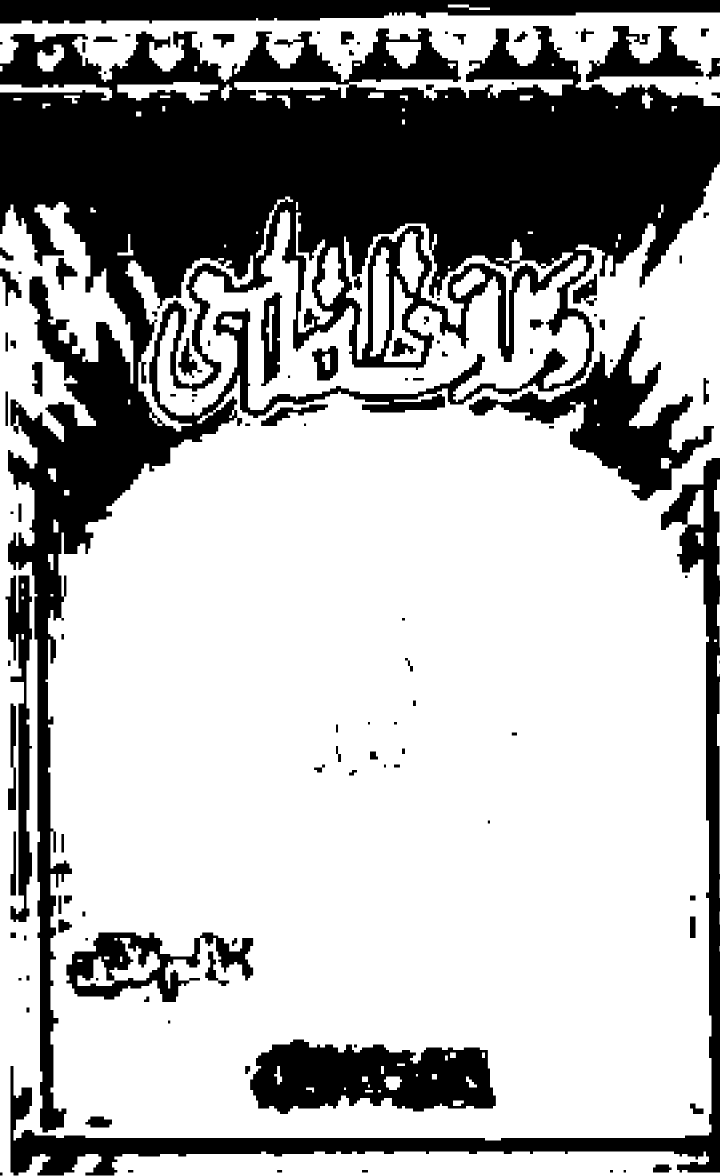
ادارہ پیغام القرآن

40 اُردو بازار لاہور











ادارہ پیغام القرآن

۴۰۔ اردو بازار لاہور ☎ 042-7323241

